وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

للہ الحمد کہ دریں ایام فرخندہ فرجام نسخہ نور آگین رحمت آثار گلشن رنگین

جاوید بہار گوہر دریائے معانی

یعنی

گنجینۂ سلیمانی

از تصنیف شریف غوّاص دریائے فصیح اللسانی شہسوار میدان صدق بیانی

جناب مولوی مظفر حسین خاں صاحب سلیمانی

مشعر حالات معالج الدولہ خان بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبا

شاہ آبادی معہ دیگر مشاہیر

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء

-/5f 15|-

یادِ ایام

مصنفہ جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ کتاب فاضل مصنف نے جناب نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکرٹری کانفرنس کی تحریک سے تالیف فرمائی ہے جس میں صوبہ گجرات کے اسلامی عہد کی علمی ترقیوں کی ولولہ انگیز تاریخ نہایت تحقیق و کاوش سے لکھی گئی ہے اس کے مطالعہ سے دور ماضی کا علمی مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خطۂ گجرات بھی سلاطین اسلام کے زمانہ میں علم و فن کا ایک شاندار مرکز تھا۔ مصنف کی تحقیقات و ریزہ چینی قابل تحسین و ستائش ہے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ، پہلے ۱۲ میں فروخت ہوتی تھی اب ناظرین کی سہولت کے لئے اس کی قیمت دس آنہ کردی گئی ہے۔

فہرست مضامین متعلق حالات حکیم سید فرزند علی صاحب

تہدیہ

یہ ناچیز تالیف بنام نامی عالی جناب **نواب صدر یار جنگ بہادر مولنٰا**
مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی (تعلقہ دار حبیب گنج) ضلع
علی گڑھ صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدر آباد دکن معنون کی جاتی ہے۔

اس کتاب کی واقعی یہ خوش نصیبی ہے کہ ایسی ذات جامع الصفات سے منسوب ہوئی کہ جو حد
داد خوبیوں میں فی زمانہ وحید العصر اور فخر قوم سمجھی جاتی ہے۔ جناب ممدوح کو قدرت نے فطرتاً وہ
دل و دماغ بخشا ہے کہ جو علم و عقل کا معدن اور تہذیب و لیاقت کا مخزن تسلیم کیا گیا۔ چونکہ اس موقع پر ان
کے محاسن اخلاق کا تذکرہ آ گیا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بطور اختصار آپ کے اوصاف حمیدہ کی
صراحت کی جائے۔ تاکہ معزز ناظرین کو آگاہی ہو کہ اس لائق کو اک ایسے جامع کمالات کے
سے انتساب کا شرف حاصل ہوا کہ جو مایۂ ناز ہے۔ خاندانی رئیس ہونے کے ساتھ آپ کی علمی قابلیت

دینی فضیلت نے سونے پر سہاگے کی کیفیت پیدا کردی۔

ایشیائی مذاق اور انگریزی تہذیب کی جامعیت سے ایک رنگِ عجیب اور جلوۂ غریب ہویدا ہوگیا۔ کیونکہ بحمدہ عربی اور انگلش دونوں علوم میں آپ کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔

جناب موصوف کی عمر کا بڑا حصہ علمی مشاغل قومی ترقی تعلیمی مسائل کے غور کرنے میں صرف ہوا۔ ان ہی اسباب سے بہت بڑے محقّق اور وسیع النظر نقاد سمجھے جاتے ہیں۔

قومی خدمات میں محمڈن کالج علی گڑھ کے نہ صرف ٹرسٹی بلکہ اُس کی دینی شاخ و کانفرنس اور انجمن ترقی اُردو کے سکریٹری بھی رہے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رُکن رکین اور اسکول چھترے کے محسن و سرپرست ہیں۔

سالانہ جلسوں ندوۃ العلماء اور کانفرنس کالج کی صدارت کے لیئے آپ انتخاب فرمائے گئے۔

تصنیف تالیف کے فن سے طبعی مناسبت اور اپنے طرزِ خاص کے موجد ہیں۔ ذکرِ حبیب علمائے سلف، ذکرِ جمیل، سیرتِ صدّیق، نقشِ وفا، نابینا علماء، تنقید مجنون لیلیٰ خسرو، ریویو حیاتِ جاوید مقدمہ نکات الشعراء، و دیوان درد کے علاوہ مختلف رسائل کثیر التعداد مضامین آپکے قلمِ اعجاز رقم سے صفحۂ قرطاس پر نکل کر شائع ہوچکے۔

نہ صرف نثر نگاری، بلکہ شعر گوئی میں بھی یدِ طولیٰ ہے حسرت تخلّص، منشی امیر احمد صاحب مینائی کے شاگرد رشید۔ امیر اللغات کی ترتیب کے وقت جو رائے صائب آپنے تحریر فرمائی اُس کی داد ماہر اُستاد امیر مینائی نے جن بیش بہا الفاظ میں زیبِ قلم کی تھی وہ اردوے معلّی میں چھپ چکی ہے آپ کا دل کش کلام اور قابلِ قدر تذکرہ خم خانۂ جاوید میں اشاعت پاچکے۔ اگر سخن سنجی میں کمال ہے تو سخن گوئی میں بھی پایہ بلند ہے۔ آپکے ذاتی شوق کا پاکیزہ نمونہ آپ کا کتاب خانہ ہے۔

اس مدمیں وہ دریا دلی کو دخل دیا کہ نایاب و زگار کتب کا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ صدہا مطلّا مذہب شاہی نسخے مشاہیر زمانہ کے قلم کی یادگار قابل دید خرید کیے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بجز ہز ہائنس رامپور کے دوسری لائبریری اتنی عمدہ اس صوبہ میں دیکھنے میں نہیں آئی۔

عربی دینیات و درسیات میں مفتی محمد لطف اللہ صاحب ناظم دار القضا حیدرآباد جیسے جیّد علّامہ فاضل کے ارشد تلامذہ میں ہیں شمس العلماء علّامہ مولوی شبلی صاحب جیسے نامور مورّخ نے الندوہ میں آپ کی اڈیٹری ضروری سمجھی۔

آں جناب کے خاندانی وقار کا پتہ صرف اس واقعہ سے چل سکتا ہے کہ جب آنریبل سر جمیس لاٹوش صاحب لفٹنٹ گورنر نے جو آپ کے والد بزرگوار نواب محمد تقی خاں صاحب رئیس اعظم بھیکن پور کے قدیمی بے تکلّف دوست تھے از خود آپ کو ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر لینا چاہا مگر آپ کے پدر نامدار نے اپنے لائق اکلوتے فرزند کی جدائی پسند نہ فرمائی۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام فرماں روائے دکن خلد اللہ ملکہٗ نے آپ کی قابلیت و دیانت اتباع شریعت کی تعریف سنی۔ چونکہ اس اثناء میں بندگانِ عالی کے استاد عظمت آب خان بہادر مولوی انوار اللہ صاحب فضیلت جنگ ناظم امور مذہبی کی افسوسناک رحلت کا واقعہ پیش آ چکا تھا اور ان کی جگہ خالی تھی۔ اس وقت حضرت نظام الملک آصف جاہ بالقابہ موجودہ کی نظر آپ پر پڑی اور بصد عزت و توقیر وطن سے دکن بلوا کر صدر الصدور مذہبی جیسے منصب جلیلہ پر آپ کو سرفراز فرمایا۔

مجھے امید ہے کہ ایسے نامور ذی شان کی نسبت سے میری معمولی تصنیف کو مقبولیت اور شہرت کا اعزاز حاصل ہو۔

آپ کی مشبّہ تصویر سے نہ صرف ان اوراق کی زینت بلکہ جمال صورت کا ثبوت اور

صفات مندرجہ سے حُسنِ سیرت کا دائمی یادگار پیشِ نظر رہیگا۔ انشاءاللہ یہ کتاب ہر ایک معزز بزم میں جائیگی اور شائقین آپ کی خوبیوں سے آگاہ ہونگے۔

یہ امر بھی قابلِ اظہار و موجبِ سپاس گزاری ہے کہ خاکسار کی زمینداری زیرباری کی وجہ سے طبع کتاب کے معاملہ میں مشوش تھی کہ ملازمانِ والا نے اس کتاب کی طرف دستِ کرم بڑھایا اور چشمِ مروّت سے بغور دیکھا اور چھپوایا۔

یقین کامل ہے کہ بہت سے بزرگانِ دین کی روحیں آپ کی مکرمت رئیسانہ سے عالم برزخ میں مسرور ہونگی اور یہ اعانتِ حسنہ باعثِ برکات دارین ہوگی۔ حق تعالیٰ ایسے علم دوست حامیِ اسلام رئیس کی عمرگرامی میں ہزار ترقی مدارج برکت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

داعی

محمد مظفر حسین سلیمانی مصنف بہارستان مخدوم، نامۂ مظفری، تاریخ شاہ آباد، حیاتِ نصرت، حیاتِ مسیح، گنجینۂ سلیمانی، مژدۂ جہاں من مقام شاہ آباد

یاحکیمُ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

اے صبح وشام ذکرِ تو وردِ زبانِ ما
گویا بذکرِ ہست زباں در دہانِ ما

ہم جاتے آگے ہیں مگر نظر پیچھے رہتی ہے اس میں قدرتِ ربّانی کا مقتضاء یہ ہے کہ گزشتہ واقعات کو دیکھ دیکھ کر ہم اپنے لیئے آئندہ کا راستہ بنائیں۔ اور سنبھل سنبھل کر چلیں مگر بہت کم ہیں جو اس اُصول پر چلتے ہوں۔ رہروانِ منزلِ زندگی عالمِ ہستی کی کشمکش میں نہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا قدم کہاں پڑتا ہے۔ نہ آئندہ کے لیئے گزشتہ واقعات سے سبق لیتے ہیں۔ اسی بے پروائی نے خلق اللہ کے بیشمار حصہ کی زندگی خراب کی اور وہ اچھے اسلاف کے نااہل خلف ثابت ہوئے۔

لہذا ہمارا کام ہے کہ اچھے سلفوں کے حالاتِ زندگی اور اُن کے نفع بخش اخلاق وعادات کو اُن لوگوں کے پیش نظر کرتے رہیں جو عرصۂ ہستی کے تگ ودو میں مصروف ہیں۔ اور سیرِ زندگی

کی دشواریوں میں پھنسے ہوئے ہیں دنیا کا معمولی کام ہے کہ اگلوں کی یادگاروں کو مٹائے اور موجودہ رہروانِ شاہراہ ہستی کو غافل رکھے۔

مگر زندہ قوموں کے زندہ دل فضلا اکابر سلف کے کارناموں کو ہمسفرانِ ہستی کے سامنے پیش کرکے اُن کی رہبری کرتے رہتے ہیں۔ گزری ہوئی مبارک زندگیوں سے سبق لیکر ایسے اچھے اور بااُصول زندگی نامہ تیار کردیتے ہیں کہ جو کوئی اُن پر عمل کرے بزرگوں کے حالات سے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اُن مرحومینِ اُمت کی وساطت سے فلاح دنیوی و نجاتِ اُخروی حاصل کرسکتا ہے۔

اِس کوشش کے نتیجہ میں دُنیا کے بڑے بڑے نامور لوگوں کے حالاتِ زندگی مدوّن ہوگئے ہیں اور اُن سے صفحۂ ہستی کی ترقی یافتہ قومیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔

اِس سچے مذاق کو یورپ میں فی الحال اس درجہ نشو و نما حاصل ہوگیا ہے کہ اگر کسی نے تھوڑی شہرت پائی یا کسی معمولی بات میں بھی کچھ سرگرمی دکھائی تو مرتے ہی اُس کے مبسوط ضخیم سوانح عمری مدوّن ہوجاتے ہیں اور اس کا نام لوحِ زمانہ پر ثبت ہوجاتا ہے۔

مگر افسوس ہمارے یہاں باوجودیکہ ناموروں کی کمی ہے جو چند نفوسِ قدسیہ نظر آتے ہیں اُنکے حالات قلمبند کرنے کی طرف بھی بہت کم توجہ کی جاتی ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں زمانہ اپنی عادت کے مطابق اُن کے کارناموں کو بُھلاتے بُھلاتے اُن کے ناموں کو بھی مٹا دیتا ہے۔

اِن بُھول جانے والوں میں بعض ایسے تھے کہ جو ہندوستان یا مسلمانوں ہی کے سرمایۂ نازنہیں بلکہ فخرِ روزگار و افتخارِ عالم تھے کیونکہ اُن کی زندگی سے دُنیا کی کل قومیں پاک بازی و نفع رسانی کا عام سبق لے سکتی ہیں۔

ایک بُرانے قبرستان میں جا کے کھڑے ہو اور فاتحہ خوانی کے بعد چشمِ عبرت میں کھولو تو

اُن کے تذکروں کی یاد تمہارے دل میں تازہ ہوگی اور خیال کی آنکھوں سے دیکھو گے کہ کیسے کیسے نامور علمائ، فضلائ، حکمائ، اطبائ، اتقیا و اصفیا خاک کی چادریں چھپے پڑے ہیں۔ اُن کی مبارک ذاتوں سے کیسے کیسے فیض کے چشمے جاری تھے۔ علم و حکمت کا عالم اُن کے زیرنگیں تھا اور زمانہ اُن کی غلامی کر رہا تھا۔ مگر جیسے ہی اُنھوں نے دُنیا کو چھوڑا دُنیا نے اُنھیں چھوڑ دیا۔ اور آج نام لینا اور اُن کے کمالات کا افسانہ بیان کرنا درکنار کوئی فاتحہ خواں بھی نہیں۔ ہمارا کام تھا کہ اُن کے حالات کی اشاعت کرکے اُن کے مبارک ناموں کو چمکاتے اور اُن کے کارناموں کو لوحِ زمانہ پر نقش کر دیتے مگر ہم نے غفلت کی۔ اور بے وفا دنیا نے اُن کی زندگی کی یاد مٹا دی۔

ہزارہا اسلاف کے نام مٹ جانے کا خیال اس خاکسار ذرّۂ بے مقدار کے دل و دماغ پر اثر کر گیا اور دُھن پیدا ہوئی کہ جن اخلاقِ حسنہ اور علم و فضل کی شمعوں کی روشنی قبروں کی تاریکی سے باہر نہیں نکلتی اُن کو باہر نکال کے اس طرح روشن کروں کہ اُن سے دُنیا منوّر ہو جائے۔ مگر افسوس بہت سے نامور ایسے ہیں جن کے حالات کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ نہ مصنّفوں نے اُن کے متعلق کچھ لکھا اور نہ کوئی ایسا مستند راوی باقی ہے جس سے دریافت کرکے اُن کی زندگیوں کی گل شدہ شمعیں ازسرِنو روشن کی جائیں۔

اس جستجو میں نظر ایک ایسی عالم افروز شمع روزگار پر پڑی جو ابھی کل تک روشن تھی اور حیرت زدہ آنکھیں ایک مدّت تک اس کے نورِ فیض سے استفادہ کرتی رہی ہیں۔

اِس شمع عالم افروز سے میری مراد **افسر الاطبا معالج الدولہ خاں بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب مرحوم** ہیں جن کو سفرِ آخرت فرمائے بیس ہی سال کا زمانہ ہوا ہے۔ مجھے اُن کی شاگردی و رفاقت کا مدتوں فخر حاصل رہا۔ اکثر سفر و حضر میں اُن کے ہمراہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ اُن کی ذاتی خوبیوں، ہمدردی، انکسار، استغنا، راست بازی و پاک نفسی، علمی تبحر اور حذاقت و کمالات

کے صدہا واقعے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔
فضائل دنیوی برکات اخروی اور نفع رسانی خلق کے لحاظ سے اُن کی ذات با برکات ایک ایسی مشعلِ فیض تھی کہ جس کی روشنی آج تک میری آنکھوں میں بسی ہوئی ہے۔

لہذا خیال کیا کہ پہلے اسی چراغ کو اُکسا کے اس کے نور سے عالم کو منور کروں۔ حکیم صاحب اعلی اللہ مقامہٗ میرے پدر بزرگوار کے دلی دوست اور میرے بزرگ تھے۔ اپنے وطن کے سرمایۂ ناز اور خاکسار کے ہم وطن۔ اِن کی برکتوں نے جس خوبی و وسعت سے خلقت کو دینی و دنیوی اخلاقی و معاشرتی علمی و طبی فائدے پہونچائے ہیں اُن کو میں نے آنکھوں سے دیکھا اُس کا نقش میرے دل سے مٹ نہیں سکتا اور اُن کے کمالات ظاہری و باطنی کے جو نقش میرے لوحِ دل پر ثبت ہیں اُنھیں کو میں اس سیرت کی شان سے ابنائے زمانہ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ جیسا نفع عام خود حکیم صاحب کی زندگی سے اُن کے معاصرین کو پہونچا ویسا ہی اُن کی اس سیرت کے ذریعہ سے دنیا والوں کو قیامت تک پہنچتا رہے۔ حکیم صاحب کی خوبیاں اور کمالات تو ناظرین کو اس کتاب کے آئندہ صفحات پر شرح و بسط سے نظر آئینگے۔ مگر اس موقع پر دیباچہ میں اجمالاً اس بات کو دکھا دینا چاہتا ہوں کہ وہ کیسی عام مقبولیت و مرجعیت کے بزرگ تھے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد ہنوز حکیم صاحب کے نشو و نما کا زمانہ تھا کہ اُن کی شہرت و ناموری اعلیٰ ترین سرکاروں اور قوم کے معزز ترین درباروں تک پہنچ گئی۔

چنانچہ حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے حکیم صاحب کی لیاقت اور خوبیاں سُنکر اپنے ولی عہد صاحب عالم میرزا محمد حامد علی بہادر کے توسط سے خلعت و خطاب معالج الدولہ خان بہادر سے سرفراز فرمایا۔ اور اس بارہ میں جو فرمان صادر ہوا وہ مع مہر خطابی کے آج تک بجنسہٖ محفوظ رکھا ہوا ہے خاندانِ شاہی میں آپکے اوصاف کا تذکرہ

آنے کا ذریعہ کئی حضرات ہوئے ان میں سب سے اول حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی منشی میر اولاد علی صاحب جو میرزا اسکندر حشمت محمد جواد علی بہادر عرف جرنیل صاحب برادر شاہ اودھ کے اُستاد و مصاحب و سکریٹری تھے۔ وہ بعد انتقال جرنیل صاحب کے لندن ہی میں رہ گئے اور چالیس سال تک کیمبرج یونیورسٹی کے اور ڈبلن میں ٹرنٹی کالج کے پروفیسر رہے۔ جن کے لایق انگریز شاگرد یورپ سے ہندوستان آکر بعض اضلاع میں کلکٹر و کمشنر رہ چکے ہیں۔ دوسرے مولوی محمد شاہ صاحب جو سرکار شاہی کے معتمد علیہ ملازم تھے۔ مقدمہ سلطنت کے لیئے میرزا ولی عہد بہادر کے ہمراہ انگلستان بھیجے گئے۔ اور حکیم صاحب کے ہم مکتب و بچپن کے دوست تھے۔

تیسرے تاجدار اودھ کے دوسرے فرزند شہزادہ فریدوں قدر میرزا ہنر بر علی بہادر جن کو اپنا مہمان کرنے کا افتخار بھی حکیم صاحب کو حاصل ہوا تھا۔

الغرض ۱۲۷۸ھ میں اس خطابی اعزاز سے حکیم صاحب بہرہ ور ہوئے۔ اس فرمان کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ یہ اسلامی دربار شاہی آپ کا کس درجہ قدر شناس تھا۔



نقل فرمان شاہی

محمد حامد علی بہادر ۱۲۶۵
جہاں قیصر حشم صاحب عالم ولی عہد مرزا
ابوالنصرت کیوان قدر ہمایوں

حضرت اقدس و اعلیٰ اعاد اللہ ملکہ

حکمنامہ

باسم حکمت و فضیلت شعار سیادت و شرافت دثار معالج الدولہ حکیم سید فرزند علی خان بہادر مشمول عواطف بادشاہانہ شد
ازانجا کہ ہمت والانہمت حضور پرنور ہموارہ متوجہ احوال ارباب فضل و کمال می باشد ہنگام نہضت
رایات عزیمت بسمت ولایت اوصاف کمالات علمی و حکمی آں سیادت دثار زبانی شرافت دستگاہ
منشی سید اولاد علی و بعضے دیگر مقربان بساط فیض مناط بارہا بسامع فیض مجامع رسیدہ موجب مزید
التفات و توجہ خاطر کرامات مظاہر بحالت ایشاں گردیدہ بود دریں ولا کہ تجدید و تزیدش بعرض

یعنی مستعملین آں نفضیلت آئین نیز شدہ و نسخ مجوزہ وعرضی و عرضداشت الیشان بملاحظہ والا
درآمدہ چنانچہ ہمین سفارش حضور فیض معمور عرضداشت مع نسخ بنظر کیمیا اثر بندگان حضرت
گزشت از تائیدات حضرت شافی مطلق جلت حکمۃ باستعمال بعضے ازاں نفع عاجل و
فائدہ کامل حاصل گشت بنا بر آں حکم فیض شیم بندگان دارا دربان
جہت عطاے مہر خطاب مندرجہ بالا و خلعت پنج پارچہ عز نفاذ یافتہ بذریعہ عزیز القدر
مہدی قلی خاں بہادر حلیہ عطایاے حضرت ظل اللہی بتزئین انور عواطف شاہی خواہد رسید و
ہر چند طلب و تقرر آں سیادت و ثار ہم اقتضاے خاطر دریا مقاطر بندگان جلیل الشان حضرت
بودہ است مگر بسبب بعضے وجوہ و مصالح کہ مراعاتش نظر بمنافع آں عزت و ستگاہ مدنظر
فیض اثر حضور است در رائے عاطفت انتمائے حضور ثانی و تراخی یک چند مدوزہ وریں باب
مقارن بصواب لازم کہ خود را در جمیع اوقات مطمح انظار و عنایات تصور یدہ تا حین تحصیل شرف
حضوری اطلاع حالات خود بذریعہ عرائض می کردہ باشند و تعجیل باحضار یک دو نسخہ دیگر چنانچہ
بالواسطہ امر رفتہ است بر خود از واجبات شناسند فقط

مرقومہ سیوم ربیع الاول سنہ ۱۲۷۵ ہجری

اسی دربار شاہی پر منحصر نہیں حکیم صاحب کے تعلقات جس سرکار سے رہے اور
جس دولت کو ان کے آزمانے اور آپ کے کمالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا وہ بھی ویسی
ہی مداح اور قدر دانی پر مجبور رہی۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کرون آف انڈیا رئیس دلاور اعظم طبقہ اعلاے
ستارہ ہند جی سی ایس آئی والیہ بھوپال سے حکیم صاحب کو انتہا درجہ کا تقرب حاصل تھا

اور ان کے ایسے مزاج داں تھے کہ بڑے بڑے عہدہ دار اپنے مقاصد کو اکثر حکیم صاحب سے عرض کرا کے حاصل کیا کرتے اور معاملات کے متعلق تحریری مشورہ بھی دیتے۔ محتشم الیہا نے اپنی مصنفہ تاریخ بھوپال تاج الاقبال میں اپنے مخصوص و ممتاز ملازمین کے سلسلہ میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ان کے بعد ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی آئی ای جی سی، ایس آئی جی بی ای۔ فرماں روائے بھوپال دام ملکہا کی بارگاہ میں حکیم صاحب کو ایسی خصوصیت حاصل تھی کہ اپنی لائف موسومہ بہ تزک سلطانی کے صفحہ (۲۱۲) میں تحریر فرماتی ہیں کہ جب نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر (آپکے بڑے فرزند و ولی عہد) بیمار ہوئے تو آخر گھبرا کر میں نے (اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں) عریضہ بھیجا کہ حکیم فرزند علی کو جو ہمیشہ سے ہمارے معالج ہیں اور ان کو مزاجوں کا تجربہ ہے اور اب یہاں کی علیحدگی کے بعد راج گڑھ میں ملازم ہیں بلانے کی اجازت دی جائے۔

۱۴ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ یوم جمعہ کو جب قصر سلطانی احمد آباد میں ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ ملک بھوپال کے حضور میں اس خاکسار کو شرف باریابی حاصل ہوا اور راقم نے دریافت کیا کہ حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطباء کے متعلق سرکار عالیہ کے کیا خیالات ہیں تو جناب ممدوحہ نے نہایت سنجیدگی سے اک لطیف پیرایہ میں کچھ گزشتہ حالات کی صراحت کر کے اپنی زبان گوہر افشاں سے فرمایا کہ میں حکیم صاحب کو نیک و لائق اور خدا پرست و عبادت گزار جانتی ہوں۔

اس ارشاد سے بھی معتمد و مقرب ہونے کی تصدیق ہوئی۔

حکیم مولوی عبد القادر خاں صاحب شاہجہانپوری جو اس سے پیشتر مہاراجہ ․․․

جے پور کی سرکار سے وابستہ تھے اور حکیم صاحب کی وفات کے ایک مدت بعد بھوپال کے
افسر الاطبا مقرر ہوئے حکیم سید فرزند علی صاحب کی نسبت فرماتے تھے کہ خداوند کریم
نے علاج و اخلاق کی وہ خوبیاں حکیم صاحب کو عطا کی تھیں جو فی زمانا معدوم
ہو رہی ہیں وہ ایک کریم النفس و لاجواب بزرگ تھے۔
حکیم حاجی مولوی عبدالقادر خاں صاحب کا یہ قول سچ یہ ہے کہ قول فیصل کا حکم
رکھتا ہے۔

ایسی خوبیاں معلوم ہونے اور ایسی قدرداں سرکاروں اور نامور بزرگوں سے
ان کی تصدیق ہو جانے کے بعد سخت ظلم تھا۔ اور میری نہایت کوتاہی تھی اگر میں حکیم صاحب
مرحوم کے حالات کو لوح زمانہ پر نہ لکھ دیتا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ حکیم صاحب کی زندگی
میں ان حالات کو قلمبند کروں اور اس کا تذکرہ خود ان سے کیا۔ انھوں نے مجھے حالات کا
مشتاق دیکھ کر دربار اودھ اور ریاست بھوپال کے تعلقات اور اپنی لکھنؤ کی سکونت و
تعلیم کے بہت سے حالات بنفس نفیس بیان فرمائے۔ اپنے خطوط اور کاغذات کا کافی
ذخیرہ مجھے دکھا دیا۔ اور اس کے بعد معمول یہ ہو گیا تھا کہ اکثر لوگوں کو جو خطوط اور تحریریں
بھیجتے مجھی سے لکھا کر بھیجتے اور زیادہ تر اس خوش نصیبی کا موقع مجھے اس لئے ملا کہ
میں ان کا شاگرد تھا تحصیل علم کی ضرورت سے سفر حضر اور خلوت و جلوت میں اکثر ساتھ رہا
لہذا اس تصنیف کے لئے جیسا اچھا مواد میری نظر سے گزرا اور میرے دل و دماغ میں
موجود تھا اور کسی کو نہیں نصیب ہو سکتا۔ چنانچہ اس قومی خدمت کو میں نے اپنے ذمہ لیا
اور جناب مرحوم کی سوانح عمری کو پوری کوشش و احتیاط سے مرتب کر دیا۔ دوسری بڑی
اہم اور ضروری چیز اس تصنیف میں یہ ہے کہ حکیم صاحب کی وسعت احباب اور کثرت

تعلقات کی وجہ سے ان کے حالات کے سلسلہ میں اور بہت سے ایسے ناموران وطن و قوم کے حالات قلمبند ہو گئے ہیں جن میں اکثر کے نام گمنامی کی تاریکی میں پڑ گئے تھے مگر دنیا کو ان سے یاد رکھنے اور بعد والی نسلوں کو ان کا احترام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حیثیت سے یہ کتاب بہت سے بزرگانِ قوم کی زندگی ناموں کا دلچسپ مجموعہ ہے بہر حال مجھ سے جو کچھ ہو سکا حوالۂ قلم کر کے ملک کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ کامیابی اور قبول عام خدا کے ہاتھ ہے۔ وھو الموفق للصواب ؎

اے در پناہ لطف تو چوں سایہ عالمے
آوردہ ام بسایۂ لطفت پناہ خویش

ابتدائی حالات

حکیم حاجی مولوی سید فرزند علی صاحب آٹھویں جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۳ھ کو شاہ آباد میں پیدا ہوئے جو مقام فی الحال ہردوئی کے ضلع میں واقع ہے۔ پدر بزرگوار سید نظام علی عرف سید ضامن علی صاحب سادات بنی فاطمہ سے تھے۔ چنانچہ اجداد امجاد کا سلسلہ امام علی نقی کے ذریعے سے حضرت سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تک پہنچتا ہے۔ جد امجد سید جمال الدین ابن سید کمال الدین ابن سید بہاء الدین ابن سید شمس الدین جن کا سلسلہ نسب بارہ پشت کے بعد امام نقی علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے اور نقوی بخاری کہلاتے تھے آپ کے اجداد میں سید جلال بخاری بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں۔ نانا مولوی سید عبد الرحمٰن صاحب ذی علم اور ستودہ صفات بزرگ تھے۔ ان کے حقیقی بھائی خلیفہ سید عبد الرزاق صاحب یکتائے روزگار ان جملہ صاحب فضل و کمال مشہور ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے تذکرہ شمع انجمن کے صفحہ ۵۲۴ میں

ان کی نسبت لکھا ہے۔

یعنی سید عبدالرزاق شاہ آبادی سید عالی نژاد بود و سلالہ سلسلہ امجاد و در جودت طبع وسلامت مزاج ومہارت فنون فارسی ممتاز عصر میزیست

حکیم صاحب کے والد بزرگوار بھی ذی لیاقت اور شاعری میں دستگاہ کامل رکھتے تھے چنانچہ ملکہ خیاط کی فرمائش سے جو بادشاہ اودھ نصیرالدین حیدر کے عہد میں دولت وقدردانی علم میں ترقی کرتے کرتے ایک فیاض امیر کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ انھوں نے ایک مثنوی بنام مثنوی ملکہ بڑی قابلیت وخوش اسلوبی سے لکھی اُس میں انتزاع سلطنت لکھنؤ کے پُرانقلاب زمانہ کو ایسی خوبی سے نظم کیا کہ پڑھنے والوں کے دل پر نہایت اثر پڑتا ہے غالباً یہ واقعہ انھوں نے غدر کے بعد بڑھا دیا۔

حکیم صاحب کے خاندان کو لکھنؤ کی سلطنت سے قدیم تعلق رہا چنانچہ والد محترم نائب چکلہ داری کے عہدہ پر مامور تھے۔ محلہ سبحان نگر میں مکان تھا اور اکثر تھانہ منڈیاؤں میں قیام رہا کرتا تھا اور ان کی وجہ سے حکیم صاحب کا بچپن شاہ آباد اور لکھنؤ دونوں جگہ گزرا۔ سن تمیز کو پہونچے تو لکھنؤ میں تعلیم شروع ہوئی اور پہلے پہل فرنگی محل کے قریب اور تجمل حسین خاں کے پھاٹک کے اندر الٰہی بخش کی ایک مسجد مشہور تھی اُس میں پڑھنے کو بٹھائے گئے ان کے دینیات و درسیات کے اوستاد مفتی سعداللہ[۱] صاحب تھے جن کے علم وفضل کی دور دور شہرت تھی اور اسی مدرسہ میں آپ کے ہم مکتب مولوی محمد شاہ صاحب ومفتی حافظ عنایت حسین صاحب مینائی برادر

---

[۱] مفتی سعداللہ صاحب مشہور عالم ہیں جو مدتوں لکھنؤ اور رام پور میں مفتی رہے اصلی وطن مراد آباد تھا۔ ۱۲۱۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ظہور حق ہے۔ بڑے ہوئے تو ذوق علم دہلی میں لے گیا جہاں مولوی محمد حیات اور مفتی صدرالدین خاں صدرالصدور و بانی مدرسہ دارالبقا کی درسگاہ میں کتب درسیہ کی

منشی امیر احمد صاحب تھے یہ تعلیم ایسے اچھے مکتب اور ایسے قابل ہم سبقوں کے ساتھ تھی کہ بہت ہی جلد فارسی کی درسی کتابوں اور عربی کے دقیق فنون صرف و نحو، منطق، معانی، بیان

(بقیہ صفحہ ۶) تحصیل کی کبھی کبھی مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دقیق مسائل کو حل کرتے چونکہ ان دنوں لکھنؤ دولت و قدردانی کا مرکز تھا لہٰذا ۱۲۴۳ھ میں تشریف لائے یہاں مولانا محمد اشرف، مفتی محمد ظہور اللہ، مولوی محمد اسمٰعیل مرادآبادی، مولوی میرزا حسن علی صاحب محدث لکھنوی سے استفادہ علمی کیا ۲۹ سال کی عمر تھی کہ مدرسہ شاہی لکھنؤ کے پروفیسر اور دفتر شاہی کے مترجم مقرر ہوئے بعد ازاں مفتی عدالت کے عہدہ پر تقرر ہوا جس خدمت کو ایک مدت دراز تک انجام دیتے رہے سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں حرمین شریفین کی زیارت سے شرف یاب ہوئے اور مکہ معظمہ میں شیخ العلماء مولانا شیخ جمال سے سند حدیث کی تجدید فرمائی۔ ارض حجاز سے واپس آکر پھر لکھنؤ میں خدمت افتا انجام دیتے رہے۔ غدر کے بعد ۱۲۷۳ ہجری میں مفتی صاحب ممدوح کو والی رامپور نواب محمد یوسف علی خاں بہادر فردوس مکان نے جو مفتی صاحب کے شاگرد تھے رامپور بلوایا اور عہدہ مرافعہ عدالت و افسری مدارس پر ممتاز کیا۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے اور آشفتہ تخلص تھا۔ چنانچہ ایک قصیدہ اپنے استاد مفتی صدرالدین خاں صاحب کی مدح میں بھی لکھا ہے علم و فضل کے علاوہ وہ عابد مرتاض اور صاحب باطن بھی تھے۔ مکہ معظمہ میں عارف باللہ شیخ یحییٰ کے حلقہ مراقبہ میں شریک ہوئے اور شاہ غلام علی صاحب دہلوی خلیفہ مجدد الف ثانی سے بیعت تھی ۷۵ سال کی عمر میں ۱۲ رمضان ۱۲۹۴ھ بروز یکشنبہ کو روزہ سے تھے اور قصیدہ بردہ کا درس دے رہے تھے کہ یکایک فالج گرا اور اسی مرض میں سفر آخرت فرمایا۔ اور بغدادی صاحب کے مزار کے متصل مدفون ہوئے (مات مفتی الانام سعد اللہ) تاریخ وفات ہے۔ ۸۳ کتابیں اور رسالے یادگار چھوڑ گئے جن میں القول المانوس فی صفات القاموس، نوادر الاصول فی شرح الفصول، غایت البیان فی تحقیق السبحان، رسالہ تناسخ، وسیلۃ النجات فی مسائل الزکوٰۃ، میزان الافکار شرح معیار الاشعار، قصیدہ لامیہ عربیہ فارسیہ، حاشیہ سلم، جواہر العروض، زاد اللبیب فی ذکر الحبیب وغیرہ مشہور ہیں اور ان میں سے بعض چھپ بھی گئی ہیں۔ دو فرزند مفتی لطف اللہ صاحب اور مولوی بشارت اللہ صاحب وارث چھوڑے اور دونوں صاحب علم و فضل تھے۔ مفتی لطف اللہ صاحب سے اور اس خاکسار سے اکثر خط و کتابت رہی ہے۔ چنانچہ یہ حالات انہیں نے ایک تحریر کے ذریعہ سے مجھے

(بقیہ بر صفحہ ۸)

اور فقہ و حدیث اور تفسیر وغیرہ سے فراغت حاصل ہوگئی درسیات کے ختم ہوتے ہی علم طب کی طرف توجہ کی لکھنؤ میں ان دنوں حکیم ملا محمد نواب صاحب[۱] اپنی مہارت فن طب کے باعث بڑے روزگار

(بقیہ صفحہ ۷)

عنایت فرماتے وہ پدر بزرگوار کی جگہ رامپور میں مفتی کی خدمت انجام دیتے تھے کہ یکایک ۱۲۳۱ ہجری میں انتقال فرمایا۔ مفتی سعد اللہ صاحب حکیم سید فرزند علی صاحب کو اپنے لائق اور قابل شاگردوں میں شمار کرتے تھے جس کی تصدیق ان کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو اپنے محل پر درج ہے۔ ۱۲

[۱] ملا صاحب موصوف کے مورث اعلیٰ احمد شاہ درانی کے عہد سے ضلع پشاور میں جاگیردار تھے آپ کی ولادت و تلونت کا مقام ٹوپی ہے۔ اصلی نام نواب خان تھا مگر طبیعت تواضع پسند تھی اس لئے نام میں خانی شامل نہ کی بلکہ محمد نواب اپنا نام قرار دیا۔ آپ کے والد سعد اللہ خاں قوم کے افغان مگر والدہ سیدہ تھیں۔ ابتدائی تعلیم فارسی عربی کتابیں اپنے ملک میں پڑھ کے بتیس برس کی عمر میں زمینداری کے جھگڑوں کو خیرباد کہکر ہندوستان چلے آئے لکھنؤ رامپور میں قیام کیا منطق، فلسفہ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی سے پڑھا بعدہٗ دہلی جاکر مفتی صدرالدین خاں صاحب تلمیذ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث سے کتب حدیث کی تجدید کی۔ اس کے بعد وہیں مشہور زمانہ حکیم امام الدین خاں صاحب دہلوی سے فن طب کی تحصیل کی اس کے بعد پھر لکھنؤ آئے اور حکیم مسیح الدولہ بہادر طبیب شاہی کے پاس مطب کیا اور عطیہ شاہی سے سرفراز ہوئے اور یہیں ملا نواب کے لقب سے ملقب کئے گئے اسی زمانہ میں کہ چالیس برس کی عمر تھی خالص پور کے ایک شریف القوم پٹھان کی دختر سے عقد کیا۔ جب نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور کی استادی کے لئے ایک فاضل روزگار کی ضرورت ہوئی تو ملا صاحب منتخب ہوئے اور حسب ایما مولوی فضل حق صاحب آپ رام پور گئے اسی وجہ سے نواب خلد آشیاں تا زیست ملا صاحب کی نہایت عزت و خاطر کرتے رہے ایک خط ملا صاحب کا نواب صاحب رام پور کے نام اور نواب صاحب کا ملا صاحب کے نام راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ بعد ختم تعلیم رامپور سے ملا صاحب بھوپال تشریف لیگئے اور نواب سکندر بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کے کئی سال معزز و معتبر طبیب رہے حتیٰ کہ وہاں سے ہجرت کا قصد کیا اور مکہ معظمہ جانے کے لئے ریاست سے بہ مشکل تمام ان کو رخصت ملی۔ ۱۸۵۹ء میں ملا صاحب مکہ معظمہ پہنچے پھر تا زیست ہندوستان واپس آنے کا قصد نہیں کیا باوجودیکہ ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲۸۰ ہجری میں نواب سکندر بیگم صاحبہ

(بقیہ صفحہ ۹)

ہیں شمار کئے جاتے حکیم صاحب نے انھیں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ لکھنو میں کتب طبیہ کے درس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حکیم صاحب کو خیال ہوا کہ دہلی میں چل کر حکیم امام الدین خاں صاحب کے فیض تعلیم سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہیے جو حکیم ملا محمد نواب صاحب کے اُستاد ہیں۔ یہ علمی

(بقیہ صفحہ ۸)

اور ۱۸۷۲ء ۱۲۸۹ھ میں نواب کلب علی خاں بہادر حج کے لئے مکہ معظمہ گئے اور یہ دونوں والیان ملک یکے بعد دیگرے ملا صاحب سے ہند چلنے کے متعلق اصرار کرتے رہے اور وہ بحیثیت گزشتہ علمی وطبی لیاقتوں کے نہایت وقار کے ساتھ رکھنے کو تیار رہتے مگر ملا صاحب نے عابدانہ زندگی کو منتہائے حیات پر مرجح سمجھا اور یہ جواب دیا کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس عمر میں اس کے دروازہ کو چھوڑ کر مخلوق کے در پر جاؤں آخر عمر تک طب کے ذریعے سے بسر اوقات کی اور کبھی علم دین کو حیلۂ رزق قرار نہیں دیا۔ دنیاوی جاہ وحشمت آسایش ومقدرت ملتی ہو اور والیان ملک قدر کرتے ہوں اور وہ منزلت جو اہل کمال کا منتہا ہو حاصل ہوتی ہو اس کو چھوڑ دینا انتہائے استغنائی اور دینداری ہے ملا صاحب ہی کی تحریک سے نواب کلب علی خاں بہادر نے ایک لاکھ روپیہ نہر زبیدہ کی مرمت کے لئے مکہ معظمہ بھیجا تا حیات ملا صاحب کو نواب صاحب رامپور بلا تعین مقدار سالانہ رقم دیتے رہے اور خط وکتابت جاری رکھی۔ آخر عمر میں جذبۂ خدا پرستی غالب ہوکر علاج سے بھی دل اُچٹ سا گیا تھا۔ مریضوں کو اپنے لائق صاحبزادہ حکیم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس علاج کو بھیج دیتے۔ لیکن معتقد مریض آپ ہی سے رجوع کرتے۔ ملا صاحب کی قوت حافظہ غضب کی تھی اور طرز بیان ایسا دل فریب تھا کہ جس محفل میں یہ ہوتے اہل جلسہ انھیں کی طرف ہمہ تن گوش بن جاتے تھے۔ باوجود افغانی ہونے کے پشتو، فارسی کے علاوہ عربی اُردو سب زبانوں پر قادر تھے۔ اُردو ایسی فصیح بولتے تھے گویا اُردوئے معلیٰ خاص ان کی زبان ہے۔ ملا صاحب کے علم ادب کی تعریف سن کر واجد علی شاہ بھی مشتاق ہوئے تھے۔ علمائے مکہ معظمہ میں آپ کا متکلمین میں شمار تھا۔ اور آپ کی نہایت تعظیم وتکریم کی جاتی تھی۔ شریف مکہ عبداللہ پاشا جو بڑے ہر دل عزیز حاکم تھے اور تدبیر ملکی میں جیسے کہ سر سالار جنگ مختار الملک ہند میں مشہور تھے اس طرح وہ عرب میں شہرت رکھتے تھے ملا صاحب کی حد سے زیادہ خاطر وتعظیم کرتے۔ اسی وجہ سے اہل مکہ ملا صاحب کو بڑی توقیر واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے بہت سے اہل اغراض کی حاجتیں حکومت کی طرف سے بتوسل ملا صاحب پوری ہوتیں مگر کبھی اپنی ذات کے لئے آپ نے

(بقیہ صفحہ ۱۰)

دُھن ڈھلی لے گئی جہاں پہنچکر مدرسہ دار البقا میں اپنے ہم مکتب دوست مولوی ارشاد حسین صاحب

(بقیہ صفحہ ۹) کوشش نہیں کی ہمیشہ شریف صاحب کو آرزو رہی کہ ملا صاحب کے اہل وعیال کو کوئی نفع پہنچے اور خود بھی کہا مگر ملا صاحب نے صاف انکار کردیا۔ شیخ عمر شیبی کلید بردار کعبہ اور سید ولی جن کا دولتمند بارسوخ اہل مکہ میں شمار تھا وہ ملا صاحب کے خاص دوستوں میں تھے۔ شریف حسن پاشا جو قسطنطنیہ میں شاہی مقربین سے گزرے ہیں وہ بھی ملا صاحب کی بڑی توقیر کرتے۔ ملا صاحب باخدا صوفی مشرب تھے وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر ایسی پسندیدہ طرز سے گفتگو فرماتے کہ خاص ان کا حصہ تھا۔ آخر عمر میں قرآن مجید بھی حفظ کیا تھا تادم مرگ ہر روز نماز تہجد میں ایک منزل قرآن شریف پڑھا کرتے۔ شاہ احمد سعید مجددی کے ہاتھ پر دہلی میں اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر شیخ ابراہیم رشیدی جو خضریہ طریقہ کے مکہ معظمہ میں شیخ مانے جاتے ان سے بھی خلافت حاصل کی مگر اپنا کسی کو مرید نہیں کیا۔ ہاں اپنے شیخ کے فضائل بزرگی و کرامت بیان کرکے لوگوں کو ان کا معتقد و مرید کرادیا کرتے تھے جس مجلس میں ملا صاحب ہوتے تو حاضرین مجلس کے مرغوب گفتگو کرتے اور باوجود اس زہد و تقوے کے کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ ابتدائے عمر میں خلاف شرع امور پر لوگوں کو روکتے مگر آخر عمر میں نرمی سے نصیحت کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ان کا قول و اعتقاد تھا کہ خدا کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے اور کوئی گنہگار مسلمان مغفرت و رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو۔ ذات باری کی رحمت اور صفات بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔ کسی دوست کی برائی سننے کے روادار نہ ہوتے جو عیب دیکھتے پوشیدہ طور پر کہہ دیتے اور علانیہ کہتے تو کنایۃً خاطی خبردار ہو جاتا اور کسی کو آگاہی نہ ہوتی۔ نہایت بے ریا اور مخلصانہ ملتے۔ ہر ایک شخص کی حاجت روائی میں کوشش کرنا ان کا سرشتی شعار تھا۔ جب مولوی محمد احسن صاحب گنجو مہاجر پر محمد احمد سوڈانی کی سازش کا مکہ میں الزام لگا اور وہ گورنمنٹ ٹرکی کی طرف سے گرفتار ہوئے تو اس وقت عثمان پاشا گورنر مکہ تھے جو نہایت زبردست اور ذی رعب شخص گزرے۔ اُن سے ملا صاحب نے جاکر سفارش کی اور باب عالی کو ایک درخواست اہل مکہ کی طرف سے جس پر سب سے پہلے اپنی مہر کی اور اس خطرناک وقت میں جبکہ دوسرے کو جرأت نہ تھی بھجوائی۔ چھ سال انتقال سے پیشتر ملا صاحب نے مصر و قسطنطنیہ کا سفر کیا استنبول میں ان کی شہرت و فصیح البیانی سے جب زیادہ مجمع اکٹھا ہونا شروع ہوا تو تحقیق حال کے لئے حکو

(بقیہ برصفحہ ۱۱)

مجددی رام پوری کے ساتھ ٹھیرے اور حکیم امام الدین[1] خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو علامۂ وقت اور فن طب میں علوی خاں ثانی مشہور تھے ان کی شاگردی اختیار کر کے طبی تعلیم

(بقیہ صفحہ ۱۰)

کی طرف سے نظر بند کئے گئے آخر کار بے قصور ثابت ہوئے - دو ڈیڑھ برس سفر کر کے پھر مکہ معظمہ واپس آئے مقلد تھے مگر ائمہ کی تقلید امر لازمی و فرض نہیں جانتے، خوش خوراک اور ٹھنڈے پانی کے نہایت شایق تھے - گرمی کے موسم میں اکثر طائف جا کر بسر کرتے - طرز معاشرت میں آزادانہ رنگ تھا عمامہ سر سے اتار کر رکھ دینا عادت میں داخل تھا اُن کا یہ قول تھا کہ بچوں پر رعب رکھنا آئندہ اچھی تربیت کے لئے ضروری امر ہے اور کسی بات کو ناممکن سمجھنا کوشش نہ کرنے کی دلیل ہے - ملا صاحب بمقام مکہ معظمہ اُن فصحا میں تھے جو عربی زبان کے حروف اصلی مخرج میں ادا کرتے ہیں - ملا صاحب بڑے قد آور اور نہایت خوبصورت انسان تھے - بلند ناک سرخ و سفید رنگ ہندوستانی وضع کا لباس پہنتے لانبا کرتہ اور جُبّہ ہندوستانی طرز کا عمامہ باندھتے، گھر سے باہر جاتے تو اکثر تصوف کی کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی - صد حیف کہ ایسے اکمل روزگار نے روز چہارشنبہ ماہ جمادی الآخر ۱۳۰۹ھ ہجری مطابق ۱۸۹۲ء کو خناق کے مرض میں قریب پچاسی برس کے سن میں انتقال فرمایا اور مکہ معظمہ میں اپنے پیر و مرشد شیخ ابراہیم رشید کے قریب مدفون ہوئے - آپ کی اولاد میں بڑے صاحبزادہ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب نہایت قابل تھے مگر جواں مرگ چل بسے - اب بھی چار صاحبزادے موجود ہیں - حکیم ملا عبدالرشید جو نہایت شگفتہ رو ذی اخلاق انسان ہیں - وہ آپ کے چھوٹے بیٹے ہیں راقم کو اُن سے نیاز حاصل ہے اور یہ حالات جو آنریبل حاجی اسمٰعیل خاں صاحب تعلقہ دار دتاولی سے دستیاب ہوئے وہ انہیں صاحبزادہ کی تصحیح و تصدیق سے راقم نے درج کئے ملا صاحب کے شاگردوں میں حکیم سید فرزند علی صاحب اور مولوی ارشاد حسین صاحب مجددی جیسے نامور اور مشہور زمانہ گزرے ہیں ۱۲

[1] حکیم امام الدین خاں صاحب کا علوم طب و فلسفہ میں پایہ نہایت بلند تھا اپنے عہد میں وحید العصر مانے جاتے - فن طبابت میں وہ درجۂ کمال حاصل تھا کہ آن کے ساتھ کسی ہمعصر کا مقابلہ کرنا کیسا ان کے سامنے طب کا نام لینا اور طبابت کا دعویٰ کرنا مشکل تھا - غرض کہ غدر سے پہلے وہ اس مرتبہ کے شخص تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے - سر سید احمد خاں دہلوی بانی کالج علی گڑھ نے جو کتاب آثار الصنادید کے آخری حصہ میں دہلی کے اہل کمال کا تذکرہ

(بقیہ بر صفحہ ۱۲)

کی تکمیل فرمائی اور جب دہلی، لکھنؤ دونوں مقامات کے مستند شاہی طبیبوں سے تحصیل کمال کر چکے تو وطن مالوف میں واپس آئے اور سواد وطن میں بیٹھکر اپنی حذاقت سے خلق اللہ

(بقیہ صفحہ ۱۱) لکھا اور وہ پہلی بار دہلی میں طبع ہوا اُس میں تحریر ہے کہ انقلاب روزگار سے اگر حکمت و فلسفہ کا نام و نشان صفحۂ دنیا سے مٹ جائے تو حکیم امام الدین خان کے حافظہ کی مدد سے ازسرِ نو دوبارہ طب و منطق پیدا ہو سکتی ہے۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب دہلوی کلکٹر نے تاریخ واقعات دارالحکومت دہلی کے صفحہ ۲۰۶ جلد دوم میں بسلسلہ تذکرہ اہل کمال دہلی لکھا ہے حکیم امام الدین خاں صاحب بڑے نباض تھے۔ ان کے بزرگوں کو سرکار شاہی سے مناصب جلیلہ اور مدارج بلند عطا ہوتے رہے اور یہ خود بھی حضرت جہانبانی کی طرف سے عہدۂ طبابت پر مامور تھے۔

حکیم صاحب ممدوح معقولات میں مولانا فضل امام صاحب کے شاگرد اور طب میں اپنے چچا حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب مصنف قرابادین ذکائی کے تلمذ سے ہیں۔ ان کے عم نامدار بھی اپنے عہد میں اقلیم طبابت کی فرمانروائی کرتے رہے اور وہ حکیم شریف خاں صاحب کے معاصر تھے۔ آپ کے دادا حکیم اسحٰق خاں صاحب نے غایت الفہم جو حمیات قانون شیخ الرئیس کی شرح ہے بڑی قابلیت سے تصنیف فرمائی تھی حکیم صاحب موصوف کے پردادا حکیم بقاء اللہ خاں صاحب دہلوی مجموعہ بقائی کے مصنف ہیں جن کا زمانہ محمد شاہ، احمد شاہ سلاطین دہلی کی بادشاہت کا تھا ان کی شہرت اظہر من الشمس ہے حاجت بیان نہیں۔ یہ تقدیری امر ہے کہ سراج الدین ابو ظفر شاہ بادشاہ دہلی کے علاج میں حکیم احسن اللہ خاں کو آپ کے ساتھ معالجہ و مقابلہ میں کامیابی ہوئی اور کلک قدرت نے غسلِ صحت انہیں کے ہاتھ پر لکھا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حکیم امام الدین خاں صاحب کا تبحر علمی معالجات سے بہت بڑا ہوا تھا۔ فن طب کے تمام جزئیات و کلیات نوک زبان تھے۔

آخر عہد میں حکیم صاحب مبرور والی ٹونک کی قدردانی سے ریاست ٹونک تشریف لے گئے اور تا زیست ٹونک کی ملازمت اختیار کر لی۔ زمرۂ تلامذہ میں حکیم نجم الدولہ محمد جان صاحب

(بقیہ بر صفحہ ۱۴)

[illegible]

کو نفع پہنچانے لگے مگر نفع رسانی کا دائرہ شاہ آباد ہی تک محدود نہ تھا بلکہ اکثر علاج کی ضرورت سے لکھنؤ میں ہی جاکر قیام فرماتے۔ اسی زمانہ میں والدین نے آپ کی شادی کتخدائی کا انتظام کیا اور شاہ آباد کے ایک صاحب علم وفضل بزرگ سید حبیب اللہ صاحب تارک کے شاگرد میر وزیر علی صاحب کی دختر نیک اختر کے ساتھ ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ یوم یک شنبہ کو عقد ہوگیا اور اس مبارک تقریب کی خوشی میں خود آپ کے والد بزرگوار نے یہ تاریخی قطعہ موزوں فرمایا ؎

بروز پنج شنبہ نصف رمضاں شدہ عقد حکیم الحمد للہ
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف کہ امشب بست عقد مہر باماہ

۱۲۷۳ھ

بعد عقد کے حکیم صاحب شاہ آباد سے لکھنؤ تشریف لے گئے محلہ سبحان نگر میں قیام پذیر ہوئے اور مطب جاری کیا وہاں کئی ایسے مریض آئے کہ جو سخت بیمار اور زندگی سے مایوس تھے حکیم صاحب نے ان کے علاج میں ایسی خوش اسلوبی سے ایسی حذاقت صرف کی کہ خدا نے

(بقیہ صفحہ ۱۲)

بھی نامی گرامی ہوئے بعد ایام غدر کے علم وفضل میں ان کا بھی کوئی ثانی نہ تھا۔ حکیم صاحب کے دو فرزند ایک فضل حسین خاں اور دوسرے غلام حیدر خاں باقی رہے تھے اور یہ ہر دو نواب صاحب والی ٹونک کے ملازم رہے اب ان کی ذریات میں احتشام الدین صاحب اور غیاث الدین صاحب موجود ہیں جن کا پیشہ ابھی طبابت ہی ہے حکیم صاحب کی تصنیفات میں بعض رسائل قابل دید ہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں حکیم امام الدین خاں صاحب نے انتقال فرمایا۔

راقم کو آپ کے قابل قدر حالات مکرمی شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی نے اپنے قلم سے لکھکر عنایت کئے اور کچھ مکرمی نواب احمد سعید خاں صاحب طالب رئیس دہلی نے تلاش کرکے مرحمت فرمائے ۱۲

انھیں صحت تام عطا کی شہر میں ایک دھوم سی مچ گئی اور دیگر مشہور اطبا کو خبر ہوئی تو انھوں نے کلمات تحسین و آفرین کہے اور ان کی لیاقت و حذاقت کے قائل ہوئے اور اس کے بعد تشخیص اور علاج میں حکیم صاحب کا شہرہ روز افزوں ہوتا گیا اور چند ہی روز میں صاحب کمال اطبا میں شمار کیے جانے لگے اور آپ کی حذاقت کی خبر بڑے بڑے والیانِ ملک کے درباروں تک پہنچ گئی۔

ملازمت

ہم حکیم صاحب کے استاد مُلا نواب صاحب کا ذکرِ خیر کر چکے ہیں کہ ایک عالم باعمل اور نامور طبیب تھے وہ ریاست بھوپال میں ملازم اور والیۂ ملک کے معالج تھے انھوں نے حکیم صاحب کے علاج و تشخیص کی تعریف نواب سکندر بیگم صاحبہ اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے سامنے کی اور انھیں حکیم صاحب کی حذاقت و کمال کا مشتاق بنایا بعد ازاں مُلا نواب صاحب ممدوح نے ہندوستان سے ہجرت کرنے اور مکۂ معظمہ کی سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بیگم صاحبہ کی خدمت میں اپنی جگہ پر حکیم صاحب کے تقرر کی تجویز پیش کی بیگم صاحبہ پہلے ہی سے مشتاق ہو رہی تھیں اس تحریک کا نتیجہ ہوا کہ ایک باضابطہ تحریر ریاست مع سو روپیہ سفر خرچ کے حکیم صاحب کے پاس شاہ آباد میں آئی اور خود مُلا نواب صاحب نے بھی بطور خود تاکید فرمائی۔ چنانچہ حکیم صاحب بھوپال تشریف لے گئے آپ کے پہنچتے ہی مُلا صاحب نے ہجرت کر کے ارضِ مقدس عرب کی راہ لی اور حکیم صاحب بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار استاد کی مسندِ حذاقت پر بیٹھے۔ یہ زمانہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء کا تھا۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے علاج میں روز بروز اپنی قابلیت کا زیادہ ثبوت دیتے گئے اور یوماً فیوماً رئیسۂ عالی تبار سے زیادہ تقرب حاصل

ہوتا گیا۔ بیگم صاحبہ نے ملّا صاحب کی تحریک پر حکیم صاحب کی طلب میں جو خط بھیجا تھا وہ اب تک محفوظ ہے۔ جس کی نقل ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

نقل خط نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بطلب حکیم صاحب

شرافت و حکمت پناہ، فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی حکیم محمد نواب صاحب بعافیت باشند

بعد سلام مسنون الاسلام آنکہ یکتا ہنڈوی مبلغ یک صد روپیہ کلدار نزد آں صاحب رسانیدہ میشود مناسب کہ ہنڈوی مذکور ذریعہ خط خود نزد حکیم سید فرزند علی باشندۂ شاہ آباد کہ آں صاحب برائے ملازمی ما تجویز کردہ اند رسانیدہ معزالیہ را بزودی تمام در اینجا طلب دارید

نواب شاہجہان بیگم ۱۲۶۵ھ

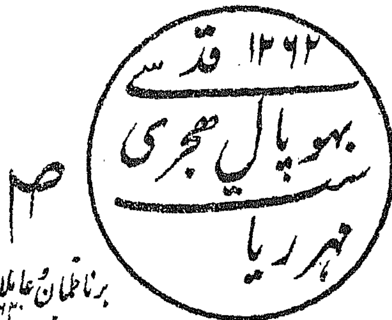
مورخہ سوم صفر ۱۲۷۷ ہجری ص

یہاں حکیم صاحب کو بیگم صاحبہ کے مزاج میں اس قدر درخور حاصل تھا کہ مقررہ مشاہرہ کے علاوہ ریاست سے جاگیر بھی عطا ہوئی جس کی سالانہ آمدنی تین ہزار (۳۰۰۰) روپیہ تھی مگر انتظامی دشواریوں اور تحصیل وصول کی دقتوں سے بچنے کے لئے ایک ٹھیکہ دار کو دیدی تھی اور اس میں سے کچھ رقم اُس کے لئے بطور حق المحنت چھوڑ دی تھی۔

اس کے علاوہ غسل صحت و تقریبات کے موقعوں پر فیاض فرماں روا کی طرف سے حکیم صاحب کو اکثر زرِ نقد اور خلعت بھی عطا ہوا کرتے۔ جس میں بیش قیمت کپڑے ہوتے تھے

جاگیر کے متعلق جو پروانہ عنایت ہوا اس کی نقل درج ذیل ہے۔

نقل پروانہ جاگیر



برناظمان و عاملان حال و استقبال پرگنہ اودیپورہ متعلقہ بھوپال اعلام آنکہ
موضع پتیان اصلی پرگنہ اودیپورہ بجمع مبلغ شش صد بست روپیہ شش آنہ کامل دعال بموجب
بند و بست پیمایش ثانی من ابتدائے سنہ یک ہزار و دو صد و ہفتاد و ہشت باسم حکیم
فرزند علی ولد نظام علی ملازم ڈیوڑھی خاص مرحمت نمودہ شد باید کہ موضع مرقوم را بقبضہ
شان واگزارند و طریقہ معزالیہ آنکہ رعایا و ہیہ را بحسن سلوک خود راضی و شاکر داشتہ وجہ
محاصل آنرا بصرف خود در آوردہ دایما بخیرخواہی و اطاعت و فرمان برداری سرکار ساعی و
سرگرم باشد و حسب شرائط مندرجہ اقرارنامہ سعی موفورہ بکار بردہ دقیقہ از دقائق مراتب
تابعداری و جانفشانی فروگذاشت نکند و کاش وجہے من الوجوہ قصورے در ادائے شرائط
مشروطہ اقرارنامہ راہ خواہد یافت جاگیرش منحصر بر حکم سرکار خواہد بود سماعہ ۶۲۰ جمع کامل
یک موضع اصلی سنہ ہذا بموجب نقل حکم سرکار۔ مورخہ بست و ہشتم
ماہ محرم ۱۲۶۷ سنہ ہجری بعرض دیوان لول رائے مہتمم دفتر حضور دفتر حضور
مرتب شد۔

قلم اوّل آنکہ مدام در اطاعت و بجا آوری حکم سرکار بدل و جان حاضر و سرگرم باشد و عذر کدامی نوع پیش نہ آرد فقط

قلم دوم آنکہ در تہنیت تولد و جلوس جشن شادی و غمی رئیس وقت طلب شریک شود

قلم سوم آنکہ حکم سرکار برائے انصرام ہر کارے کہ شرف نفاذ با نصرامش کوشد

قلم چہارم آنکہ اگر کسے از برادران و جاگیرداران ریاست وغیرہ کہ بغاوت کند شریکش نشود و مجرم سرکار را امکان و جاگیر خود تا باب اقامت ندہد و مددش از رہ سد رسانی وغیرہ نسازد بلکہ خبر داشتہ فوراً اطلاع آں بسرکار رساند

تحریر فی التاریخ ہفتدہم جمادی الاول ۱۲۷۸ فصلی

نقل حکم نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بر عرضی دیوان نول رائے مہتمم دفتر حضور

(مورخہ بست و ہشتم محرم ۱۲۸۷ ہجری)

یہ عرضی مع سہ قطعہ نزدیک مدار المہام خان بہادر کے بھیجی جائے کہ حسب سررشتہ مثل جاگیر موضع بتیان پرگنہ اودیپورہ کی بنام حکیم فرزند علی کے مرتب کرکے ہمراہ نقل حکم کے نزدیک دیوان نول رائے مہتمم دفتر حضور کے بھیجی جاوے کہ حسب سررشتہ بعد لینے اقرار نامہ کے سند موضع مذکور کی بنام حکیم فرزند علی کے شروع ۱۲۷۸ فصلی سے مرتب کرکے گزرانو اور نقل دوسری اس حکم کی نزدیک حکیم فرزند علی کے بھی بھیجی جاوے کہ جو موضع کنت پورہ

سیلم پورہ محال شمس گڈھ قریب بھوپال کے واقع ہیں اس لئے تمھاری جاگیر میں مقرر
نہیں کئے جائیں گے فقط - مورخہ بست وہشتم محرم ۱۲۸۵ھ

نقل بموجب اصل



العبد
میر دبیر محمد عبد العلیخان میر منشی ریاست

دوسرے موضع کی سند کا پتا نہیں مگر اس کے متعلق ریاست کی جانب سے ایک مہری اطلاع نامہ صادر ہوا جس کی نقل بجنسہ حاشیہ پر درج کردی گئی اس سے ثابت ہوتا ہی کہ حکیم صاحب موضع آنولی کھیڑہ پرگنہ شمس گڈھ کے بھی جاگیردار ہیں یہ اطلاع نامہ حکیم صاحب کے نام پر اس وقت جاری ہوا تھا جب کہ ایک شخص کی چوری ہوگئی تھی اور دیگر جاگیرداروں کے نام اشتہار اجرا ہوئے تھے -

---

بنام حکیم فرزند علی جاگیردار آنولی کھیڑہ پرگنہ شمس گڈھ

نقل اشتہار



۴

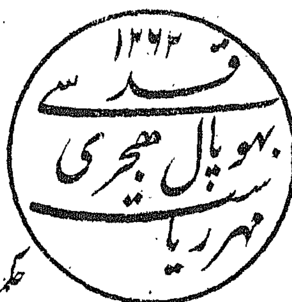
اشتہار آنکہ

ملاحظہ اشتہار ایجنٹی بھوپال مورخہ ہفتم دسمبر ۱۸۷۶ء موسومہ وکیل بھوپال روبکار پولس ہوشنگ آباد مورخہ یکم دسمبر ۱۸۷۶ء سے واضح ہوگا کہ تاریخ ۲۹ ماہ نومبر سنہ حال کو موضع سوؤل پرگنہ ریت گاؤں علاقہ ہوشنگ آباد میں بخانہ ہرچند تیلی کے چوری ہوئی اور مال قیمتی الـ[illegible] کا چوری ہوگیا اس واسطے یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہی کہ اپنے اپنے علاقہ میں مال و مجرم کو تلاش کریں و بصورت گرفتاری سرکار میں بھیجیں اور تفصیل مال کی یہ ہی: نقد ما کلدار - زیور طلائی ما باقی دیگر اشیاے مسروقہ جن کی قیمت [illegible] درج اشتہار ہیں -

ماہ محرم ۱۲۸۸ہجری میں ریاست بھوپال نے انتظام کیا کہ ہر محال میں ایک طبیب اور ان سب کی نگرانی پر ایک افسر الاطبا مقرر کیا جائے۔ تو چند روز کے بعد اس عرض خدمت کے لئے حکیم صاحب ہی منتخب کئے گئے۔ اس وقت تک سرکار عالیہ کی ڈیوڑھی خاص کے طبیب تھے اب ریاست کے تمام اطبا کی افسری عنایت ہوئی اور اس کا باضابطہ پروانہ عطا ہوا جس کی نقل ذیل میں درج ہے

نقل پروانہ افسر الاطبائی

ہو الغنی جل شانہٗ



ص

حکمت و فضیلت مآب شرافت و حذاقت انتساب حکیم سید فرزند علی افسر الاطبا تعینات باشند

تاریخ بست و نہم ماہ جمادی الثانی ۱۲۹۱ہجری سے بدید جوہر حکمت و قابلیت کے تم کو اوپر عہدۂ افسر الاطبائی ریاست بھوپال کے سرفراز کر کے لکھا جاتا ہے کہ حسب سررشتہ حاضری دفتر وغیرہ کل لوازمہ محکمہ مذکورہ کی حکیم محمد احسن نائب افسر الاطبا سے لے کر رسید دو اور جملہ کار متعلقہ عہدہ اپنے کو بدلجمعی و خیر خواہی تمام انجام دیتے رہو۔ فقط

مورخہ بست و ہشتم ماہ رجب ۱۲۹۱ہجری قدسی — ملاحظہ شد

رمضان
۱۲۹۱ہجری قدسی

مگر ہمیں اس کی اطلاع نہیں کہ عہدہ کی ترقی کے ساتھ تنخواہ میں کس قدر اضافہ ہوا اور افسوس کہ ان کی زندگی میں ہم کو ان سے اس امر کے دریافت کرنے کا خیال نہیں ہوا۔

بھوپال کے امراء و اخوانِ ریاست بھی حکیم صاحب کی بے حد قدر کرتے تھے اور اکثر سرکار میں ان کی درخواستیں پیش ہوتیں کہ حکیم صاحب کے علاج سے فائدہ اٹھانے کی باضابطہ اجازت مرحمت ہو۔ اس امر کی تصدیق کے لئے حاتم محمد خاں صاحب کا ایک خط جو نواب قدسیہ بیگم کے بھائی اور اٹھارہ ہزار روپیہ کے جاگیردار اخوان ریاست میں معزز تھے حاشیہ پر درج ہے۔

جس زمانہ میں حکیم صاحب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی کے طبیب مقرر ہوئے ان دنوں محتشم الیہا کی والدۂ ماجدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ اور نانی قدسیہ بیگم بھی زندہ تھیں وہ دونوں بھی حکیم صاحب کی پاک طینتی و نیک نفسی سے نہایت خوش تھیں اور ان کی وضعداری و راستبازی پر پورا بھروسا تھا اور اسی طفیل میں حکیم صاحب کے ذریعے سے بہت لوگ ریاست بھوپال میں ملازم ہوئے اور بعض اشخاص کہ جو کسی اتفاق سے معطل اور ملازمت سے محروم ہو گئے تھے ان کو بھی آپ کی سعی و سفارش سے سند معافی عطا ہوئی وہ اپنے مقصد میں کامیاب اور اپنی خدمت پر بحال ہوئے۔ باہر کے لوگ اکثر تلاش روزگار ریاست میں آتے اور ان کا

لہ درۃ التاج مرتبت بختیاری و سروری و کامگاری، لخت جگری نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال دام اقبالہا۔ بعد دعوات مزید حیات و ترقی درجات کے مطالعہ خاطر عزیز ہو۔ عزیز من ایک ڈاکٹر مقام ہوشنگ آباد سے آیا تھا اور اس سے میں نے معالجہ کرایا اس کے علاج سے کچھ صحت نہیں ہوئی طبیعت پر گرانی زیادہ معلوم ہوتی ہے اس واسطے تصدیعہ دیتا ہوں کہ حکیم سید فرزند علی صاحب کو حکم ہو جاوے کہ وہ آکر میرا علاج کریں اور ہمیشہ میری ڈیوڑھی پر آیا کریں فقط المرقوم پانزدہم ربیع الاول ۱۲۹۴ھ راقم الدعا حاتم محمد خاں (مہر)

ص حکم ہوا کہ یہ خط پاس حکیم سید فرزند علی افسر الاطبا ریاست کے بھیجا جاوے کہ حسب درخواست مندرجہ خط ہذا علاج میاں حاتم محمد خاں صاحب کر دیا کریں فقط تحریر پانزدہم ربیع الاول ۱۲۹۴ھ

کوئی مدد و معاون نہ ہوتا حکیم صاحب اپنی کریم النفسی سے انھیں اپنے پاس ٹھیراتے اپنے دستر خوان پر کھلاتے اور جب موقع ملتا نوکر رکھا دیتے۔ حکیم صاحب کا گھر غریب الوطن کا مامن اور ہر بیکس کے لئے جائے پناہ تھا۔

کوئی ہو وہ کوشش پر تیار رہو جاتے اور سچ یہ ہے کہ ہمدردی و نفع رسانی ان کی فطرت میں داخل تھی اور ہمیں یقین ہے کہ ایسے نیک کاموں کی ایک طولانی فہرست آپ کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوگی اور امید ہے کہ اس کے صلہ میں درگاہ الٰہی سے اجر عظیم پائیں گے۔

حسن اتفاق سے آپ کو شہرت و کامیابی کے اسباب و وسائل بھی حاصل ہو گئے تھے۔ کیونکہ سرکار خلد مکان نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا تقرب اور مدار المہام جمال الدین خاں صاحب سے گہرے تعلقات کا پیدا ہو جانا، ان امور کے لئے کافی تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد جب حکیم صاحب بھوپال تشریف لے گئے تو یہ راقم خاکسار بھی بغرض تحصیل علم ان کے ہمراہ گیا تھا۔ ہر طبقہ کے بیسیوں اشخاص روز حکیم صاحب سے ملنے کو آتے اور ان کے احسانات بیان کرتے۔ بہت سے حضرات نے اقرار کیا کہ وہ حکیم صاحب ہی کے نوکر رکھائے ہوئے تھے چنانچہ ایسے چند حضرات کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ان میں مولوی عبدالحق صاحب، نواب وارث علی خاں صاحب، مولوی اعظم حسین صاحب خیرآبادی، یعقوب خاں صاحب داروغہ باغ نشاط افزا، سید حامد حسین صاحب کا مدار وغیرہ جو دیگر مقامات کے لوگ تھے اور محمد خاں صاحب سوار باڈی گارڈ، حکیم امیر علی صاحب میر بابر علی صاحب، شیخ حفیظ اللہ صاحب، میر سرفراز علی صاحب، احمد یار خاں صاحب حاجی مصطفٰے خاں صاحب، میر سعید الدین صاحب، محمد نماں وغیرہ یہ اشخاص حکیم صاحب

ہم وطن اور خاص شاہ آباد کے رہنے والے تھے۔ حکیم صاحب کے چلے آنے کے بعد بعض لوگ بدستور ریاست میں ملازم رہے اور بعض ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن چلے آئے۔

ایک بار نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے حکیم صاحب سے کسی ایسی نیک بی بی کی خواہش کی جو ان کی معتمد علیہ قرار پاسکے اور خوش اخلاق اور شریف گھرانے کی ہو۔ حکیم صاحب نے خاص پور کی ایک شریف بی بی کو نے جاکر نوکر رکھوا دیا اور بیگم صاحبہ نے ان کو خدمت میں رکھا اور ذمہ داری کے کام ان کے سپرد کئے۔ چند ہی روز میں ان بیوی سے ایسی اچھی سلیقہ شعاری اور کارگزاری ظاہر ہوئی کہ ان پر زیادہ بھروسا کرنے لگیں اور چند لوگ خاص ان کی سفارش سے ملازم بھی ہوئے اس کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کی رسائی بیگم صاحبہ کی خدمت میں حکیم صاحب کے ذریعے سے ہوئی۔ اصغر علی تاجر عطر کے بھائی میر وزیر علی کو حکیم صاحب ہی کے ذریعے سے سرکار عالیہ میں باریابی کا موقع ملا اور ہزاروں روپیہ کا عطر فروخت ہوتا رہا۔

بھوپال میں اس سے پیشتر کوئی حمام نہ تھا حکیم صاحب محمدؐ علی حمامی کو لکھنؤ سے لے گئے جس نے وہاں پہنچتے ہی ریاست کے پرانے بے کار حمام کو درست کرکے گرم کیا اور پہلے پہل جب اس میں حضور عالیہ نے حمام کیا تو اپنا ملبوس خاص اور بہت کچھ انعام مرحمت فرمایا۔ پھر جب حکیم صاحب بھوپال سے ریاست نرسنگھ گڈھ تشریف لے گئے تو حمامی مذکور وہاں بھی جا پہنچا اُسے حکیم صاحب کی خدمت میں بہت خصوصیت حاصل تھی۔ چنانچہ مرحوم کے کاغذات میں چند اس کے خطوط بھی موجود ہیں۔

ایک روز حکیم صاحب صدر المہام ہی کے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے تھے یہ خاکسار بھی حاضر تھا کہ عبدالحسین جو وہاں کے دولت مندوں میں تھا اور بیگم صاحبہ خلد مکان کی ڈیوڑھی خاص کا مہتمم تھا آیا۔ آتے ہی حکیم صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس غلام کی پرورش

کی تھی اور اب بھی آپ ہی کوشش فرمائیں گے تو میری جانبری اور گلو خلاصی ہوگی حکیم صاحب نے
اس کی تسلی و تشفی کی اور آمادہ ہوگئے کہ سرکار عالیہ میں سفارش کرکے اُسے بری کرا دیں
مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اس نے لاکھوں روپیہ کا غبن کیا ہے اور عدالت میں اُس پر بارہ لاکھ
روپیہ کے تغلب کا دعویٰ دائر ہوچکا ہے تو سکوت اختیار فرمایا اور مناسب نہ جانا کہ ایسے
بددیانت کی سفارش میں کچھ فرمائیں۔

گورنمنٹ انگریزی کے حکام کی نظر میں بھی حکیم صاحب کی بڑی وقعت تھی اضلاع اودھ
میں کئی کمشنر آپ کے بھائی میر اولاد علی صاحب پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی و ٹرسٹی کالج ڈبلن کے
شاگرد تھے انھیں جب اپنے اُستاد کے ساتھ حکیم صاحب کی قرابت معلوم ہوئی تو بے حد
تعظیم کرنے لگے۔ چنانچہ مسٹر ولیم کنکیڈ پولٹیکل ایجنٹ سنٹرل انڈیا اسی سلسلہ میں داخل ہیں
اور مسٹر ولیم ولسبی اسٹورن وغیرہ پولٹیکل ایجنٹ سیہور نے تعلقات ریاست کی بنا پر جو چٹھیاں
حکیم صاحب کو عنایت کیں ان میں سے دو کی نقل نذر ناظرین کی جاتی ہے

ترجمہ چٹھی اول

حامل تحریر ہذا حکیم سید فرزند علی ہر ہائنس بیگم بھوپال کے ملازم ہیں وہاں کری پاتے
ہیں اور ایک معزز شریف ہیں جن کی بیگم صاحبہ بھوپال ہمیشہ عزت کرتی ہیں

۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۷۰ء

مہر



ترجمہ چھٹی دوم سارٹیفکیٹ راہداری نمبر ۱۸۲

چونکہ حکیم فرزند علی پرنسپل میڈیکل افیسر ملازم ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال متوطن شاہ آباد ضلع ہردوئی سفر کرنا چاہتے ہیں لہذا میں اُن تمام انگریزی افسروں سے جن کے احاطہ حکومت کے اندر حکیم صاحب کا گزر ہو خواہش کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو ضروری امداد سے بشرط ضرورت دریغ نہ فرمائیں۔ بھوپال ایجنسی سیہور ۲۸ مئی ۱۸۷۵ء قائم مقام پولیٹیکل ایجنٹ



نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی ہمراہی میں سفر

حکیم صاحب کی عمر کا بڑا حصہ ریاست بھوپال کی ملازمت میں صرف ہوا اسی سبب سے ان کے کارنامے ریاست کے واقعات سے وابستہ ہیں چنانچہ اس قسم کے چند واقعات جن میں حکیم صاحب کی موجودگی تھی ضروری سمجھکر عرض کیے جاتے ہیں۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا معمول تھا کہ جب کہیں کا سفر کرتیں تو اپنے مزاج شناس طبیب کی حیثیت سے حکیم صاحب کو ضرور ہمراہ لے جاتیں ان سفروں میں حکیم صاحب ہر جگہ کے مذاق و عادات و مختلف رنگ ڈھنگ سے بہت اچھی طرح آگاہ ہوگئے اور ہر مقام کے لوگوں سے ملنے جلنے کے باعث حکیم صاحب کا ذاتی تجربہ بہت وسیع ہوگیا تھا اور پھر اک رئیسہ عالی تبار کی رفاقت میں شاہی درباروں کے آداب سے اس قدر واقف ہوگئے تھے کہ ان امور میں کوئی شخص ان کی معلومات کا نظیر نہیں آتا۔

دربار آگرہ

۱۸۶۳ء میں حسب الحکم ملکہ وکٹوریہ قیصر ہند اکبرآباد میں ایک دربار منعقد ہوا اور بغرض شرکت نواب سکندر بیگم صاحبہ، نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بھی تشریف لے گئیں۔ حکیم صاحب ہمراہ تھے دربار میں وئسرائے گورنر جنرل بہادر لارڈ لارنس نے اُردو زبان میں تقریر کی جس کے سلسلہ میں نواب سکندر بیگم صاحبہ کی خوش تدبیری اور ان کے عہد کی ملکی ترقیوں کی تعریف فرمائی۔ خود حکیم صاحب بھی اکثر فرمایا کرتے کہ سکندر بیگم صاحبہ بڑی عقل مند رئیسہ تھیں عورتوں میں ایسی عاقلہ اور مدبرہ و منتظمہ بہت کم دیکھی گئی ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ آگرہ میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ تاج محل کے دیکھنے کو تشریف لے گئیں اور مینار پر چڑھیں تو ان کی والدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ اس اندیشہ سے کہ کسی قسم کا گزند پہنچ جائے بہت ناراض ہوئیں۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں نواب سکندر بیگم صاحبہ نے کمال عاقبت اندیشی سے سرکار انگریزی کی خیر خواہی کی تھی جس کا شکریہ وئسرائے لارڈ کیننگ بہادر کی زبان سے دربار جبلپور میں[1]

---

[1] لارڈ کیننگ نے دربار جبل پور میں جو تقریر کی وہ یہ تھی۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ اس دربار میں آپ کی رونق افروزی مایۂ انبساط ہے ایک مدت مدید سے مجھے اشتیاق تھا کہ حضور ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ کی جو خدمتیں آپ نے انجام دی ہیں اُن کا پورا شکریہ آپ کے حضور میں ادا کروں۔ آپ اُس ریاست کی فرمانروا ہیں جس نے ہندوستان کی تاریخ میں بمقابلہ سرکار انگلشیہ کبھی تلوار نہیں اُٹھائی اپنے باوجود عورت ہونے کے ہمارے دشمنوں کا مقابلہ نہایت شجاعت و قابلیت سے کیا اور ریاست کے کاروبار کو ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ ریاست کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو اس پر ناز ہے۔ ماسوا اس کے قرب و جوار میں ہمارے بہت سے دشمنوں کا استیصال ہوا اور آنریبل کرنل ڈیورنڈ بہادر ایجنٹ گورنر جنرل کے مثل بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں اپنے انگریزی فوج کو جب کہ قلمرو ریاست سے ہو کر گزری پوری مدد پہنچائی اور رستانی

(بقیہ برصفحہ ۲۶)

میں ادا ہوا اس کے شکریہ میں نواب سکندر بیگم صاحبہ نے بھی دربار عام میں تقریر کی تھی اور یہ ہندوستان میں دیسی اور انگریزوں کے لئے ایک ہندوستانی خاتون کی زبان سے تقریر سننے کا پہلا موقع تھا۔

(بقیہ صفحہ ۲۵) کا نہایت اعلیٰ انتظام فرمایا۔ لہٰذا اس کا صلہ ضروری سمجھکر علاقہ بیرسیہ جو پہلے ریاست دھار کے زیر حکومت تھا مگر چونکہ وہاں کے رئیس نے بغاوت کی اس کے قبضہ سے نکال کر ہمیشہ کے لئے آپ کی ریاست میں شامل کیا جاتا ہے تاکہ آپ کی ثابت قدمی کی یادگار رہے) نواب سکندر بیگم صاحبہ کی بیدار مغزی شجاعت اور خوش تدبیری ضرب المثل ہے ریاست بھوپال کے تمام انتظامات کو باقاعدہ اصول پر چلایا دیوانی و مال کے علیٰحدہ علیٰحدہ قانون مرتب کئے بندوبست کا محکمہ قائم کیا پولس کا انتظام جدید طور پر عمل میں آیا۔ غرض کہ سڑکیں بنوانا، روشنی کا انتظام کرنا یہ سب برکتیں اُن کی قابلیت کی یادگار ہیں۔ ذاتی انتظامی قابلیت کے علاوہ غیبی دیگر ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے ان کے عہد کو ایک بابرکت زمانہ ثابت کردیا جن میں سے ایک یہ تھا کہ ان کے با اختیار شوہر نظیر الدولہ شمشیر جنگ نواب جہانگیر محمد خاں بہادر کا ۲۶ برس کی عمر میں ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۰ ہجری کو انتقال ہو گیا اس کے دو ڈیڑھ برس بعد فوجدار محمد خاں نے عہدہ وزارت سے استعفا دیدیا اور ساتھ ہی خود سکندر بیگم صاحبہ وزیر سلطنت قرار پائیں اور شاہجہاں بیگم صاحبہ نے بھی اپنی طرف سے اختیار نظم و نسق ماں ہی کے ہاتھ میں دیدیئے جس کے بعد گورنمنٹ انگریزی سے بھی اختیارات حکمرانی کا خلعت نواب سکندر بیگم صاحبہ کو حاصل ہو گیا۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ ۲۳ سال حکومت کر کے ۵۲ برس کی عمر میں ۱۳ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ مطابق سنہ ۱۸۶۸ء کو راہی ملک بقا ہوئیں۔ باغ فرحت افزا میں دفن کی گئیں اور خلد نشین لقب پایا۔ اس سانحۂ جانگزا کے موقعے پر خاص ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کے پاس سے اک دردانگیز تعزیت نامہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی خدمت میں آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجکو آج ہندوستان کی ایک شہزادی کے انتقال کی خبر سن کر نہایت ملال و افسوس ہے جو ذاتی لیاقت میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھی) جس طرح نواب سکندر بیگم کی خوش انتظامی و تدبیر کی شہرت ہے۔ اسی طرح ان کی والدہ نواب قدسیہ بیگم کی سخاوت و نیکیاں آج تک زبان زد خلق ہیں۔ قدسیہ بیگم کا اصلی نام گوہر بیگم ہے انھیں خوف خدا بہت تھا عبادت زیادہ کرتی تھیں ملازمان ریاست کو جیسا آرام و جیسی آزادی ان کے عہد میں حاصل رہی کبھی نہیں نصیب ہوئی۔ انھوں نے ارض حجاز میں اپنی ایک رباط تعمیر کرائی جس میں ہمیشہ لنگر جاری رہتا۔ حجاج کو بہت کچھ دیتی تھیں۔ بھوپال میں پانی کے نل انھیں کے جاری کرائے ہیں۔ ۱۸ سال تک ریاست کی مختاری و حکومت انھیں کے ہاتھ میں رہی اور آخر کار ۲۴ محرم سنہ ۱۲۹۹ھ کو ۸۳ برس کی عمر میں سفر آخرت فرمایا۔ اخبار نورالانوار کانپور میں "داخل جنت ہوئیں گوہر بیگم" وفات کا مادہ تاریخ چھپا تھا۔

مختلف شہروں کی سیاحت

نواب سکندر بیگم صاحبہ اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کو ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کا شوق ہوا تو وسیرائے ہند سے باضابطہ مراسلت کی اور جن جن شہروں میں جانا تھا وہاں کے حکام کے نام احکام صادر ہو گئے کہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال بطور سیر تشریف لاتی ہیں حسب مرتبہ ان کی تعظیم و تکریم کی جائے۔

یہ ۱۸۶۱ء کا زمانہ تھا جب کہ یکم نومبر کو الہ آباد میں عطائے خطابات کا ایک دربار منعقد ہونے والا تھا۔ بیگم صاحبہ اس میں شریک ہونے کی غرض سے دو ڈھائی ہزار حشم خدم کے ساتھ جس میں سربرآوردہ وممتاز حکیم فرزند علی صاحب نظر آتے تھے۔ وارد الہ آباد ہوئیں دربار میں شریک ہونے کے بعد بنارس تشریف لے گئیں۔ جہاں مہاراجہ بنارس سے ملاقات ہوئی اور قابل دید عمارتیں دیکھیں بعد ازاں سواد جونپور میں داخل ہوئیں وہاں کی پُرعظمت مسجدوں کی زیارت اور خانخاناں کے پل اور سلاطین شرقیہ کے قلعہ کو دیکھکر فیض آباد اور اجودھیا میں پہنچیں۔ مولوی امیر علی صاحب شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور وہاں سے روانہ ہوکر لکھنؤ میں داخل ہوئیں حکام انگریزی نے استقبال کیا اور سلامی کی توپیں سر ہوئیں یہاں چند روز بادشاہ باغ میں قیام رہا اور جب تمام شاہی عمارتوں اور مشہور مقامات کی سیر کر چکیں تو کانپور کی راہ لی۔ یہاں بھی حکام انگریزی نے پیشوائی کی۔ یہاں مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی نے بوجہ اس کے کہ حکیم صاحب کے سچے دوست تھے بیگم صاحبہ کی دعوت کی۔ جس کے دوسرے دن بیگم صاحبہ نے دربار عام کیا اور حکام و عمائد شہر کو باریابی کا موقع دیا۔ پھر کانپور سے روانہ ہوکر اکبر آباد میں پہنچیں وہاں باغ نور افشاں

میں نزول اجلال ہوا اور تمام مشہور روزگار عمارتیں تاج محل، قلعہ سکندرہ وغیرہ دیکھیں۔ پھر متھرا میں تشریف لے گئیں جہاں تمام شاندار مندروں کو ملاحظہ کرکے دھلی میں رونق افروز قلعہ معلی اور دیگر شاہی عمارتوں کی سیر سے عبرت و اولیاء اللہ کے مزاروں سے برکت حاصل کی جامع مسجد دہلی غدر کے زمانہ سے اُس وقت تک بغاوت کے الزام میں بند تھی اور کوئی مسلمان اس کے اندر نہیں داخل ہوسکتا تھا۔ بیگم صاحبہ کی خاطرداشت کے خیال سے حکام انگریزی نے اُسے کھلوادیا اور بیگم صاحبہ نے اس کے ہر ہر حصے کی زیارت کی یہاں سے جے پور کا قصد ہوا اور جس وقت یہ محترم قافلہ حدود جے پور میں داخل ہوا مہاراجہ صاحب نے رئیسانہ شان و شوکت سے استقبال کیا اِدھر سے ہر ہائنس بیگم صاحبہ مع پولٹیکل ایجنٹ بھوپال کے ہاتھیوں پر سوار ہوکر بڑھیں اُدھر سے مہاراجہ جے پور مع وہاں کے ایجنٹ صاحب کے ہاتھیوں پر استقبال کو آئے بڑے شان و شکوہ سے شہر میں داخلہ ہوا تعظیم و توقیر کے جملہ مراتب بوجہ احسن ادا ہوئے مہاراجہ صاحب نے بڑی پُرتکلف دعوت کی ایک سو پچیس قسم کا کھانا چنا گیا ناچ گانا ہوا۔ ہاتھی گھوڑے اور تحفہ جات کی کشتیاں پیش ہوئیں یہاں سے روانہ ہوکر اجمیر شریف میں قیام پزیر ہوئیں ۴ ۲ر شعبان کو وہاں خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پُر انوار پر حاضری ہوئی۔ ۳۰ر شعبان کو کوچ کرکے ۱۲ر رمضان کو چھاونی نیمچ میں ۲۰ر کو چھاونی آگرہ میں اور ۲۹ر کو چھاونی سیہور میں ہوتی ہوئی ۳۰ر شوال کو بھوپال میں داخلہ ہوگیا یہ سترہ سو میل کا سفر چھ سات ماہ میں ختم ہوا جس کا آغاز جمادی الاول ۱۲۷۸ھ ہجری میں ہوا تھا۔

حکیم صاحب نے اثنائے راہ سے ایک خط[1] اپنے خسر میر حبیب اللہ صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس میں بعض منزلوں کا حال حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] یہ خط فارسی میں میر حبیب اللہ صاحب کے نام حکیم صاحب نے لکھا ہے۔ اس کی نقل آئندہ تحریر کی جائیگی۔

الحمدللہ میں مع الخیر جے پور کی راہ سے اجمیر شریف و نصیر آباد ہوتا ہوا ایک ماہ کے عرصہ میں ۱۲ ر رمضان المبارک کو بمقام نیمچ پہنچا۔ دو مقام اس جگہ بھی مقرر ہوتے ہیں ۱۵ ر تاریخ کو مندسور کی طرف سے بھوپال کو روانگی ہوگی اور یقین ہے کہ ۷ یا ۸ ر شوال کو انشاء اللہ ہم سب بھوپال پہنچ جائیں گے۔ بفضلہ مزاج سرکار عالیہ کا بخیریت ہے چونکہ فاصلہ شاہ آباد کا بہ نسبت بھوپال کے اس جگہ سے زیادہ ہے لہذا بھوپال جاکر وطن جانے کی رخصت لی جائیگی اور ماہ ذی الحجہ یا محرم میں تقریب بسم اللہ جناب **نواب[1] سلطان جہان بیگم صاحبہ** بڑی صاحبزادی کی ہونے والی ہے اور اس تقریب میں میری حاضری ضرور ہے۔ مکرمی محمد حسین خاں صاحب اختیار پوری مجھے اجمیر شریف میں نہیں ملے۔ چند ماہ قبل میرے پہونچنے کے وہ کسی طرف روانہ ہوگئے جو کچھ ان کا حال معلوم ہو تحریر فرمایئے۔ امجد خاں وجاہت ۳۰ ر شعبان کو نصیر آباد میں آکر مجھے ملے اور انھوں نے آپ کا خط اور اشیاے مرسلہ پہنچائیں۔

کلکتہ کا سفر ۳۰ ر دسمبر ۱۸۶۹ء کو ملکہ معظمہ کے فرزند شہزادہ ڈیوک آف اڈنبرا کی تشریف آوری پر کلکتہ میں دربار منعقد ہوا حسب الطلب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ ۱۴ ر رمضان ۱۲۸۶ھ کو بھوپال سے روانہ ہوکر کلکتہ تشریف لے گئیں حکیم صاحب بھی بیگم صاحبہ ممدوحہ کے ہمراہ گئے تھے یہ جلسہ شاندار ہوا تھا۔ شاہزادہ صاحب بہادر ہز ہائی نس بیگم صاحبہ کے قیام گاہ پر بطور بازدید تشریف لائے دوران قیام میں بیگم صاحبہ نے قلعہ و عجائب خانہ ٹکسال کی سیر کی اور سرکاری فوج کی قواعد دیکھی حکیم صاحب بھی کلکتہ کی سیر میں اکثر موقعوں پر موجود رہے۔ اسی زمانہ میں بادشاہ بیگم ساکنہ شہر دہلی

---

[1] اس وقت میں صاحبزادی کی عمر چار برس کی تھی کیونکہ ۲۷ ر ذی قعدہ کو ۱۲۷۴ھ کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی تھی اور تقریب بسم اللہ پانچویں برس بڑی دھوم سے ہوئی اور ۱۷ ر محرم ۱۲۸۸ھ کو جب قرآن شریف ختم ہوا اور جشن نشرہ منعقدہ ہوا۔ تمام ممالک محروسہ و شہر بھوپال کی رعایا و ملازمین کی دعوت ہوئی گرانبہا خلعت دیئے گئے۔ چالیس روز تک روشنی، آتشبازی، رقص و سرود کے جلسے رہے۔ تین لاکھ روپیہ اس نشرہ کی خوشی میں صرف ہوئے۔

نے جو باعتبار لیاقت و ہنرمندی کے عجیب و غریب عورت تھی حکیم صاحب کے توسط سے اپنی عرضی بیگم صاحبہ کے حضور میں گزرانا چاہی تھی جس کا تذکرہ آیندہ تحریر ہوا ہے۔ اس سفر میں قریب دو لاکھ روپیہ کے خرچ ہوئے تھے۔

کلکتہ کا دوسرا سفر۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم اپنے ایام ولی عہدی میں جب کہ وہ پرنس آف ویلز کہلاتے تھے۔ ہندوستان کی سیر کو تشریف لائے اور کلکتہ میں دربار قرار پایا تو گورنمنٹ نے والیان ملک کو مدعو کیا کل روسائے ہند وہاں مجتمع ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی تشریف لے گئیں حکیم صاحب حسب دستور ہمراہ رکاب تھے۔ اسی موقع پر حکیم صاحب اپنے قدیم دوست مولوی محمد شاہ صاحب سے ملے اور مولوی صاحب موصوف ہی کی ذریعہ سے نواب صدیق حسن خاں صاحب کو واجد علی شاہ بادشاہ اودھ سے ملوایا۔ وہاں حکیم صاحب نے لکھنؤ کے نامور طبیب حکیم محمد مسیح صاحب سے بھی ملاقات کی اور بنگالہ اور اودھ کے دیگر مشاہیر سے ملتے جلتے رہے۔ کلکتہ سے واپس چلے تو بنارس، جبلپور، کانپور، الہ آباد ہوتے ہوئے بھوپال میں پہنچے اس سفر میں جو ۱۲۹۲ھ میں پیش آیا دو مہینے چار روز کا زمانہ صرف ہوا

دربار قیصری کا سفر۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء دہلی میں ایک بڑا دربار منعقد ہوا جس میں ملکہ معظمہ کے خطاب قیصرۂ ہند اختیار کرنے کا اعلان کیا گیا۔ لارڈ لٹن وئیسرائے گورنر جنرل نے بڑے شاہانہ سامان کئے تمام حکام گورنمنٹ اور فرمانروایان ہندوستان جمع ہوئے چنانچہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ کو دہلی تشریف لے گئیں حکیم صاحب ہمراہ تھے اس دربار کے موقع پر حکیم صاحب نے دو کام قابل یادگار کئے۔

پہلا کارنامہ یہ ہے کہ جناب بیگم صاحبہ بھوپال اور حضور نظام دکن کی ملاقات کرائی اس ملاقات کی پہلے تحریک کی گئی تو امرائے دکن نے تامل کیا اور کہلا بھیجا کہ نواب دست محمد خاں

بانی ریاست بھوپال کی وفات کے وقت جب افغانانِ ریاست نے شورش کرکے سلطان محمد خاں کو اپنا حاکم بنالیا تھا تو اُس وقت حضور نظام کے جدِ اعلیٰ نے یار محمد خاں کی طرفداری کرکے اُنھیں خلعت و خطاب نوابی عطا فرمایا اور بھوپال کا والی قرار دیا جس کے باعث سلطان محمد خاں مجبور ہو کر ریاست سے دست بردار ہوگئے اور یار محمد خاں حکمراں ہوئے اس واقعے سے ظاہر ہے کہ ریاست بھوپال دکن کی احسان مند ہے۔ لہٰذا خود والیہ بھوپال کو فرمان روائے دکن کے یہاں آنا چاہیئے۔ والیِ حیدرآباد کو رئیسہ بھوپال کے کیمپ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اُدھر یہاں آنے میں تامل ہوا۔ تو اِدھر سے بھی سکوت اختیار کیا گیا لیکن یہ نہایت افسوسناک معاملہ تھا خصوصاً حکیم صاحب کو اس کی سخت تکلیف تھی اور وہ نہ ہوتے تو یہ گتھی شاید نہ سلجھتی چنانچہ وہ فوراً اپنے دلی دوست مولوی محمد شاہ صاحب متوسل شاہ اودھ سے ملے جن سے نواب مختار الملک میر تراب علی خاں سر سالار جنگ مدار المہام دکن سے پرانے مراسم تھے اُنھیں ہمراہ لیا اور مختار الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر نفس معاملہ کے متعلق ایک پُر مغز تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملنے جلنے میں آمدنی یا حیثیت ملکی کا مساوی ہونا ضروری نہیں فقط ہم منصب ہونا شرط ہے۔ اسلام نے اخوت دینی کا ایسا مضبوط رشتہ قائم کردیا ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان کلمہ گو ہونے کی وجہ سے کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔ دینِ محمدی نے جہالت کی نخوتیں مٹا دیں اور اتفاق کو فلاحِ دارین اور اعلیٰ ترین دولت قرار دیا۔ لہٰذا اگر اسلامی فرمانرواؤں میں یہ مغائرت باقی رہی تو قومی ترقی قطعاً مسدود ہوجائیگی اور اس باہمی تفرقہ سے اکثر دینی احکام اور مذہبی مصلحتوں کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہے حقوق رعایا برایا اور دیگر تمدنی مسائل میں مبادلۂ خیالات نہایت مفید شئے تصور کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں کسی ہمسر اور ہم چشم کی ملاقات میں جو لطف ہے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ لہٰذا

طرفین سے مراسم اتحاد کا جاری ہونا ضروری امر ہے۔ حکیم صاحب کی اس موثر و مدلل گفتگو سے نواب مختار الملک بہادر بہت محظوظ ہوئے اور باہمی آمد و رفت و ربط وضبط کے معاملہ کو منظور کرلیا۔ فوراً ملاقات کے لئے اوقات معین ہو گئے۔ پیشتر جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مع ولیہ عہد اور چند ارکان دولت کے جن میں حکیم صاحب بھی تھے حیدرآباد کمپ تشریف لے گئیں اور حضور نظام الملک آصف جاہ اور اُن کی والدہ ماجدہ سے ملاقات کی۔ اس کے بعد نواب میر محبوب علی خاں بہادر بالقابہ فرمانروائے دکن مع اپنے نامور وزیر مختار الملک بہادر و اُستاد و ارکان دولت کے بھوپال کمپ میں تشریف لائے اور بیگم صاحبہ بھوپال سے ملاقات فرمائی اُس زمانہ میں حضور نظام غفران مکان کا سن دس برس کا تھا ان واقعات کو خود حکیم صاحب نے مجھسے بیان کیا اور ان کی تصدیق مولوی مسیح الزماں خاں صاحب اُستاد حضور نظام دکن نے کی مولوی صاحب ممدوح یہ بھی فرماتے تھے کہ بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف سے سفارت حکیم صاحب ہی کرتے تھے اور صرف اُنھیں کی کوشش سے یہ ملاقات انجام کو پہنچی۔ مولوی صاحب موصوف خود اُس صحبت میں شریک تھے اور حضور نظام کے ساتھ ان کا موجود ہونا کتاب یادگار دربار قیصری مولفہ مسٹر وہیلر کے صفحہ ۸۴ جلد دوم میں مذکور ہے۔

دوسرا کارنامہ اس دربار کے موقع پر حکیم صاحب کو جو دوسری نیکنامی حاصل ہوئی ویسی اُن کے کسی دوسرے ہمچشم کو نصیب ہونا مشکل ہے شاہزادہ جنرل فریدون قدر میرزا محمد ہزبر علی بہادر واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے ولی عہد و فرزند حکیم صاحب کے مہمان ہوئے شاہزادہ محتشم الیہ کمال سادگی کے ساتھ مولوی محمد شاہ صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر بغرض شرکت دربار کلکتہ سے دہلی تشریف لائے تھے مولوی محمد شاہ صاحب قدیمی محبت کی بنا پر بے تکلف حکیم صاحب کے پاس ٹھہرے۔ لہذا حکیم صاحب نے شہزادہ صاحب کے لئے بھی

خیمہ جات کا انتظام کیا چونکہ بھوپال کیمپ میں خیمے خالی نہ تھے۔ لہذا حکیم صاحب نے رامپور کیمپ سے خیمے منگوائے۔ کیونکہ نواب کلب علی خاں بہادر فرمانروائے رامپور اپنا کیمپ دھلی کو روانہ کر چکے تھے مگر ناسازی طبع کے باعث خود دہلی میں تشریف نہ لاسکے۔ غرض کہ نہایت سرگرمی سے شاہزادہ صاحب کی آسائش کا انتظام کیا۔ اس وسعت اخلاق و خاطر مدارات کو دیکھکر شاہزادہ صاحب نہایت خوش ہوئے اور اپنی مسرت کے اظہار کے لئے مولوی محمد شاہ صاحب کے ہمراہ اس خیمہ میں تشریف لائے جس میں حکیم صاحب کا قیام تھا۔ شہزادہ صاحب سراپا تہذیب تھے کمال اخلاق شاہانہ سے پیش آئے اور جب دہلی سے رخصت ہوکر وہ اپنے عارضی وطن کلکتہ کو واپس گئے تو اپنا دیوان موسومہ بہ جودت تقشق حکیم صاحب کو بھیجا۔

اپنے ملک کے بادشاہ کا فرزند ولیعہد کسی کو لائق و ذی کمال سمجھکر سرفراز فرمائے اور ہمیشہ یاد رکھے تو یہ عزت افزائی و مراسم سعادت کا انتہائی درجہ ہے خود حکیم صاحب اس سفر کے متعلق ایک خط میں اپنی قلم سے میر حبیب اللہ صاحب کو جواباً لکھتے ہیں کہ :

میں اس عرصہ میں نہایت عدیم الفرصت رہا حتیٰ کہ قضاء حاجات اور ستہ ضروریہ اور اکل و شرب وغیرہ میں بھی فتور لاحق ہوا۔ سواری سرکار کی غالباً بتاریخ ۲۵ ذیقعدہ دہلی روانہ ہو اور یقین کہ دوم ذی الحجہ کو دہلی میں داخل ہوجائے احقر کو بھی ہمراہ لے جائنگی اور ابھی میں قطعی وعدہ نہیں کرسکتا کہ دہلی سے بالضرور حاضر خدمت ہونگا۔ پیشتر ہنڈی سرکار کی بھیجی گئی تھی اب مبلغ یکصد روپیہ کی ہنڈوی اور ارسال خدمت شریف کرتا ہوں۔ پہلے فرودگاہ سرکار کی قریب شہر کے تجویز ہوئی تھی۔ اب تحریر آئی کہ وہ جگہ تبدیل کی گئی۔ قریب سات کوس کے میدان میں جملہ رؤسائے مطلوب نمبردار ٹھہرینگے اور چھوٹے چھوٹے رئیس بھی اس دربار میں طلب کئے گئے ہیں بوجہ کثرت رؤساء دہلی میں مجمع کثیر ہوگا۔ کل فرمائشات جو آپ نے چند خطوط میں

تحریر فرمائی ہیں اُن کی فہرست ارسال فرمائیے کہ بموجب اس کے دہلی میں اگر گراں نہ ہوئیں تو خرید لونگا اور یقین ہے کہ کل شئے وہاں گراں ہو۔ اس سے بہتر ہے کہ اگر لکھنو کوئی جاتا ہو تو اس کی معرفت لکھنو سے خرید فرمالیجئے۔

سفر بمبئی ۱۶ر نومبر ۱۸۷۲ء مطابق ۱۴ر رمضان ۱۲۸۹ ہجری کو لارڈ ناتھ بروک وائسرائے گورنر جنرل ہند نے عطائے خطابات کا ایک دربار بمبئی میں قائم کیا اور حسب الطلب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھی جاکر شریک دربار ہوئیں اور حکیم صاحب ہمراہ تھے۔ اس دربار میں بیگم صاحبہ ممدوحہ کو تمغہ ستارۂ ہند درجہ اول کا خاص عطا فرمودہ ملکہ معظمہ پہنایا گیا تھا۔ اثنائے سفر میں حکیم صاحب کو شہر سورت، احمد آباد، گجرات، بڑودہ وغیرہ کی سیر کا موقع ملا۔ جہاں وہ بزرگانِ سلف اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر حاضر ہوئے اور علما و مشائخ سے ملاقات کی۔

اضلاع ریاست کا دورہ - ۱۸ر فروری ۱۸۶۹ء مطابق ماہ شوال ۱۲۸۵ھ سے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے اپنے ملک کا دورہ کیا اور حکیم صاحب کو بغرض علاج ہمراہ لے گئیں اس دورہ کا سلسلہ دو سال تک جاری رہا اور ۱۳ر فروری ۱۸۷۱ء کو ختم ہوا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد مسند نشین ہوئیں تو اس تقریب میں بھی حکیم صاحب شریک تھے۔ اس جلسہ کا انتظام وسیع پیمانہ پر ہوا تھا۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے عہد میں اکثر امور جو ظہور میں آئے اُن میں حکیم صاحب موجود و مشیر ہوتے تھے۔ صدیق حسن خان کا دور دورہ ہونے سے پیشتر بیگم صاحبہ کے معتمد علیہ بیشتر حکیم صاحب ہی تھے زبانی بھی مشورہ دیا کرتے اور تحریری رائیں بھی خدمت میں پیش کرتے اور اسی کی برکت تھی کہ خلد مکان کے زمانۂ حکومت میں بہت سے انتظامات ایسے ہوئے جن سے رفاہ عام اور ریاست کی ترقی و ناموری ہوئی۔ بیگم صاحبہ بالطبع رحمدل و فیاض تھیں

ان کے بڑے بڑے کارناموں کا تذکرہ مختصر طور پر ہم نے حاشیہ[1] پر لکھا اس وجہ سے ضروری خیال کیا کہ حکیم صاحب کی نظر سے ایسے شاہانہ معاملات و اہم واقعات گزرے اور بعض میں

---

[1] نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بالقابہا نو برس کی عمر سے بعد انتقال اپنے والد جہانگیر محمد خاں صاحب کے بحکم گورنمنٹ عالیہ رئیسہ و والیۂ ملک بن کر خلعت ریاست پا چکی تھیں۔ جب بائیس برس کا سن ہوا تو اس قابل ہوئیں کہ بذات خود انتظام ریاست کریں مگر اپنی خوشی سے اور اپنی جانب سے اختیارات حکمرانی اپنی والدہ محترمہ کے ہاتھ میں دیدیئے تھے۔ آپ ولی عہد ہی رہیں اور فقط اپنی جاگیر پر اکتفا کی ۲۱ صفر ۱۲۸۴ھ کو جب ان کے نیک نام شوہر نواب امراؤ دولہ باقی محمد خاں بہادر نے انتقال کیا اور ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ میں ان کی والدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ نے بھی رحلت کی تو عنانِ حکومت انھیں اپنے ہاتھ میں لینا پڑی ریاست کا سارا کار و بار ان کے سر پر آپڑا۔ مگر ہر کام کو نہایت عمدگی سے انجام دیا پہلے سات لاکھ روپیہ کا قرض جو خریداری اشیاء کے بابت تھا ادا کیا۔ تیرہ ہزار چھ سو اکتیس مقدمات جو زیر تجویز و غیر منفصل پڑے ہوئے تھے۔ ان سب کو جس محکمہ سے تعلق تھا اُس محکمہ کے افسر سے متعلق کیا اور میعاد مقرر کرکے انفصال مقدمہ کی تاکید فرمائی۔ چار ہزار چھیاسی کاغذات جو دفتر انشا میں ان کی والدہ کے زیر تجویز پڑے ہوئے تھے اور اہل مقدمات اُن پر حکم نہ ہونے سے پریشان تھے۔ ہر ایک کو بیگم صاحبہ نے خود سنا اور قطعی احکامات لکھوا کر جاری فرمادیئے۔ سوار و پیادوں فوج کی مقررہ تنخواہوں میں مناسب اضافہ فرمایا۔ اور ۱۷ فروری ۱۸۶۹ء سے بیگم صاحبہ نے ممالک محروسہ کا دورہ بغرض دادرسی اختیار کیا جو دو برس تک قائم رہا۔ کرنل تامسن صاحب ایجنٹ نے حسب دستور ان امور کی اطلاع گورنمنٹ کو دی اور سرکار برطانیہ سے ایک تحریر خوشنودی بیگم صاحبہ کے نام آئی اور گورنمنٹ آف انڈیا نے بغرض اطلاع عام گزٹ میں مشتہر کراکے نقل اس کی وزیر انگلستان کی خدمت میں بھی روانہ کی ڈیوک آف ارگل سکریٹری اسٹیٹ آف انڈیا نے ویسرائے کو لکھا ہے انتظام ریاست جو بیگم صاحبہ نے اپنی مسند نشینی کے روز سے کیا ہے اُس سے ہم کو نہایت خوشی حاصل ہوئی کہ صدر نشین ہونے کے بعد فوراً ہی اپنی ہوشیاری و دانشمندی ثابت کی جیسی کہ ان کی والدۂ ماجدہ نے سالہا سال میں ثابت کی تھی حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری طرف سے اس امر کی خوشنودی کا اظہار کرو کہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے انتظام ریاست میں اپنی ایسی اعلیٰ قابلیت ظاہر کی۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے عہد دولت میں جنگلات کا انتظام شروع کیا گیا اور ہر محال میں ایک طبیب مامور ہوا اور اطبا کی نگرانی کے لئے ایک افسر الاطبا اور اس کے مصارف تنخواہ

(بقیہ بر صفحہ ۳۶)

حکیم صاحب کی موجودگی و رائے بھی شریک ہوتی تھی۔

حکیم صاحب کا بیان ہے کہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے حسب ارشاد صاحبزادی صاحبہ ولیعہد کے عقد کے لئے میں نے ایک اچھا شریف لڑکا مسمی صادق علی خاں تجویز کیا تھا یہ

بقیہ صفحہ ۳۵

کے لئے ایک کافی رقم مقرر کی گئی۔ دارالریاست میں بڑے بڑے ہسپتال قائم ہوئے۔ محالات میں مدرسے جاری کئے گئے اور اسی سال باقاعدہ کمپاسی پیمائش ملک کا کام شروع ہوا اور قانون رخصت ملازمان و اختیارات اہلکاران و دیگر آئین مالی و دیوانی کا اجرا ہوا۔ ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۹ھ سے تمام ملک میں ڈاک جاری کی گئی وغیرہ داک اور چھاپوں کے واسطے سدا برت جاری ہوا۔ قوانین فوجداری و دیوانی مرتب ہو کر نافذ کئے گئے اور اسی کے واسطے محکمہ منتظمات شاہجہانی قائم ہوا۔ ممالک محروسہ چار نظامتوں اور ۳۳ پرگنوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر نظامت میں ایک ناظم یعنی کلکٹر ضلع اور ہر تحصیل میں تحصیلدار مقرر کیا گیا ہوشنگ آباد سے بھوپال تک ریل جاری ہونے کے واسطے پچاس لاکھ روپیہ دیا گیا۔ ریاست کی فوج کے لئے پنشن کا قاعدہ بھی مقرر ہوا اور رعایا سے صفائی اور روشنی کے لئے جو محصول لیا جاتا تھا وہ معاف ہوا اور اس کی جگہ تیس ہزار روپیہ منجانب سرکار معین کیا گیا حاجیوں کے مدد خرچ کے واسطے اور طلبا کے واسطے وظیفے اور غربا کے واسطے پنشنیں مقرر کیے گئے محکمہ جات مصارف و وظائف قائم ہوئے محکمہ سائر چنگی مقرر ہوا۔ دو تین لاکھ روپیہ خرچ کر کے ہوشنگ آباد تک سڑک جاری کی گئی اور جا بجا معزز مسافروں کی آرام کے واسطے بنگلے تعمیر کئے گئے۔ شاہجہان آباد۔ تاج محل نشاط منزل تاج المساجد کی عمارتیں لاکھوں روپیہ صرف کر کے بنائی گئیں اور بعد تیاری تاج محل جشن کیا گیا جس میں تقریباً دس ہزار جوڑے دیئے گئے متعلقین و متوسلین کو خلعت مع طلائی مرصع زیورات کے مرحمت ہوئے۔ شہر و مضافات کے ہزاروں امرا و غربا کی دعوت ہوئی۔ جن قیمتی برتنوں میں کھانا تقسیم ہوا وہ بھی عنایت کر دیئے گئے۔ دو برس تک اس جشن کا سلسلہ جاری رہا اور تخمیناً دس لاکھ روپیہ خرچ ہوئے۔ فی الواقع نواب شاہجہان بیگم صاحبہ میں فیاضی اور اولوالعزمی کا مادہ بہت تھا نہ صرف ریاست کے معاملات بلکہ بیرونی سلطنت کے واقعات میں لاکھوں روپیہ دیدیئے۔ چنانچہ سنہ ۱۲۹۶ھ میں لشکر ترکی کی اعانت میں ایک لاکھ روپیہ بھیجے جس پر سلطان المعظم عبدالحمید خاں نے تمغہ مجیدی و فرمان بھیجا سنہ ۱۸۶۷ء میں شہنشاہ فرانس نے تمغہ بھیجا اور خط لکھا۔ ویسرائے گورنر جنرل جو بھوپال میں آکر مہمان ہوئے وہ آپ کی دریا دلی و مہمان نوازی

(بقیہ بر صفحہ ۳۷)

لڑکا ناصر خاں کے خاندان سے تھا وہ شاہجہان پور کے محلہ گاڑی پورہ میں رہتے تھے اس لڑکے کو میں بھوپال لیجانا چاہتا تھا اور اس کے بارہ میں حاجی محمد امین خاں حاجی محمد حسین خاں صاحبان افتیار پوری نے منشی منصب علی خاں سلیمانی سے ایک خط بھی لکھوا کر مجھے بھیجا تھا جس کا سرنامہ ھ ولبرے برگزیدہ ام کہ بہ پرس - مجھے اب تک یاد ہے یہ خط نہایت لیاقت سے لکھا گیا تھا۔ اس کے پہنچنے کے بعد حسب منظوری سرکار عالیہ وہ لڑکا شاہجہانپور سے روانہ ہو کر کانپور تک پہنچا تھا کہ فخر الدین خاں رئیس گاڑی پورہ نے ناصر خان کی مخالفت سے سرکار بھوپال میں ایک ایسا خط بھجوایا جس میں لکھا تھا کہ اس لڑکے کے باپ میں جذام کا مادہ

(بقیہ صفحہ ۳۶) کی تعریف کر کے نہایت خوش ہو گئے۔ مدرسہ دختران اسلام بھی قائم کیا تھا۔ بیگم صاحبہ کو علمی مذاق سے بھی دلچسپی تھی فضلا کا مجمع بھی ان کی مجلس میں رہتا۔ شاعری سے بھی شوق تھا۔ پہلے شیریں بعدہٗ تاجور تخلص پسند کیا دیوان تاج الکلام، تہذیب النسواں، خزینۃ اللغات وغیرہ آپ کی تصنیفات سے مشہور کتابیں ہیں۔ جن میں سے بعض راقم کی نظر سے بھی گزری ہیں۔ آخر ماہ صفر ۱۳۱۹ھ میں جب کہ ۶۴ برس کی عمر تھی سفر آخرت کیا۔ بیگم صاحبہ کی قومیت میرازی خیل پٹھان ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سردار دوست محمد خاں نے ۱۱۲۰ ہجری میں افغانستان سے آکر بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ریاست بھوپال کی بنیاد ڈالی اور قلعہ و شہر پناہ بنا کر ترقی آبادی میں کوشش کرتے رہے۔ خود نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے تاریخ تاج الاقبال میں ریاست بھوپال کی کل اراضی چھ ہزار ساٹھ سو پینسٹھ میل مربع کسر اور تمام ملک کی آبادی قریب دس لاکھ کے تحریر فرمائی ہے اور ہر ہائی نس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے گوہر اقبال میں اس ریاست کے سالانہ مصارف ۳۲ لاکھ ۸۵ ہزار جس میں ۲ لاکھ روپیہ ماہوار تنخواہ ملازمین ہے اپنے زمانہ مسند نشینی میں ارقام فرمائی اور منشی احمد حسین خاں میر دبیر ریاست نے ساٹھ لاکھ آمدنی راقم سے جنوری ۱۹۲۲ء میں بیان کی تھی واللہ اعلم بالصواب۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس ریاست میں چار پشتوں سے مسلسل عورتیں مالک و حکمراں رہیں۔ نہ ان کی کوئی بہن زندہ رہی نہ حقیقی بھائی رہا۔ بلکہ زمانہ حکومت میں ہر ایک کے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب اناث سے ذکور میں ریاست منتقل ہو گی کیونکہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے کوئی صاحبزادی زندہ نہیں رہیں اولاد میں (خدا نظر بد سے بچائے رکھے) ایک صاحبزادے موجود ہیں جو ولیعہد بھی ہو گئے ہیں اور جن کو سرکار عالیہ نے اپنی حکمرانی کے اختیارات بھی تفویض کر دیئے ہیں ان کا نام نامی نواب افتخار الملک حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر ہیں۔ فطرتاً مدبر ذی اخلاق ہیں ۱۲

تھا اور اس میں بھی اُس مادّہ کے عود کرنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے وہ خط دکھایا گیا تو باوجودیکہ غلط واقعات سے مملو تھا اور ازراہِ نفسانیت محض نیش زنی کی غرض سے لکھا گیا تھا مگر مصلحتاً خاموشی اختیار کی اور اس بارہ میں زور دینا مناسب نہ جانا۔ چنانچہ وہ نسبت چھوٹ گئی۔ خاکسار راقم سے اس واقعہ کی تصدیق خود صادق علی خاں مذکور اور معشوق علی خاں وکیل نے بھی کی تھی

بھوپال کے قابل الذکر معاملات میں حکیم صاحب کا ایک کارنامہ میر دبیر مخروج کے اخراج کا ہے۔ منشی عبد العلی نام ایک شخص وہاں میر دبیر کے عہدے پر ممتاز تھا اس کا قدم حد اعتدال سے باہر نکل گیا اور اُس کی بے عنوانیوں سے خلق چیخ اُٹھی ریاست کے معاملات پر وہ اس درجہ حاوی ہوگیا تھا کہ کوئی شخص اُس کا مقابلہ نہ کرسکتا۔ حکیم صاحب نے یہ حالت دیکھی تو نہ رہا گیا۔ اُس کے اخراج کے لئے مناسب تدبیریں اختیار کیں سرکار عالیہ کی خدمت میں اُس کے بے جا حرکات بیان کئے بعد ازاں اُس کی بدمعاملگیوں کی تصدیق بھی کرادی آخر وہ نکالا گیا اور سارے شہر میں مخروج کے لقب سے مشہور ہوگیا۔ اس کی بابت حکیم صاحب کے کسی مخلص دوست نے انھیں ایک خط بھیجا تھا جس کو حکیم صاحب نے آخر دم تک محفوظ رکھا۔ اس کے ملاحظہ سے واقعہ کی مفصل کیفیت اور معاملہ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے لہٰذا ہم اُسی خط کی نقل یہاں بجنسہ پیش کئے دیتے ہیں۔

نقل خط

جناب حکیم صاحب۔ بعد سلام مسنون آنکہ چونکہ مجھے آپ کی ذات سے فیض ہوا ہے اور آپ صاحب سلوک ہیں۔ اس کے ماسوا بہت غریبوں کو آپ کی ذات سے فیض ہوتا ہے بخیال خیر خواہی آپ کو اطلاع کرتا ہوں کہ میر دبیر منشی عبد العلی خاں کے نزدیک یہ بات قرار پائی کہ یہ سب ہماری خرابی حکیم فرزند علی کے سبب سے ہوئی اور جب تک یہ ہیں ہماری

ط۵ سیرت والا جاہی کے صفحہ ۲۴ جلد دوم میں ہے کہ میر دبیر میاں مسکین شاہ کے بیٹے تھے یہ نواب سکندر بیگم صاحبہ

صفائی سرکار سے نہ ہوگی اور منشی اور مدار المہام اور ولایتی کے لڑکے کا دخل بھی موقوف نہ ہوگا اس واسطے آپ کو زہر دینے کی اور ہلاک کرنے کی فکریں تجویز ہوئی ہیں اور کچھ ان کو اس کا اطمینان بھی ہوگیا ہے۔ شاید کوئی آدمی آپ کا اُن سے مل گیا ہے اور اکثر فوج کے اور شہر کے لوگ اُن سے ملے ہیں۔ آپ اپنا کسی کو دوست نہ سمجھیں جو کچھ آپ کرتے ہیں اور حویلی کے لوگ سب خبریں ان کو پہنچتی ہیں وہ بھی آپ کی تدبیر سے غافل نہیں ہیں آپکے ہلاک کرنے کا ارادہ مستحکم کیا ہے آپ نے مفت میر دبیر کو اپنا دشمن بنالیا۔ اب جو وہ معزول ہوئے تو آپ کو کیا فائدہ ہوا۔ اگر آپ اُن سے اتفاق رکھتے تو آپ کو بہت کچھ فائدہ ہوتا۔ اگر سرکار بھی ناخوش ہوجاتیں تو اس قدر آپ کا نقصان نہ ہوتا۔ اب یقین کرلیجئے کہ میر دبیر سرکار میں پہنچا چاہتے ہیں اور ایک ایک سے بدلہ لینگے اور کسی سے کچھ بن نہ آئیگی اور سرکار بھی ان کی طرف ہوجائینگی۔ آپ بخشی حافظ محمد حسن خاں صاحب کی معرفت عہد و پیمان مضبوط کرکے میر دبیر سے مل جائیں اور آپ مدار المہام پر بھروسا نہ کریں ان کی بھی تدبیر ہوگئی ہے۔ آپ جلدی کیجئے۔ اب بہت جلد میر دبیر کا دخل ہوا چاہتا ہے نام میں نے اپنا اس واسطے نہیں لکھا کہ آپ شاید ظاہر کردیں اور میر دبیر صاحب میرے دشمن ہوجائیں اور خرابیاں ہوں۔ ۱۴ رجمادی الاول ۱۲۸۷ھ

درحقیقت میر دبیر کی علیحدگی ایک بڑا معرکہ آرا معاملہ تھا۔ معاملات ریاست پر وہ ایسا حاوی ہوگیا تھا کہ اس کا اثر سب پر غالب تھا اور تا حد امکان اس نے کوئی فکر اُٹھا نہ رکھی مگر حکیم صاحب کی پاک نفسی پر غالب آنا غیر ممکن تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ ان کے ایسے صاحب تدبیر و مقرب شخص کے مقابلہ میں وہ کیسے بازی لے جاسکتا تھا۔ چنانچہ تا زیست نہ وہ بحال ہوسکا اور نہ اُس کا کوئی داؤ کارگر ہوا ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

حکیم صاحب کا حج کے لئے عرب کو جانا

سنہ ۱۲۸۹ھ میں حکیم صاحب نے حج بیت اللہ شریف کا قصد فرمایا۔ شاہ آباد سے حاجی محمد حسین خاں صاحب اختیار پوری اور بھوپال کے چند اشخاص آپ کے ساتھ گئے۔ اگرچہ والیہ ملک کے اسٹاف میں داخل ہونے کے باعث لسنس اسلحہ سے مستثنیٰ تھے مگر یہ غیر ممالک کا سفر تھا اس لئے روانگی کے وقت حکیم صاحب کو سرکار انگریزی سے پروانہ راہداری عنایت ہوا جو حسب ذیل ہے۔

ترجمہ پاس راہداری

حکیم سید فرزند علی ملازم نواب شاہجہاں بیگم رئیسہ بھوپال بنا بر حصول زیارت بیت اللہ شریف، مکہ معظمہ کو جاتے ہیں اور وہ شاہ آباد ضلع ہردوئی ملک اودھ کو بھی یہاں سے جائینگے اُن کے ہمراہ چار بندوق چار تلوار چار چھری چار پستول دو نشتر ہیں اس واسطے بموجب ایکٹ ۳۱ر مئی سنہ ۱۸۶۰ء یہ پاس دیا جاتا ہے کہ اثنائے راہ میں کوئی ان سے بابت ہتیاروں کے مزاحمت نہ کرے۔ فقط

المرقوم ۱۰ر ستمبر
سنہ ۱۸۷۲ء



من جانب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال حکم ضروری یہ کہ پاس آمدہ محکمہ ایجنسی بھوپال دستخطی کرنل ولیم ولبی اسبورن صاحب بہادر پولیٹکل ایجنٹ بھوپال وغیرہ حسب حکم

سید فرزند علی ملازم ریاست بھوپال طبیب خاص کو دیا جاوے کہ اپنے ہمراہ رکھیں اور وقت ضرورت سفر وطن اور مکہ معظمہ میں بکار خود لاویں۔ فقط۔ تحریر ہفتد ہم شہر

تحریر ہفتد ہم شہر رجب المرجب ۱۲۸۹ ہجری ملاحظہ شد ۱۶ رجب ۱۲۸۹ھ نمبر

حکیم صاحب نے ارض مقدس عرب کی راہ لی تو بمبئی تک ریل گاڑی پر اور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مکہ شریف میں اپنے استاد ملا محمد نواب صاحب مہاجر سے مل کر نہایت محظوظ ہوئے اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور وہاں کے علما مشائخ کی صحبت سے استفادہ کرتے۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک روز ہم چند آدمی ملا صاحب کے پاس بیٹھے تھے یکایک دیکھا کہ عربوں کے گروہ اس طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ جدھر سے ہندی قافلہ آتا ہے ان لوگوں سے اس دوڑنے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے۔ ہم نے سنا ہے کہ سلطان ہندی (یعنی نواب صاحب رام پور) ہاتھی نام کا ایک جانور جو عجیب الخلقت ہوتا ہے ہمراہ لا رہے ہیں۔ اس کے دیکھنے کو ہم سب بکمال اشتیاق دوڑے جاتے ہیں۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ نواب کلب علی خاں بہادر بعض اسباب سے اپنے ہمراہ ہاتھی نہیں لے گئے۔ اکثر اوقات حکیم صاحب ملک حجاز و اہل عرب کے دلچسپ اشعار قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔

جب اس ارض مقدس سے انوار و برکات حاصل کر چکے اور ارکان حج ادا ہو گئے تو حکیم صاحب مکہ معظمہ سے سفر کر کے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور حضور سرور عالم کے روضۂ اقدس کی زیارت سے سعادت دارین حاصل کی۔ وہاں کی برکات و انوار کی کیفیت حکیم صاحب کے ہمسفر دوست حاجی محمد حسین خاں صاحب اختیار پوری جو ایک درویش سیرت رئیس تھے یہ بیان کرتے تھے کہ مسجد نبوی میں جیسے انوار پائے جاتے ہیں اور قلب کو

جیسی یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور جگہ ممکن نہیں وہ کیفیت یہاں مجھے مراقبہ میں کبھی نہیں نصیب ہوتی
درحقیقت یہ آفتاب رسالت کی باطنی شعاعوں کا جلوہ تھا جو وہی طور پر قلوب حاضرین کو فیضیاب
کرتا ہے اور نور ایمان دلوں میں خود بخود چمک اٹھتا ہے۔ القصہ جب حکیم صاحب مدینہ منورہ
کی خاک پاک کا سرمہ آنکھوں میں لگا چکے تو وہاں سے بھی رخصت ہوئے اور مع الخیر ہندوستان
میں واپس آتے۔ واپسی کے بعد وطن ہوتے ہوئے بھوپال تشریف لے گئے اور بدستور
اپنے عہدۂ افسر الاطبائی کے فرائض منصبی ادا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

حکیم صاحب اور مولوی صدیق حسن خاں کے مراسم

بھوپال کے تعلقات میں حکیم صاحب اور مولوی صدیق حسن خاں کے مراسم و معاملات بھی
قابل بیان ہیں بیگم صاحبہ کے ساتھ شادی ہونے کے قبل مولوی صاحب موصوف حکیم صاحب سے
نہایت نیازمندانہ و عاجزانہ طور پر ملتے تھے۔ سرکار عالیہ سے مقرب ہونے کے باعث حکیم صاحب
کی ذات سے مرجع خاص و عام ہو رہی تھی چنانچہ بارہا مولوی صاحب نے بھی حکیم صاحب سے
رجوع کرکے اپنے مقاصد حاصل کئے اور فائدہ اٹھایا۔ یہ سچ ہے کہ مولوی صاحب کی ترقی و
عروج کے باعث حکیم صاحب ہی ہوئے۔ پیشتر وہ منشی جمال الدین خاں صاحب مدار المہام ریاست
کے یہاں پڑھانے پر ملازم تھے بعد ازاں ان کی بیوہ لڑکی کے ساتھ نکاح کا موقع ملا۔ پھر دفتر
انشا میں تاریخ نگاری کی خدمت پر مامور ہو گئے۔ اس زمانہ میں انھوں نے جو خطوط حکیم صاحب
کی خدمت میں خاص اپنے قلم سے لکھکر بھیجے وہ آج تک موجود اور ان میں سے دو ناظرین کے بھی
ملاحظہ کے لئے حاشیہ[1] پر درج کئے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں حکیم صاحب اپنے وطن شاہ آباد

[1] نقل خط مولوی صدیق حسن صاحب بنام حکیم صاحب:- باسمہ تعالیٰ شانہ حکیم صاحب مکرم و مخدوم
(بقیہ حاشیہ بر ۴۳)

تشریف لائے تھے اور مولوی صدیق حسن خاں بھی رخصت لے کر قنوج میں آئے ہوئے تھے ان خطوط کی عبارت بتا رہی ہے کہ ان دنوں وہ حکیم صاحب کو اپنا مخدوم و امیدگاہ تصور کرتے اور اپنے اغراض کو نہایت انکساری کے ساتھ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کرتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) مجمع الفضائل والعلوم کمالات ممتلی حکیم فرزند علی صاحب اعلی اللہ تعالیٰ مقامہم وحصول مرامہم بعد سلام شوق التیام و نیاز ضراعت انضمام مکشوف عالی خاطر باد ۔ مکاتبہ عنایت و صحیفہ عطوفت نزول التفات آوردہ ممنون یاد آوری فرمودہ فقیر از دیر باز مستفسر اخبار گرامی بود لیکن معلوم نمی شد حالا اجمالاً بخیریت سامی پے بردم امیدست کہ از حقایق حالات مطلع فرمایند و کمترین بحصول رخصت آمدہ ام چنانچہ آخر پانزدہم ذیقعدہ مدت رخصت تمام شدنی ست بنا برش در اواخر شوال عزم بالجزم معاودت دارم و غرض از آمدن تقریب عقود خواہران خردم بود کہ از دو جا تحریکش بمیان آمدہ بود لیکن بعد رسیدن اینجا از انجا یکے خللے رو داوہ و یک جا را بندہ نہ پسندیدم لہذا ہر دو در حیز توقف ماند و آمدن بے فائدہ شد حالا بنا بر آنکہ بندہ قبیلہ و عشیرہ کثیرہ ندارم و آنکہ دارم ہمہ امامی مذہب اند و از عہد والد مرحوم قرابت با نہا متروک ست ارادہ بردن ہمگناں بناچاری جانب بھوپال دارم ورنہ ترک وطن بر نفس خودم خیلے شاق ست اگر در سادات شاہ آباد و جوار آں در نظر آں کرم فرما یک دو جائے رجال ذی لیاقت در دنیا صحیح النسب یا شیوخ عالی نسب باشند و ذریعہ سامی صورت این معنی از قوہ بفعل خواہد ضرور توجہ فرمودنی ست انشاء اللہ تعالیٰ بعد عقد بھوپال روم و رخصت را بر وقت دیگر بگزارم اظہار این معنی محض بر مبنی بر حقوق اسلام و بے تکلفی آں مخدوم ست و بس ورنہ چہ جائے ہیچمدان و قال ست۔ دیگر از اخبار بھوپال کہ از خطوط آنجا معلوم شد آنست کہ نواب سکندر بیگم صاحبہ با مادر و خال خود و مدار المہام صاحب بہادر راہی مکہ معظمہ شدند و قصد ولایت ہم تصمیم یافتہ و نواب شاہجہان بیگم صاحبہ و شوہر خود و دختران خویش واپس بہ بھوپال آمدند۔ حکیم احسن اللہ خاں برطرف شدند و حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی کہ مہتمم عدالت دیوانی شدہ اند رخصت دو ماہ بوطن آمدہ اند و از کرم فرمایان بندہ اند و نیز بعد صیام عازم بھوپال اند غالباً معیت بندہ صورت بندد و اگر قصد جناب باشد اعلام فرمایند کہ مراعات اتفاق سفر یک دیگر کردہ آید و غیر این خط متوکلاً علی اللہ نوشتم زیرا کہ بر لفافہ خط سامی جز نشان شاہ آباد دیگر ہیچ علامت

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۴)

حکیم صاحب ہی کی وجہ سے مولوی صدیق حسن خاں کا نکاح نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ سے ہوا
لہذا غلط نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ حکیم صاحب کی بدولت وہ امیر الملک والا جاہ ہوئے۔ حکیم صاحب نے
بارہا اس کا قصہ راقم کے روبرو بعض اپنے معزز احباب سے بیان کیا جس کی تفصیل یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) محلہ وغیرہ نبود بندہ زادہ نور الحسن زاد عمرہ مع الخیر ست و بجالی جناب سامی
تسلیم میرساند از حقیقت حال خود مفصل اطلاع فرمایند جواب باین نشان لطف شود۔ در قنوج محلہ شیخ پورہ
مکان سید اولاد حسین صاحب مرحوم رسیدہ نزد فلاں برسد۔ این قدر در عجلت ہمیں قدر تعلم آمد بصورت
حصول جواب بعض مقاصد دیگر نوشتہ خواہد شد۔ والسلام خیر ختام۔ حررہ صدیق حسن عفی عنہ از رمضان ۱۲۸۰ھ
بضرورت عدم ادراک نام محلہ وغیرہ و خیال عدم ضائع ہر رنگ فرستادہ شد معاف باد۔ (نقل خط دیگر) حکیم صاحب
مجتمع عواطف محبانہ، مصدر رافت کریمانہ کرمی معظمی جناب مولوی حکیم فرزند علی صاحب دام لطفہم۔ سلام مسنون
اشتیاق مشحون میرسانم و خوشوقتی خود بوصول صحیفہ سامی می نگارم۔ بندہ تا بست و ہفتم شوال انشاء اللہ تعالیٰ ضرور
راہی بھوپال شدنی ست و در باربرداری ہمراہم یک ارابہ نگاہ دست و بس و بار چند من بران کردنی ست پس اگر
کتب سرکاری بوزن دو سہ پنج آثار باشند البتہ می توانم برد و اگر زیادہ گران باشند البتہ خالی از دقت نخواہد بود
چون خط سامی در ہفت روز رسید خیال کردم کہ اگر جوابش در ڈاک میرسانم برائے حصول پاسخ آں مدت چہاردہ روز
می باید و این قدر ایام در اینجا ماندنی ست بنا بر علیہ بدست آدم معتبر خود میرسانم کہ جوابش زود تر حاصل شود و اہم
مقصود از تحریرش ہمین ست کہ اگر بتوسط سامی فکر امر معلوم معقول قرار گیرد اطمینان خاطر حاصل شود۔ پس تفصیل
حال مطلوب سامی این ست کہ اگر سادات کہ امہات شان افاغنہ صحیح النسب باشند آنجا موجود اند مضائقہ نیست
دو امر پیش نظر ست یکے آنکہ مفلس بسیار تنگ معاش نباشند دوم لیاقت ظاہری مثل قدرت انشاء فارسی ہمت دوجا
صوری و نیک وضع بوند زیراکہ مفلسی از عیب شرع ہم ست و آدم بد لیاقت شدہ ہم موجب بسیار عار ست اگر
فرزندان مانگن میاں صاحب سید باشند و از جانب معاش فاقہ مست نبوند گو مادر شان پٹھانی صحیح النسب نبود
و لیکن جناب تواند شد۔ تجویز فرمایند بلکہ صورت رضاء شان حال خط را ملاحظہ ہم بکنایند والا فلا۔ البتہ شیوخ
کہ مادر شان افغانی بود منظور نیست مگر آنکہ کسے متمول بسیار با لیاقت ذی عزت باشد ہم چنیں اگر از سادات
شاہجہاں پور با کسے قرابت باشد و اہل لیاقت و جاہ باشند فکر کردنی ست زیراکہ سادات شیعہ مذہب بسیار
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۵)

کہ بیگم صاحبہ ۲۱ صفر ۱۲۸۴ھ ہجری کو ۲۹ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئیں اور تین چار سال تک بلا شوہر رہیں۔ اس زمانہ میں بیگم صاحبہ نے حکیم صاحب سے نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حکیم صاحب نے مصلحتاً اس میں تامل کیا۔ اور بجائے اپنے مولوی صدیق حسن خان صاحب کا نام پیش کر دیا جس کو سن کر انھوں نے ناپسند کیا پھر جب اس امر میں حکیم صاحب نے جمال الدین خان صاحب مدار المہام سے مشورہ کیا تو انھوں نے بھی اختلاف کیا۔ شکایت کے طور پر عیوب بیان کیے اور کہا آپ ان کے لیے ہرگز کوشش نہ کیجیے وہ اس مرتبہ عالی کے اہل نہیں۔ مجھے ان کا ذاتی تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر حکیم صاحب اپنی طینت سے جو خیر محض تھی مجبور تھے امر نیک سمجھکر پھر بیگم صاحبہ سے عرض کیا اور نکاح کے معاملہ پر دوبارہ زور دیا اور یہ بھی ذہن نشین کر دیا کہ اگرچہ وہ بظاہر مقدرت نہیں رکھتے مگر ان کی قومی شرافت اور علمی لیاقت ضرور قابل قدر ہے۔ غرضکہ ان کے ذی علم اور سید ہونے کا شرف دل میں جما دیا اور اپنے قوی دلائل سے کوشش بلیغ کر کے بیگم صاحبہ کو راضی کر دیا۔ چنانچہ حکیم صاحب کی سعی سے ۱۷ صفر ۱۲۸۸ھ ہجری مطابق ۱۸۷۱ء کو مولوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) صحیح النسب سخت مفلس با کم لیاقت در قصبات حوالی قنوج مثل موہان و بلگرام بسیار میسر می آیند ولیکن این ہمہ وقت ازہمیں رہگذر باشد کہ تلاش آدم متوسط در افلاس و مالدارے عالی نسب بہرحال اگر جاے در نظر سامی باشد اطلاع رود و اگر پسران مانگن میاں صاحب نیک بخت باشند فاقہ مست نبوند و فی الجملہ لیاقت ہم داشتہ باشند و سید باشند خوب ہستند بلکہ اگر ہر دو خواہر ہر دو برادر شوند بسیار بہتر باشد دیگر آنکہ از چند روز دو سہ دانہ خارش و اتشین دارم و بہ سبب بے پروائی حالا زیادتی آں شد چنانچہ اکنوں تکلیف سخت ست و رسیدن باین خارش تا بھوپال دشوار می نماید در ینجا حکیم نیست کہ نسخہ نویسانیدہ در راہ استعمال کناں بروم لہذا آں جناب تکلیف میدہم و علاجے مجرب مناسب تجویز فرمودہ نسخہ عنایت فرمایند و اگر تیار باشد قدرے لطف فرمایند۔

مورخہ ۵ شوال ۱۲۸۰ھ ہجری حررہ صدیق حسن عفی عنہ ۱۲

صدیق حسن خاں کا نکاح نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کے ساتھ ہوگیا چند روز بعد مولوی صاحب نوابی کے عہدے پر فائز ہوئے اور بیگم صاحبہ کے نکاح ہوجانے کے باعث حسب سفارش ہر ہائی نس گورنمنٹ آف انڈیا سے نواب والا جاہ امیر الملک کا خطاب بلا ۱۷ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ ریاست کی طرف سے پچھتر ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عنایت کی گئی اور جملہ امور ملکی کے معتمد المہام و مشیر قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ اس منصب عالی کے لئے مولوی صاحب نے حکیم صاحب سے وہ کون ایسے الفاظ ہیں جو زبان سے نہ کہے تھے۔ جب ہر طرح کے اختیارات حاصل ہوگئے تو مزاج بدل گیا اور دماغ میں بوئے نخوت سما گئی۔ انجام یہ ہوا کہ جو لوگ ان کے محسن و ذی وقار تھے انھیں کے درپے آزار ہوگئے اور ان کی علیحدگی کی تدبیریں کرنے لگے۔ دل میں یہ خیال سمایا کہ جو لوگ میری گزشتہ حالت دیکھ چکے ہیں ان کے سامنے مجھے فروغ نہیں ہوسکتا چنانچہ بعض ایسے قدیم ملازموں کو زرا زرا سی بات پر ملازمت سے برطرف کرادیا حتی کہ خود حکیم صاحب سے بھی کج ادائیاں کرنے لگے بیگم صاحبہ کے خیالات کو حکیم صاحب کی طرف سے خراب کیا اور ان کے دل میں بٹھادی کہ حکیم صاحب ولیعہد نواب سلطان جہاں بیگم کے طرفداروں میں ہیں حکیم صاحب کہتے تھے کہ اس نکاح کے تھوڑے دنوں بعد میں ایک روز بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس روز رات بھر کا لکا بندرا دین کا ناچ ہوتا رہا تھا۔ لہذا بیگم صاحبہ دن چڑھے اٹھی تھیں اور اسی بنا پر سرکار عالیہ اور مولوی صدیق حسن خاں میں سخت تکرار ہو رہی تھی میں نے رفع شر کرانا چاہا اس پر مولوی صدیق حسن خاں نے لوگوں سے میری شکایت کی کہ حکیم صاحب میرے مقابلہ میں بیگم صاحبہ کی طرفداری کیا کرتے ہیں۔ آخر حکیم صاحب کو ان امور کا احساس ہوا اور بعض برتاؤ میں فرق پایا تو خود بھی کشیدہ خاطر ہوگئے۔ چنانچہ خود حکیم صاحب نے اس بارہ میں جو خط اپنے خسر

میر حبیب اللہ صاحب کو بھیجا تھا۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

میں اس عرصہ میں بوجہ عدیم الفرصتی تحریر عرائض سے قاصر رہا اور یہ بھی نہیں لکھ سکتا کہ کتنے روز کے واسطے آنا ہوگا۔ بالفعل یہاں کچھ ایسے امور پیش ہیں کہ طبیعت چاہتی ہے استعفا دیدوں لیکن ابھی کوئی امر فیصل نہیں لکھ سکتا۔ تفصیل حال بروقت حضوری عرض کروں گا۔

اہل کمال کی طبیعت میں ہمیشہ استغنا کا مادّہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب کو مولوی صدیق حسن خاں صاحب کی یہ احسان فراموشی نہایت ناگوار گزری۔ چند سال نفس پر جبر کر کے نباہا۔ مگر کب تک چھ برس بعد عقد کے آخر ۱۴ ربجادی الاول ۱۲۹۴ھ ہجری کو عاجز آکے استعفا دیدیا اور بھوپال سے مکان چلے آئے۔ سلف کا یہ قول کہ ؎

کس نیا موخت علم تیر از من　　　که مرا عاقبت نشانه نکرد

تجربہ سے نہایت صحیح ثابت ہوتا ہے۔ وطن چلے آنے کے بعد بھی حکیم صاحب اور مولوی صدیق حسن خاں صاحب میں بظاہر مراسم رہے اور تہذیب سے خط وکتابت رہتی تھی۔ مگر دلوں میں فرق آگیا تھا۔ ایک بار اسی زمانہ میں حکیم صاحب نے لکھا تھا کہ مجھے روا روی میں یاد نہیں رہا۔ بلا اس سے علیحدگی اختیار کرتے وقت مجھے حسب قاعدہ ریاست سے کوئی کاغذ اپنی صفائی کا لینا چاہیے تھا جس کی نوبت نہیں آئی۔ اس تحریر پر ایک باضابطہ صافی نامہ جس پر ریاست کی مہر ہے مولوی صدیق حسن خاں نے تصدیق کر کے بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ :

حکیم صاحب بھوپال سے نہایت نیک نامی وصفائی کے ساتھ استعفا دے کر اپنے وطن کو چلے گئے ہیں۔ راقم نے وہ صافی نامہ دیکھا ہے۔ بلکہ دوبارہ ملازمت کے وقت حکیم صاحب نے وہ صافی نامہ قلمدان سے نکال کر مولوی علاء الدین صاحب کو دکھلایا بھی تھا۔ القصہ جب

مولوی صدیق حسن خاں کے دل آزار برتاؤ کی شکایت عام ہوگئی اور بہت سے لوگ اُن سے رنجیدہ ہوگئے تو ان کی اگلی مسرتیں بے مزہ ہوگئیں اور ان کی زندگی کے آخری ایام سخت تکلیف و رنج میں گزرے۔ سچ کہتے ہیں کہ دنیا دارالمکافات ہے۔ اس لئے کہ سر لیپل گریفن صاحب ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا نے ان کے جہادی مضامین اور معاملات ریاست میں ان کی بیقاعدہ ملکی مداخلت کی رپورٹ کردی، ۷ ارمحرم ۱۳۰۳ہجری مطابق ۲۶ راکتوبر ۱۸۸۵ء کو وہ انتظام ملکی سے علیحدہ کردیئے گئے اور ان کا خطاب نواب والاجاہ امیرالملک ضبط کرلیا گیا۔ اور ۷ ارضرب توپ کی سلامی بھی موقوف ہوگئی۔ ۱۶ فروری ۱۸۸۶ء کو کلکتے کے نواب عبداللطیف خاں مدارالمہام مقرر کرکے بھیجے گئے اور ان کے بعد یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو کرنل وارڈ صاحب اور پھر ۲۷ دسمبر ۱۸۸۹ء کو منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی مدارالمہام مقرر ہوئے۔ مولوی صدیق حسن خاں دوسروں کی حکومت کو خاموشی بیٹھے آنکھوں سے دیکھتے تھے مگر دم نہ مار سکتے تھے۔ مولوی صاحب کے طرز عمل کی شکایت سارے ملک میں تھی۔ اخباروں نے آزادی کے ساتھ ان کے متعلق مضامین چھاپے۔ جو انھوں نے بچشم خود دیکھے۔ چنانچہ اودھ پنچ لکھنؤ نے بھی ایک مضمون اور معزولی خطاب کی تاریخ طبع کرکے شائع کی۔ جس سے بیان مذکورۂ بالا کی تائید ہوتی ہے اور وہ تحریریں اس وقت راقم کے پیش نظر ہیں مگر اس خیال سے کہ آپ کے فرزند نواب صفی الدولہ حسام الملک سید علی حسن خاں صاحب بہادر سے جو ایک ذی اخلاق علم دوست بزرگ ہیں راقم کو نیاز حاصل ہے۔ جب وہ یہ اشعار و مضامین جو ذم کا پہلو لئے ہوئے ہیں دیکھتے شکایت کرتے اور اس کے جواب میں احقر کو ندامت ہوتی اس لئے نہیں لکھے گئے۔

مجھے افسوس ہے کہ حکیم صاحب کو مولوی صدیق حسن خاں صاحب کے برتاؤ سے جو شکایت

پیدا ہوگئی تھی اُس کا تذکرہ کرنا پڑا مگر میں مجبور تھا۔ مجھے حکیم صاحب کی علیحدگی کے وجوہ و اسباب بیان کرنا تھے اور چونکہ بھوپال سے چلے آنے کے باعث یہی واقعات تھے لہذا بغیر ان کی صراحت کے اس واقعہ کا انکشاف دشوار تھا۔ اور مضائقہ نہیں ایک نے دوسرے کے ساتھ جو بھلائی بُرائی کی ناظرین کو اس کی اصلیت سے آگاہی ہو جائے گی۔ مولوی صدیق حسن خاں صاحب میں جو خوبیاں تھیں ان کے تسلیم کرنے میں بھی ہمیں عذر نہیں۔ لہذا لکھتے ہیں کہ آپ سید صحیح النسب ذی علم اور نہایت ذہین و طباع تھے زندگی کا حصہ علمی مشاغل یعنی کتب بینی و تصنیف و تالیف میں صرف ہوا۔ تصانیف میں بعض کتابیں دلچسپ و قابل قدر ہیں۔ ریاست کی طرف سے خانی کا خطاب بھی ملا تھا۔ آخر ۲۹ رجب ۱۳۰۷ھ ہجری کو ۵۹ برس کی عمر میں اس دار فانی سے انتقال کیا۔ غفور رحیم ان کی مغفرت فرمائے۔

ریاست نرسنگ گڑھ سے حکیم صاحب کے تعلقات

حکیم صاحب بھوپال سے استعفا دے کر جب وطن چلے آئے ہیں تو جا بجا اس کی شہرت ہوئی کہ جن حکیم صاحب کی بدولت مولوی صدیق حسن خاں کو عروج حاصل ہوا تھا وہ انہی کی احسان فراموشی اور بے اعتنائی سے ترک ملازمت کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ حکیم صاحب کے معزز احباب نے سنا تو ان کے لیے جا بجا کوشش شروع کر دی۔ مولوی محمد شاہ صاحب نے نواب مختار الملک سر سالار جنگ سے حیدر آباد میں سلسلہ جنبانی کی۔ کانپور سے مولوی عبدالرحمن خاں صاحب نے مفتی محمد لطف اللہ صاحب ناظم دارالافتاء دکن کو لکھا۔ منشی امیر احمد صاحب مینائی نے نواب کلب علیخاں بہادر والی رام پور سے رجوع کیا اور ملا نواب صاحب مہاجر نے مکہ معظمہ سے مولوی ارشاد حسین صاحب کو لکھا کہ حکیم صاحب کے بارہ میں نواب صاحب رام پور سے تنہائی میں

نہایت جد وجہد سے کہا جاتے۔ منشی عنایت حسین صاحب مہتمم ریاست نرسنگہ گڑھ نے مہاراجہ جناب نرسنگہ گڑھ کو حکیم صاحب کے بلانے پر آمادہ کرکے متواتر خطوط بھجوائے بیشتر حکیم صاحب کو اسلامی ریاست نہ ہونے کے باعث وہاں جانے میں تامل تھا مگر مہاراجہ سری پرتاب سنگہ جی صاحب بہادر[۱] ڈی سی ایل والی ریاست نرسنگ گڑھ نے جو بڑے فیاض اور قدر دانِ اہل کمال تھے چونکہ حکیم صاحب کی بہت سی خوبیاں سُن چکے تھے بے حد اصرار کیا جب اس ریاست کی طرف سے خطوں کا تانتا بندھ گیا اور اکتالیس خطوط طلبی میں آچکے سنہ ۱۲۹۷ ہجری میں حکیم صاحب شاہ آباد سے نرسنگ گڑھ تشریف لے گئے جس وقت مہاراجہ صاحب نرسنگ گڑھ کا سامنا ہوا تو راجہ صاحب نے فرمایا حکیم صاحب میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اپنی عمر کا بڑا حصہ آپ نے بھوپال کی خیر خواہی میں گزرا تھا مگر افسوس کہ صدیق حسن خاں کی وجہ سے وہاں آپ کی قدر نہ ہوئی۔ آپ کی حذاقت ولیاقت کی خاص وعام میں نہایت شہرت ہے جس کا تذکرہ میں بارہا سُن چکا ہوں۔ غرض وہ اسی قسم کی توقیر وتکریم کی باتیں کرتے رہے اور اپنی اس وضع کو آخر تک نباہ دیا۔ جب کبھی اپنے پاس بلاتے تو تعظیم کے لئے بالاخانہ سے نیچے اتر کر آتے اور ہر طرح حفظِ مراتب کا خیال رکھتے۔ بمبئی وغیرہ کے سفروں میں حکیم صاحب کو نہایت عزت وآسائش کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ ریاست نرسنگ گڑھ میں حکیم صاحب کی تنخواہ

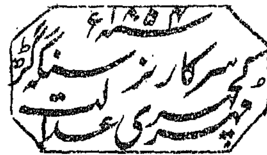
---

۱ مہاراجہ پرتاب سنگہ بہادر کو سپہ گری کے فن سے کمال شوق تھا اور ملک داری وقوانین سے بھی موروثی طور پر بہرہ کافی رکھتے تھے۔ ابتداً ان کے وقت میں ریاست کے ہر صیغہ میں نمایاں ترقی ہوئی اور سنہ ۱۸۸۰ء کے دربار قیصری میں نشان عطا کیا گیا۔ راجپوت رئیسوں میں سب سے پہلے انھوں نے ولایت کا قصد کیا اور سنہ ۱۸۸۷ء میں ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی حضوری میں شرف باریابی حاصل کیا۔ وہاں سے خطاب ڈی، سی، ایل مرحمت ہوا ۱۲

دیکھو صحیفہ زرّیں

علاوہ خوراک وسواری کے تین سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ حکیم صاحب کے ہمراہ اُن کے رفقا و طلبا اور خدام کی بھی ایک جماعت موجود تھی۔ ان سب کی خوراک منجانب ریاست آتی۔ حکیم صاحب جب کبھی وطن وغیرہ سے نرسنگ گڑھ جاتے تو ریاست کی سرحد پر پہنچتے ہی میر امراؤ علی کوتوال حسب الحکم راجہ صاحب حکیم صاحب کے استقبال کے لئے آجاتے دو ہاتھی ہمراہیوں کے لئے اور ایک پالکی وفنس خاص حکیم صاحب ہی کے واسطے ریاست سے بھیجی جاتی جو پروانہ تقرر حکیم صاحب کے نام منجانب ریاست آیا تھا اُس کی نقل یہ ہے۔

نقل پروانہ مہاراجہ صاحب نرسنگ گڑھ بنام حکیم صاحب



عوالی مرتبت شرافت پناہ حکیم فرزند علی مورد مراحم باشند

خط تمہارا مورخہ چہارم اکتوبر موسومہ منشی عنایت حسین مہتمم ریاست ہذا درباب عطائے پروانہ تطلب خرچ و نیز اجازت طلب کرنے ملاقات نواب صاحب بہادر و مدار المہام صاحب بہادر بھوپال واقع اثنائے راہ بلحاظ ملازمت قدیم موصول وملاحظہ ہو کر آپ کو قلمی ہوتا ہے کہ حضور کی جانب سے ملاقات کی اجازت ہے مگر ایک روز سے زائد قیام نہ کیجئے اور منشی معزنے جو تحریر درباب طلب آپ کے کی ہیں بحکم حضور کی ہیں لہذا پروانہ ہذا حسب استدعا آپکے بھیجا جاتا ہے کہ حضور میں جلد آؤ اور تاریخ روانگی سے اطلاع دو کہ سواری بھیج دی جاوے اور پروانہ ہذا بطور سند اپنے پاس رکھو۔ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۰ء

دستخط مہاراجہ سری پرتاب سنگہ بہادر والی نرسنگ گڑھ

خط منشی عنایت حسین صاحب مہتمم ریاست نو سنگہ گڑھ دربارہ طلبی حکیم صاحب

مخدوم مکرم مظہر تفضلات اتم حکیم فرزند علی صاحب زاد عنایتہم

بعد سلام سنت الاسلام خلاصۂ مرام آنکہ حال تا تحریر بخیر۔ و خیر و عافیت مزاج شریف مطلوب
نوازش نامہ آپ کا مورخہ ۴ راکتوبر ۱۸۸۰ء نہم ماہ مذکور کو آیا جناب راجہ صاحب بہادر کو حرف
بحرف سنا دیا۔ مگر اتفاق سے اسی روز خاکسار بعارضہ تپ و لرزہ مبتلا ہوگیا۔ تین مسہل ہوئے
رللعہ ۱۴ قطعے خط بحکم راجہ صاحب بہادر آپکے طلب میں ارسال کئے اور آپ
تشریف آوری کا وعدہ فرماتے ہیں مگر ہنوز بروز اول ہے۔ راجہ صاحب بہادر کی طبیعت زا
علیل ہے روز مرہ آپ کا انتظار کیا جاتا ہے اور توقف آپ کا باعث خفت خاکسار ہے آج
راجہ صاحب بہادر نے ارشاد فرمایا کہ شاید حکیم صاحب میری تحریر کا انتظار کرتے ہونگے۔ اس
باعث سے آنے میں توقف کرتے ہیں سو اُنکی طلب میں پروانہ بھیجو۔ چنانچہ حسب الحکم
حضور سرکار کا پروانہ دستخطی آپکے نزدیک بھیجا جاتا ہے۔ آپ باطمینان کامل تشریف لائے
سرکار ہمارے فارسی مطلق نہیں جانتے اس واسطے ہندی میں دستخط ہیں اور یہاں کارروائی
ہندی کی زاید ہے اور مبلغ تین سو روپیہ آپکے نزدیک بھیجتے ہیں اور سرکار نے ارشاد فرمایا
کہ جو کچھ زاید صرف پڑے گا وہ آپ کو دیا جائے گا اور روز روانگی سے تین سو روپیہ کلدار
سوائے خوراک ماہوار منظور فرمائی اور سواری و مکان وغیرہ سب سرکار سے ملے گا ادا
وقت تشریف آوری یہاں کے درباب انعام غسل صحت وغیرہ بالمواجہ آپ خود طے کرلیں
اور تشریف آوری میں آپ ہرگز ہرگز توقف نہ فرمائیے تھوڑی تحریر کو بہت تصور فرمائیے زیادہ
والسلام۔ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء راقم نیاز خاکسار محمد عنایت حسین مہتمم ریاست نو سنگہ گڑھ

حکیم صاحب نے نرسنگ گڑھ پہنچکر راجہ صاحب کا جو علاج کیا وہ ان کے فراج کے نہایت موافق آیا اور بہت ہی مفید ثابت ہوا اس وجہ سے راجہ صاحب حکیم صاحب کے بڑے معتقد ہو گئے اور بے حد اخلاق کے ساتھ پیش آتے رہے۔ حکیم صاحب کا جو معزز مہمان نرسنگ گڑھ جاتا اس کو وہ فٹن پر سوار کرا کے بنا بر سیر لے جاتے اور اپنے بھائی بندوں میں تعارف کراتے جس وقت راجہ صاحب ریاست راج گڑھ تشریف لے گئے تو راجہ صاحب والی راج گڑھ سے جو ان کے یک جدی بھائی تھے حکیم صاحب کو ملوایا اور وہ بھی کمال اعزاز سے پیش آئے راج گڑھ کے فرمانروا راجہ موتی سنگھ مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا نام نواب محمد عبد الواسع خاں قرار پایا تھا۔ راجہ صاحب کے پوتے میاں شمس الدین عرف ننھے صاحب جو بعد کو وہاں کے فرماں روا ہوئے۔ انھوں نے از راہِ عزت افزائی حکیم صاحب کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا۔

اگرچہ حکیم صاحب نرسنگ گڑھ میں بصیغۂ طبابت ملازم تھے مگر درحقیقت نیابت کرتے تھے۔ معاملات ریاست میں اکثر مشورہ دیا کرتے وہاں کی انتظامی خرابیوں پر نہایت آزادی سے راجہ صاحب کو توجہ دلاتے۔ راجہ صاحب میں سب خوبیاں تھیں مگر ایک عیب تھا تو یہ کہ شراب کے عادی ہو گئے تھے اور اس کے نتیجہ میں ہر قسم کی خرابیاں پیدا ہو چلی تھیں۔ حکیم صاحب نے راجہ صاحب کو اکثر زبانی سمجھایا اور ترک شراب پر مجبور کیا۔ انھوں نے وعدہ بھی کیا مگر اپنی عادت سے ناچار تھے آخر جب حکیم صاحب نے دیکھا کہ ان کی یہ عادت نہیں چھوٹ سکتی اور ریاست کا کام خود نہیں کر سکتے تو خیال کیا کہ کوئی متدین نائب و منتظم مقرر ہو تاکہ ریاست کو رونق ہو۔ اس بارہ میں جب حکیم صاحب نے زور دیا تو راجہ صاحب نے منظور کر لیا اور حکیم صاحب خود راجہ صاحب کو پولٹیکل ایجنٹ بہادر کے پاس جو حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی منشی میرا دلاد علی صاحب پروفیسر ٹرنٹی کالج ڈبلن کے شاگرد تھے لے گئے اور اجنٹی سیہور میں اجنٹ صاحب سے

دل کے رئیس ہیں۔ وہ ایک ایسا لائق شخص اپنی مدد کے واسطے چاہتے ہیں جس سے انہیں تجربہ حاصل ہو اور خود عمدہ منتظم کارگزار ہو جائیں۔ آپ اپنے راجہ صاحب سے یہ بھی کہدیجئے کہ ہم ان کے اس بات پر شکرگزار ہیں کہ وہ ہم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہم حتی الامکان ان کے اور نیز ان کے خاندان اور ان کی ریاست کے لئے بہت اچھا سلوک کرینگے۔ آپ کو مناسب ہے کہ جلد نرسنگ گڑھ واپس جاکر یہ سب حال راجہ صاحب پر ظاہر کردیجئے اور بعد دسہرہ کے ان کو اپنے ہمراہ یہاں لائیے سردست ہم کسی طرح کی مداخلت مناسب نہیں سمجھتے صاحبان پولٹیکل ایجنٹ صرف صلاح دیا کرتے ہیں اور جب تک پوری پوری ضرورت نہ پیش آئے مداخلت نہیں کرتے وہ ہمیشہ تمام سازشوں سے علٰحدہ رہتے ہیں۔ فقط

آپ کا سچا دوست ولیم کنکیڈ ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۳ء مقام سیہور

اس کے بعد حکیم صاحب اجنٹی سیہور سے نرسنگ گڑھ واپس گئے اور صاحب پولٹیکل کا منشاء زبانی ظاہر کرکے وہ چٹھی راجہ صاحب کو دکھلادی۔ یوں ہی وہ ہمیشہ خیرخواہی سے راجہ صاحب کو نیک صلاحیں زبانی و تحریری دیتے رہے اور باوجود ان کی غفلت کے جہاں تک بنا صاحب پولٹیکل ایجنٹ کو بھی راضی رکھا۔ راجہ صاحب کو اسی غفلت پر حکیم صاحب نے جو تحریری مضمون ان کو بھیجا تھا اس کی نقل یہاں پر درج کی جاتی ہے۔

مہاراجہ صاحب نرسنگ گڑھ کو حکیم صاحب کی تحریری صلاح دہی

جس شخص کا نمک کھایئے اس کی خیرخواہی فرض ہی ہے جو کہ سرکار کے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا نقصان دیکھتا ہوں۔ اگرچہ مجکو اس سے کچھ تعلق نہیں مگر میری سرشت ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی کا خصوصاً اپنے سردار کا نہ نقصان دیکھا جاسکتا ہے نہ اس کی بدنامی کو

برداشت کرسکتا ہوں۔ اور کچھ ممکن نہیں تو اس قدر ضرور ہے کہ سرکار کو اس کی اطلاع کردوں
پہلے بھی چند بار شراب کی مضرتوں کے سلسلہ میں کچھ کچھ حال گزارش کر چکا ہوں۔ اس وقت
جس قدر یاد آتا ہے ہزاروں حصہ سے ایک حصہ تحریر کرتا ہوں۔ سرکار ذرا غور سے سن لیں
ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ میں بڑی بڑی ریاستیں غفلت سے برباد ہوگئیں جن کا نام ونشان
بھی باقی نہیں ہے۔ تواریخ کی کتابیں ان حالات سے بھری پڑی ہیں۔ جن ریاستوں کے
دیکھنے والے موجود ہیں اُن کو خیال فرمایئے کہ غفلت سے وہ کیسی تباہ ہوئیں سلطنت دہلی
جس کے زیر فرمان تمام ہندوستان مع افغانستان تھا اور غلبہ وشوکت اور جس قدر فوج و
خزانہ اور جواہرات وسامان موجود تھا مشہور ہے وہ ایسی برباد ہوئی کہ شاہزادہ جوان بخت
اور بہادر شاہ اخیر بادشاہ دہلی رنگون میں پڑے ہیں اور ایک ایک پیسہ کو محتاج ہیں۔
لکھنؤ کا حال تو سرکار کو بھی معلوم ہے کہ بوجہ اسی غفلت کے ملک چھن گیا۔ واجد علی شاہ
مثل قیدیوں کے کلکتہ میں پڑے ہیں کسی بات کا اختیار نہیں رہا اور چھوٹی ریاستوں کا
حال تو آپ کے گھر میں گزر چکا ہے کہ جب نواب صاحب راجگڑھ کی بسبب غفلت کے سپرنٹنڈنٹی
ہوگئی تو وہ ایک پولہ گھاس کا بھی بغیر اجازت سپرنٹنڈنٹ کے ریاست سے نہیں لے سکتے
تھے۔ جب تک سپرنٹنڈنٹی رہی گویا غیر کی ریاست تھی۔ جب کسی ریاست میں غفلت ہو طرح طرح
کے ظلم اور بے انتظامیاں ہونے لگیں اور رعایا کو تکلیف پہنچے تو حاکم وقت پر لازم ہوجاتا
ہے کہ اس کا انتظام اپنے ذمہ لے اور رئیس غافل کو بے دخل کردے۔ آپ ذرا متوجہ ہوکر
اپنی ریاست کا حال بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ خزانہ خالی روپیہ تحصیل کا
نہیں آتا خود آپ کے کھانے اور پانی کا انتظام نہیں۔ سامان بخوبی دیا جاتا ہے مگر جن لوگوں کے
واسطے دیا جاتا ہے اُن کو چوتھائی بھی نہیں ملتا اور جس قدر ملتا ہے وہ بھی خراب۔ کپڑے کا

بھی یہی حال ہے زیورات و جواہرات خیانت کرکے بدل ڈالے سرکار کو اس کی اطلاع بھی ہوئی
مگر کچھ تدارک نہ ہوا۔ جواہرات و زیورات کا چہرہ اور پتا اور لکھاوٹ بھی دفتر میں نہیں موجود
جیسا کہ اور ریاستوں میں دستور ہے کہ بے تکلف تحقیقات ہو سکے۔ ملازم خیر خواہ و بدخواہ دیانتدار
اور خیانت کار اور کارگزار و ناکردہ کار سب برابر ہیں کسی میں امتیاز نہیں۔ رعایا تباہ ہوتی جاتی
ہے۔ چوریاں ہوتی ہیں۔ ڈاکے پڑتے ہیں لوگ لوٹے جاتے ہیں مارے جاتے ہیں فریادی
مقدمہ والے مہینوں برسوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسی آرزو میں
مر گئے مگر آپ کو خبر نہیں ہوتی بندوبست کون کرے۔ جن لوگوں کا سرکار میں کچھ مال خرید لیا گیا
ہے سالہا سال سے پھرتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا تم کون ہو۔ سرکاری لاکھوں روپیہ لوگوں پر
قابل وصول ہے کاغذات اس کے کیڑے کھائے جاتے ہیں مگر پروا نہیں ہوتی۔ نہ کوئی سرکاری
حکم کو مانتا ہے نہ کسی کو کچھ آپ کا خوف ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو حاکم جانتا ہے۔ جانوروں کا جو کچھ
سرکار سے مقرر ہے اس قدر ان کو نہیں ملتا۔ بعضوں کو تو صرف گھاس بھی نہیں ملتی بھوکے مرتے
ہیں۔ ذرا باغات کے بیلوں کو تو ملاحظہ فرمائیے کہ کیا حال ہے۔ جانوروں کے باندھنے کو
نہ رسیاں ہیں نہ رہنے کو مکان نہ نعل بندی نہ سُم تراشی کا بندوبست ہے پانی بھی وقت پر
پورا نہیں ملتا۔ جو سامان گھوڑوں اور ہاتھیوں کا سال بسال تیار ہوتا ہے۔ ضرورت کے وقت
اُس کا بھی پتا نہیں لگتا۔ جو چھٹیاں خوراک وغیرہ کی ہوتی ہیں اُن کا پورا سامان کبھی کسی کو
نہیں ملتا اور جس قدر ملتا ہے نہایت خراب اکثر قابل کھانے کے نہیں ہوتا اور سرکار سے
پورا مجرا لیا جاتا ہے اور قیمت پوری اچھی چیز کی لی جاتی ہے۔ پہرے والے جن کے متعلق سرکار
کی حفاظت جان و مال ہے وہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی چوریاں کرتے ہیں گشت والے جو
رعایا کے واسطے مقرر ہیں خود چوریاں کرتے اور کراتے ہیں۔ مسافر اور غریبوں کو تنگ

کرکے جس کسی سے کچھ ملتا ہی بھر لے لیتے ہیں۔ تین روپیہ کا سپاہی بجائے خود حاکم اور رئیس شہر ہے کوٹھی اور بگھی خانہ کی تعمیر جس میں ہزارہا روپیہ ماہوار خرچ ہوتا ہی اور سرکار بذات خاص اُس کی طرف بہت متوجہ ہیں اور اکثر ملاحظہ فرماتے ہیں اور کئی اشخاص اس کے مہتمم اور دیکھنے والے بھی ہیں مگر حالت یہ ہے کہ سرے سے اُس کی بنیاد نہایت ہی کمزور ڈالی گئی اور آتا رہا ہے اس پر لاکھوں من کا بوجھ لداؤ کا لادا گیا بنیاد اس کی ہرگز قابل اس لداؤ کے نہ تھا طرہ یہ کہ چونہ نہایت ہی خراب راکھ ملا ہوا لیا جاتا ہی۔ بجائے تین روز کے ایک روز میں گٹھ تیار ہوتا ہی۔ بوجہ موٹا ہونے کے اینٹیں آپس میں خوب وصل نہیں ہوتیں۔ ایسی ڈاٹ کے ٹھہرنے کا اعتبار نہیں گرجانے کا نہایت ہی خوف ہی۔ اینٹیں نہایت خام اور کمزور و پتلی ہوتی ہیں مزدوروں کو اجرت اور چونا پتھر والوں کو روپیہ وقت پر نہیں ملتا۔ اس سے بہت خرابیاں ہوتی ہیں۔ عملہ کا عجیب حال ہے ہر شخص خود مختار ہے۔ جب ایک ہی شخص خریدنے والا اور فیصلہ قیمت کرنے والا اور چٹھی کرنے والا اور قیمت دینے والا اور خرچ کرنے والا اور باقی رکھنے والا ہو تو پھر اُس کا حال کیوں کر کھل سکے۔ جب خود عملے والے بٹوارہ اور مستاجری کرنے لگیں تو سرکاری جمع میں کیسے اضافہ ہو اور خورد برد بند ہوسکے۔ بھوپال اور راجگڑھ کی ریاستیں خوش انتظامی سے کس قدر بڑھ گئیں یہاں روز بروز جمع کی کمی ہوتی جاتی ہے کھنجر وغیرہ میں ہزارہا روپیہ موافق جمع قدیم کے قابل وصول ہیں اور کئی سال وصول بھی ہوئے پھر اب چھوڑ دیئے گئے کوئی نہیں پوچھتا۔ پوری جمع بعض گاؤں کی اُڑا لی گئی اور سرکار کو اس کی اطلاع بھی ہوئی مگر کچھ تدارک نہ ہوسکا۔ آپس میں سب لوگ متفق ہو کر خوب ہاتھ مارتے ہیں۔ ایک دوسرے کی عیب پوشی کرتا ہی۔ اپنے مطلب کے موافق جو چاہتے ہیں سرکار سے بحکمت عملی منظور کرا لیتے ہیں اور جن لوگوں میں آپس میں کچھ خلاف و نفاق ہوتا ہی وہ

ضد سے سرکاری کام کو بگاڑتے ہیں کوئی یہ نہیں خیال کرتا کہ آپس کی عداوت سے سرکاری کام بگڑا جاتا ہے۔ سرکار کی خیر خواہی اور نفع کا کسی کو لحاظ نہیں۔ ابھی چند روز ہوئے ایک سرکاری گھوڑا اور ایک اونٹ بیمار ہو کر مر گیا انھیں دو چار آنہ کی دوا نہ نصیب ہوئی۔ سرکار کے مزاج میں کمال حلم اور مروت ہے اگر اتفاقاً کوئی مقدمہ کسی کی نمک حرامی اور تغلب اور خیانت کا سرکار کے کانوں تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اس کی غیبت میں زبانی اسی وقت غصہ کر لیتے ہیں اور کچھ تدارک نہیں ہوتا وہی شخص بعد چندے پھر اپنے کام پر بحال ہو جاتا ہے ان کارروائیوں کے باعث کسی کے دل میں سرکار کا خوف نہیں رہا بے خوف اپنا کام کرتے ہیں اگر اتفاقاً کوئی شخص نیا خیر خواہ منتظم سرکار میں آجاتا ہے اور انتظام کرنا چاہتا ہے تو سب متفق ہو کر یہاں اور ایجنسی سے تدبیریں کر کے اس کو نکلوا دیتے ہیں۔ ٹھہرنے نہیں دیتے ادنیٰ ادنیٰ شخص ایجنسی میں جھوٹی نالشیں دائر کر کے اور سرکار پر زور ڈال کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں اور حقیقت حال مقدمہ کو ایجنٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سرکار کی طرف سے پہنچنے نہیں دیتے۔ سرکار کا نالشی ایجنسی میں جاتا ہے اس کو جائے قیام اور خوراک وکالت سے ملتی ہے سرکار پر نالش کرنے کی عرضیوں کے مسودے اُسے لکھے لکھائے ملتے ہیں کسی لکھنے والے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صاحب بہادر کی کچہری کے آگے لوٹ جانے اور غل مچانے کی تدبیریں بھی اُس کو خوب سمجھا دی جاتی ہیں۔ درحقیقت یہ سب خرابیاں آپ ہی کی غفلت سے ہیں کہ آپ کا دل کبوتروں اور جانوروں اور چوسر وغیرہ کھیلوں میں اور ہنسی دل لگی اور سیر و شکار میں تو پہروں لگتا ہے مگر ریاست کے کام میں ایک دم بھی نہیں لگتا۔ کام کے نام سے وحشت ہوتی ہے۔ تدبیریں اور حیلے ریاست کے کام کے ٹالنے کے نکال کر ہر روز اس کو کل پر ٹال دیتے ہیں اور اس آج کل پر ٹالنے سے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا سرکار کا اور

لوگوں کا نقصان ہوتا ہے اور سرکار نہ خود کام ریاست کا دیکھتے ہیں اور نہ کسی شخص ہوشیار و
کارگزار و دیانت دار کے کہ جس پر سرکار کا اعتبار ہو کام ریاست کا تعلق کرتے ہیں۔ پھر کیونکر
کام چلے۔ اب نتیجہ اس غفلت کا جس کا خدا نخواستہ خوف جلد ظاہر ہونے کا ہی اور حق تعالیٰ
سے یہ دعا ہی کہ وہ مقلب القلوب آپکے دل کو واہیات بیہودہ کاموں سے پھیر دے اور ریاست
کے کام پر رجوع کرے۔ اگر خدا نخواستہ یہی حالت رہی اور باوصف ایسے ایسے صاف صاف
عرض کرنے کے بھی آپ کو اس غفلت سے ہوشیاری نہ ہوئی تو بے شک آپ کی ریاست
سپرنٹنڈنٹی ہو جائیگی اور تنخواہ آپ کی بقدر ضرورت مقرر کر دی جائیگی پھر ایک پیسہ کا بھی آپ کو
ریاست میں اختیار نہ رہے گا اور تمام جہان میں آپ کی بدنامی ہوگی اور سب مصاحب اور
متوسل آپکے جدا کر دیے جائینگے اور آپکے پاس نہ آنے پائینگے۔ اور وہ خود بھی بوجہ بے اختیاری
آپ کے نزدیک نہ آئینگے نہ اس قدر بگھیاں اور گھوڑے اور جانور رکھنے کی گنجائش ہوگی اور
نہ راڑ ہی اور نہ جنگل کی یہ حفاظت رہیگی۔ آپکے دشمن بدخواہ جو اب دوست معلوم ہوتے ہیں
اور آپ کو زیادہ غفلت میں ڈال دیتے ہیں وہ ہی خوش ہو کر آپ پر طعنے تشنیع کریں گے
اور خیر خواہ دوست جن کا اب بھی دل جل رہا ہی تباہ ہو کر اور زیادہ رنج و غم میں مبتلا ہونگے
کسی کا کچھ نہ بگڑے گا آپ ہی کا نقصان ہوگا۔ ابھی ان خرابیوں کی اصلاح ہو سکتی ہی اگر آپ کو
منظور ہو اور آپ مستعد ہو جائیں تو تدارک اس کا آسان ہی۔ پھر چند روز میں کوئی تدبیر
نہ ہو سکے گی۔ صورت اصلاح یہ ہی کہ آپ سے شراب چھوڑ دینے کی بالکل توقع نہیں رہی۔ یہ ہی
شراب ان سب خرابیوں کی جڑ ہی اور تمام نقصانات دینی و دنیوی و جانی و مالی اس سے پیدا
ہوتے ہیں نہ آپ سے یہ ہو سکیگا کہ تھوڑی مقدار میں پیئں تاکہ بڑے بڑے نقصان نہ ہوں تو
لہذا اب آپ یہ تدبیر کریں کہ اپنی طرف سے کوئی کامدار ہوشیار دیانت دار مستعد دیانتدار

رعب والا خوب سوچ سمجھکر مقرر کردیں اور ایجنٹ صاحب بہادر کو بھی اس کی اطلاع کردیں اور اس کو پورے پورے اختیارات دیں کہ وہ سب خرابیوں کی اصلاح و انتظام باختیار خود کرسکے اور چند روز تک آپ کسی کا شکوہ و شکایت اس کے خلاف بلاتحقیق و ثبوت کے نہ سنیں اور جس کام میں آپ کو شک ہو اس کو پہلے خود اسی سے تحقیق و دریافت کرلیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند معتبر پنچ مقرر کرکے انتظام ریاست ان کے سپرد کردیں اور اس کی اطلاع بھی ایجنٹ صاحب بہادر کو کردیں۔ تیسری یہ ہے کہ ایجنٹ صاحب بہادر ہی سے درخواست کرکے مثل ریاست مقصود گڑھ کے آپ ایک متدین و کارگزار طلب فرماکر مقرر کردیں مگر یہ صورت آخر اول دونوں صورتوں سے ناقص ہے مگر سپرنٹنڈنٹ کے مقرر ہونے سے یہ بھی اچھی ہے۔ ان صورتوں سے جو منظور ہو اس کی تدبیر کبھی احقر سے دریافت فرماکر کارروائی کریں اور ابھی اس کو کسی پر ظاہر نہ کریں ورنہ بہت خرابیاں پڑجائینگی اور کچھ نہ ہوسکے گا۔ اگر جلد ان صورتوں سے کچھ کرنا منظور ہو تو فبہا ورنہ راقم کو بھی رخصت فرماویں کہ خدانخواستہ جو کچھ خرابی واقع ہوگی اس میں آپکے سب مصاحب اور معزز ملازم بدنام ہونگے کہ سب نالائق تھے کہ رئیس کو خوشامد سے غفلت میں رکھا اور آگاہ نہ کیا اور اپنے فائدہ کے لئے ریاست کو تباہ کیا یہ بدنامی مجکو منظور نہیں۔ دیگر عرض یہ ہے کہ ابھی اخبار میں کچھ حال ریاست بجادل پور چھپ کر آیا ہے وہ بعینہ مطابق حال ریاست نرسنگ گڑھ کے ہی اس کو بھی سرکار ضرور بغور سن لیں اور اسپیچ رزیڈنٹ صاحب بہادر کی جو بوقت رخصت صاحب محتشم الیہ نے دربار میں پڑھی تھی اس کو بھی سماعت فرماویں"

حکیم صاحب نے ازراہ دور اندیشی و دل سوزی تاامکان راجہ صاحب کی فہمایش اور ریاست کی بہبودی کے متعلق اپنی طرف کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھی مگر راجہ صاحب بادۂ عیش

میں ایسے سرشار ہوئے کہ معاملات ملکی سے بالکل غافل ہو گئے۔ ہزار جگایا نہ چونکے۔ کثرت نشہ سے ریاست پر عام غفلت چھائی ہوئی تھی اور روز بروز خرابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اگرچہ حکیم صاحب کے حسب صلاح ایک نائب ریاست بطور خود راجہ صاحب نے مقرر کیا مگر اپنی وہی حالت رہی درحقیقت جب تک خود رئیس بذات خاص بیداری نہ اختیار کرے یا کسی لائق دیانت دار منتظم شخص کو اپنی طرف سے مختار مطلق نہ کردے کام نہیں چل سکتا۔ جب بدنظمی اور خرابی کی خبر حکام کو پہنچی تو انھوں نے ریاست میں سپرنٹنڈنٹ مقرر کرنے کی تجویز ظاہر کی۔ مگر حکیم صاحب نے سیہور جاکر ایجنٹ صاحب بہادر کو حسن تقریر سے راضی کیا اور راجہ صاحب کی طرف سے اطمینان دلایا چنانچہ وہ کارروائی چندے رک گئی۔ مگر وہاں کی لا علاج غفلت سے مایوس ہو کر اپنی علٰحدگی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس دوران میں روز بروز بدنظمی کی تاریک بڑھنے لگی اور اس مصرع کے مصداق

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کل یوم بتر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے قائم ہو گیا حکیم صاحب نے وہاں کی کیفیت اپنے بعض خطوط میں جو میر حبیب اللہ صاحب کو بھیجے تھے لکھی ہے وہ حکیم صاحب کے دستخطی خطوط ہمارے پیش نظر ہیں۔

نقل خط حکیم صاحب متعلق حالات ریاست نرسنگہ گڑھ بنام میر حبیب اللہ صاحب

جناب برادر صاحب مخدوم و مطاع فدویان دام مجدکم۔ بعد تسلیمات و آرزوے حضوری عرض ہے چند قطعات نوازش نامجات شرف ورود لائے باعث سرفرازی ہوئے۔ احقر بغرض درستی سوکار سیہور گیا تھا۔ ۱۷ ذی الحجہ کو بعد پندرہ یوم کے میں واپس آگیا۔ یہاں کی ابتری روز افزوں ہے۔ کئی روز ہوئے میں نے ایک مسودہ استعفٰے کا لکھکر منشی جواہر لال صاحب

کو دیا ہے کہ سرکار کو سنا دیں۔ اس کا کچھ حال زبانی سرکار سے بیان بھی ہو چکا مگر ابھی تک اس استعفے کے پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ روانگی کا مصمم ارادہ ہے۔ استعفا نہ منظور ہوا تو رخصت ہی مل جائے گی۔ مگر وقت روانگی ابھی مقرر نہیں ہو سکتا۔ قصد تو یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ یا اول محرم الحرام میں روانہ ہوں۔ سرکار کا قصد بھی سیہور جانے کا ہے عجب نہیں کہ کہیں کم سیہور سے چلے جانا۔ مجھے روانگی کی نہایت عجلت ہے۔ مگر مشیت الٰہیہ کا حال معلوم نہیں۔ آج کہ یوم چہارشنبہ تھا راجہ صاحب کو جاڑے سے بخار آ گیا ورنہ قصد تھا کہ امروز فردا میں اجازت روانگی حاصل کر کے بعد عاشورا تاریخ روانگی مقرر کر دیتا اب جس وقت حق تعالیٰ کو منظور ہے صورت روانگی ہو گی۔ یہاں آج کل جدید انتظام ہوا ہے۔ راجہ صاحب نے ایجنٹ صاحب بہادر سے مخفی ایک اہلکار طلب کیا تھا چنانچہ ایک صاحب مولوی کرامت حسین[1] صاحب امامیہ مذہب ساکن لکھنو۔ علاقہ نواب گنج بارہ بنکی مقرر کئے گئے دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ ہوئی آدمی ہوشیار و کارگزار ہیں۔ انتظام جدید بطریق انگریزی شروع کیا ہے۔ غرہ محرم الحرام سے دیوانی ریاست یعنی نیابت کا کام ہاتھ میں لے لیا ہے۔ راجہ صاحب نے اپنے سر کا بوجھ ٹالا دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔ ابھی تو راجہ صاحب بہادر کی مرضی کے مطابق کام ہوتا ہے۔ میں نے بوجوہ چند عرصہ یک ماہ سے استعفا دیدیا ہے مگر راجہ صاحب بہادر اس کو ٹالتے ہیں مضمون

---

[1] مولوی صاحب ممدوح کی ملازمت کا یہ ابتدائی زمانہ ہے آپ اپنی قابلیت و کارگزاری سے ترقی کر کے ہائیکورٹ کی ججی پر فائز ہوئے اور جب اس جلیل القدر منصب سے رٹائر ہوئے تو بیرسٹری اختیار کی اور لکھنو میں بمقام قیصر باغ ایک مدرسہ نسواں جاری کیا تعلیم وغیرہ کی نگرانی بڑی سرگرمی سے اپنے ذمہ لی باعتبار خوش اخلاقی و قومی کاموں میں حصہ لینے کے ملک بھر میں شہرت و ناموری حاصل کی تھی صد حیف کہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء یوم پنجشنبہ کو دار فانی سے رہگرائے ملک بقا ہوئے ۱۲

اُس کا لوگوں کی زبانی سُن لیا مگر پڑھو اگر نہیں سُنا۔ بہر حال خدائے تعالیٰ اُن کے بخار کو دفع کر دے تو جس طرح ہو سکے منظوری استعفا یا بحصول رخصت روانگی کا ارادہ کروں۔ پھر بعد اس کے ایک دوسرے خط میں جس پر حکیم صاحب کی مہریں ثبت ہیں وہ لکھتے ہیں۔

فدوی کے آنے کا کچھ اعتبار نہیں معاملات یہاں کے ایسے ہیں کہ کسی امر کا تعین نہیں ہو سکتا راجہ صاحب و زرا ایسی تدبیریں کرتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں مگر تقدیر سے بچ جاتے ہیں اور پھر موت سے خائف بھی بے حد ہیں فدوی کے علاج کے معتقد بھی بہت زیادہ ہیں مگر اثر ان سب امور کا ظاہر نہیں ہوتا۔ مگر تلبکے اگر یہی حال ہے تو ایک دن دفعتہً مر جائینگے۔ اسی بدنامی کے اندیشے سے اکثر قصد کرتا ہوں کہ چلا آؤں مگر وہ یہ امر گوارا نہیں کرتے اس شعر پر ان کا عمل ہے ؎

زاہد کا دل نہ خاطرِ میخوار توڑیئے

سو بار توبہ کیجئے سو بار توڑیئے

ہزار روپیہ کی چٹھی کا پانچ ماہ سے حکم ہوا ہے کئی بار چٹھی لکھی گئی اور پھر گم ہو گئی مبلغ یک صد ہشتاد روپیہ آپ کو بھیجے گئے۔ انوار حسین خاں اور نادر کی رخصت اسی وجہ سے امروز فردا پہ ٹلتی رہی۔ نادر کو کبوتر لانے کی غرض سے بھیجا گیا تاکہ وہ انوار حسین خاں کو پہنچا بھی آوے اور نیز اپنی شادی کر آوے۔ مختار نامہ بنام مخدومی محمد امین خاں صاحب ملفوف عریضہ کرتا ہوں محمد امین خاں صاحب سے حال خسرح منی آرڈر تین سو پچاس اور دو سو روپیہ کا دریافت کر کے لکھ لیجئے بخدمت بزرگان تسلیمات و خوردان دعوات و باجباب سلام شوق پہنچے۔

راقم آثم فرزند علی عفی عنہ

ان خطوط کے مضمون سے ناظرین کو وہاں کے مفصل حالات کی تصدیق ہو جائیگی۔ با آخر

انھیں وجوہ سے حکیم صاحب نرسنگہ گڑھ سے وطن چلے اور وہاں کی ملازمت کا سلسلہ ترک کردیا۔ حکیم صاحب کے آنے کے بعد ۲۳ اپریل ۱۸۹۰ء کو راجہ صاحب ممدوح کا انتقال بھی ہوگیا اور وہاں کا حال دگرگوں ہوکر ریاست کورٹ ہوگئی۔ چونکہ راجہ پرتاب صاحب بہادر لاولد تھے بدیں وجہ راجہ صاحب کے چچا مہتاب سنگھ مالک قرار پائے۔ حکیم صاحب نرسنگہ گڑھ میں پانچ چھ برس نہایت شان و شوکت سے رہے۔ آپ کے ہمراہ حکیم سید عابد علی صاحب، حکیم سید امجد علی صاحب، حکیم خادم حسین خاں صاحب، مولوی انوار حسین صاحب بھی تھے یہ حضرات بغرض تعلیم حکیم صاحب کے ساتھ گئے تھے۔ ان سب کے حال پر حکیم صاحب شفقتِ مربیانہ اور احسانات بزرگانہ فرماتے رہے اور حکیم صاحب کے اعزہ و احبا میں میر سرفراز علی صاحب، سید محسن علی صاحب اور حاجی مصطفےٰ خاں، امانت خاں اور ملازمین وغیرہ ساتھ تھے۔ نرسنگہ گڑھ میں حکیم صاحب کی دو اچھی یادگاریں ہیں۔ ایک تو مسجد بنوانا۔ دوسرے پنڈت جواہر لال کا[1] مسلمان ہونا اور ان پر آپ کی ہم نشینی و صحبت کا اچھا اثر پڑنا۔ پنڈت صاحب موصوف حکیم صاحب کے سچے مخلص اور وہاں کے مشاہیر لوگوں میں تھے۔ ان کے حالات علمی جنتری و اخبار وغیرہ میں شائع ہوئے ہیں۔

لہ پنڈت جواہر لال کا نام جب وہ مشرف باسلام ہوئے منشی شیخ عبدالعزیز صاحب مقرر ہوا۔ ان کا رجحانِ طبیعت دین محمدی کی طرف ابتدا سے تھا کیونکہ ریاست راج گڑھ میں اسلام کے انوار پھیل چکے تھے۔ راجہ موتی لال صاحب بہادر والیِ راج گڑھ سنہ ۱۸۷۱ء میں مسلمان ہوئے تھے جن کے متعلق ویلر صاحب اپنی تاریخ یادگار دربار قیصری میں لکھتے ہیں کہ راجہ صاحب نے جب علانیہ دین محمدی اختیار کیا تو انھوں نے موروثی خطاب ترک کرکے نواب عبدالواسع خاں صاحب بہادر نام و خطاب گورنمنٹ سے حاصل کیا۔ مگر ان کے پوتے راجہ راوت بل بہادر اپنے قومی مذہب پر پھر گئے۔ منشی جواہر لال صاحب کے اولوالعزم و فخر خاندان ہونے کا پتا صرف اسی امر سے چلتا ہے کہ تقلید کے پھندوں کو توڑ کر تحقیق حق کی۔ پیشتر منشی صاحب راجہ پرتاب بہادر والیِ نرسنگہ گڑھ کے مصاحب ہوئے تھے راجہ

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ٦٧)

مسجد جو حکیم صاحب کی وجہ سے تیار ہوئی تھی اس کے متعلق جو روپیہ باقی رہا تھا وہ حکیم صاحب نے بعد چلے آنے کے بذریعہ ایجنٹی وصول کیا۔ اس کارروائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶) موصوف کے ساتھ انھوں نے بڑے بڑے خیر خواہی کے کام کئے اور راجہ صاحب نے ان پر رئیسانہ عنایتیں فرمائیں۔ راجہ صاحب کو بجے گڈھ کے تالاب میں کشتی سے گرنے کے وقت جب کہ وہ غرقاب ہوئے جاتے تھے جس جان نثاری سے آپ نے نکالا مشہور ہے۔ اس کے صلہ میں مہاراجہ صاحب نے ایک گراں بہا خلعت مرحمت کیا تھا۔ مہاراجہ جودھپور اور مہاراجہ نرسنگہ گڈھ کے مابین مراسم اور قرابت پیدا کرانے کے باعث بھی یہی ہوئے۔ مہاراجہ صاحب والی جودھپور نے دربار عام میں اپنے بھائی مہاراجہ کشور سنگھ کے ہاتھ سے طلائی کڑہ ان کو پہنوایا تھا۔ پنڈت صاحب بھاؤنی جھود ریگہ ڈپٹی پد ممتاز ہوئے اور پھر یہ ملازمت ترک کر دی۔ اصلی وطن آپ کا بھاونی ساگر تھا ان کے آبا و اجداد عہد قدیم سے نگم میں قلعہ بھوپال کے قلعہ دار رہے تھے۔ بعد انتقال مہاراجہ نرسنگہ گڈھ راجہ صاحب راج گڈھ نے ۱۹۲۰ء میں ان کو اپنے پاس بلایا اور نہایت قدر کی۔ پنڈت صاحب علم مجلسی میں طاق اور تہذیب و اخلاق میں شہرہ آفاق ہیں۔ والیان نرسنگ گڈھ و راج گڈھ سے اہل غرض کے لئے کلمۂ خیر کہنا ہمیشہ آپ کا شعار رہا۔ حکیم صاحب کو بڑی بے تکلفی اور محبت سے آپ خط لکھا کرتے تھے ایک خط جس میں انھوں نے کچھ اپنے حالات لکھے ہیں بضرورت روزگار حکیم صاحب کو تحریر کیا ہے اور حکیم صاحب نے اس کا جواب راقم سے لکھا کر منشی صاحب کو ارسال کیا تھا وہ درج ذیل ہے۔ نقل خط منشی شیخ عبدالعزیز صاحب عرف جواہر لال صاحب۔

مخدوم و مکرم معظم جناب حکیم سید فرزند علی صاحب دام الطافکم۔ بعد سلام مسنون الاسلام و اظہار شوق ملاقات مباہجت آیات خلاصہ مرام آنکہ الحمد للہ علیٰ احسانہ، عاصی مع الخیر و داعی بالخیر بدرگاہ مجیب الدعوات ہے۔ یہاں سخت حادثہ گزرا یعنی واقعہ ۲۹ جنوری سنہ حال کو حضور راوت بہادر والی راجگڈھ نے رحلت فرمائی گزارش نہیں کر سکتا کہ حضور ممدوح کے انتقال نے مجھے کس قدر صدمہ دیا۔ راجہ صاحب کے اخلاق و مروت و اوصاف نہ صرف میری تحریر سے معلوم ہو سکتے ہیں بلکہ مشہور خاص و عام ہیں۔ حضور ممدوح اپنے عہد میں بدرجہ غایت خلیق رحمدل رہے۔ بعد راجہ سری پرتاب سنگھ بہادر والی نرسنگ گڈھ کے جس قدردانی و عزت افزائی کے ساتھ حضور راوت صاحب بہادر نے نیازمند کو طلب فرما کر سرفراز فرمایا وہ بھی

(بقیہ حاشیہ برصفحہ ۶۸)

کے ثبوت میں درخواست وکیل ریاست نرسنگ گڑھ کی حاشیہ پر درج کردی گئی ہے۔
نرسنگ گڑھ با اختیار ریاست اور ممالک متوسط میں واقع ہے۔ راج گڑھ اور نرسنگ گڑھ دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷) آپ پر مخفی نہیں ہے۔ حضور کی شرفانوازی و فرط اخلاق اور میری نمک خواری نے اُن کی دائمی مفارقت پر مجھے از حد اشکباری کرائی سبب حد رنج دیا۔ ریاست میں دو حقدار ہیں حقیقی حقدار مہاراجہ بنے سنگھ صاحب جو راجہ راوت صاحب بہادر کے حقیقی چچا ہیں اور مجازی کنور جگناتھ سنگھ جن کو ولی عہد مقرر کیا ہے۔ صاحب والاشان پولیٹیکل ایجنٹ بہادر واقع ۲۲ ماہ حال کو رونق افروز ریاست ہوئے ان کے اجلاس میں یہ مراتب طے ہوئے۔ کنور جگناتھ سنگھ جی نے عقلمندی کو کام فرما کر نوشتہ حضور راوت صاحب بہادر کا ایجنٹ صاحب بہادر کے روبرو پیش کیا اور بیان فرمایا کہ اگرچہ وارث ریاست نے ریاست میرے نام تحریر کردی مگر یہ کاروائی راوت صاحب کی موجودگی اُن کے حقیقی چچا کے بہتر نہیں ہے اس واسطے میں بخوشی و رضامندی بلا اکراہ اس امر کو تحریر کئے دیتا ہوں کہ مہاراجہ بنے سنگھ بجائے میرے والد کے وارث ریاست قرار دیئے جائیں اور وہ مسند نشین ریاست ہوں اور میں محل کنور پدی کا وارث ہوں بعد مہاراجہ صاحب کے میں حقدار ریاست قرار دیا جاؤں اور اسی طرح دوسری تحریر مہاراجہ بنے سنگھ صاحب نے نسبت حقداری کنور پدی کے کنور جگناتھ سنگھ جی کو تحریر کردی اور ہر دو تحریرات کی تصدیق بخوشی تمام رانی صاحبات و نیز جملہ اخوان ریاست اور ارکین ریاست نے فرما دی ہنوز صاحب والاشان بنفس نفیس مقیم ریاست ہیں بالفعل تا صدر نشینی سپرنٹنڈنٹ صاحب نرسنگ گڑھ کو معمولی انتظام کرنے کے واسطے اجنٹی سے حکم ہوا ہے سپرنٹنڈنٹ صاحب موصوف بھی موجود ہیں صدر نشینی بعد مرور ایام دو ڈیڑھ ماہ کے بعد منظوری حضور وائسرائے کشور ہند کے ہو جائیگی۔ ہر چند کہ راوت صاحب بہادر سے زیادہ مہاراجہ بنے سنگھ قدر نیاز مند کی فرماتے تھے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۶۹)

[illegible]

یک جدی ریاستیں ہیں۔ راقم سے محترمی منشی عبد العلی صاحب والد مکرمی عبد الحکیم صاحب ڈپٹی کلکٹر بیان کرتے تھے کہ جب مجھ سے راجہ صاحب راج گڑھ سے ملاقات ہوئی اور حکیم سید فرزند علی صاحب کا تذکرہ آیا تو راجہ صاحب فرمانے لگے کہ حکیم صاحب ریاست میں شغل طبابت بلکہ نیابت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اکثر معاملات میں مشورہ و مداخلت سے حصہ لیتے اور بالطبع وہ مدبر واقع ہوئے ہیں۔

مہاراجہ صاحب کی تصویر اس کتاب میں شائع ہونے کے لئے ریاست نرسنگھ گڑھ سے راقم نے جو درخواست کی اُس کے جواب میں جو باقاعدہ تحریر آئی اُس کی نقل درج ذیل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٨) اور رانی صاحبات بھی نہایت شفقت سے پیش آتی ہیں مگر حضور راوت صاحب بہادر کے اشفاق شاہانہ نے جو نیاز مند پر مبذول تھے یاد کر کے مجھے یہاں کا رہنا ایک لمحہ شاق کر دیا۔ چوں کہ آپ میرے دیرینہ عنایت فرما مخدوم ہیں۔ لہذا بخدمت سامی مستدعی ہوں کہ آں صاحب کی سعی و کوشش سے ریاست بھوپال میں میرا سلسلہ ملازمت ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ ہمیشہ اہل ہنود کی ریاستوں میں خدا کی مشیت سے بسر ہوئی اگر آپ کی کوشش یا آپ کے اور احباب جو بھوپال میں ہیں ان کی توجہ سے میری تنخواہ مقررہ سے اگر کچھ کمی بھی ہو گئی تو میں وہاں کی ملازمت کو بوجہ اسلام کے پسند کرتا ہوں اور اب ان ریاستوں میں بوجہ نہ رہنے صاحبان قدر دان کے طبیعت بھی وحشت کرتی ہے۔ مجھے خدا کی ذات سے امید واثق ہے کہ اگر آپ بدل کوشاں ہونگے تو خداوند عالم آپ کی کوشش سے میرے حق میں نتیجہ نیک پیدا کرے گا۔ اگرچہ خدا نخواستہ میری ملازمت میں کوئی رخنہ نہیں تاہم مجھے راوت صاحب بہادر کی عدم موجودگی میں یہاں رہنا شاق گزرتا ہے اور ارادہ مصمم کر لیا ہے کہ خداوند ذوالجلال آپ کی سعی سے وہاں سلسلہ قائم کر دے تو بخدمت سامی حاضر ہوں۔ امید کہ بواپسی ڈاک نتیجہ و جواب سے سرفراز فرمائیے۔ برخورداران عبد الحمید و عبد المجید تسلیمات عرض کرتے ہیں۔ حاجی مصطفیٰ خاں کو سلام علیک کہہ دیجیے گا۔ زیادہ والسلام

راقم نیاز۔ عاصی محمد عبد العزیز عرف جواہر لال عفی عنہ راج گڑھ سنہ ۲؍۹ ۱ء مطابق ۳ شوال المکرم سنہ ۱۳۱۹ھ

نقل حکم باجلاس خان بہادر منشی عنایت حسین صاحب دیوان و وائس پریسیڈنٹ کانسل آف ریجنسی ریاست نرسنگہ گڑھ

متعلق درخواست محمد مظفر حسین خاں سلیمانی زمیندار و مورخ شاہ آباد در بارہ عطا فرمائے جانے ایک فوٹو مہاراجہ سر پرتاب سنگہ صاحب بہادر ڈی سی ایل والی ریاست نرسنگہ گڑھ پیش ہو کر حکم ہوا کہ درخواست کنندہ کو اطلاع دی جائے کہ کوئی ایسا فوٹو نہیں ہے جو دیا جا سکے۔

مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۲۳ء

حکیم صاحب کے معالجات

خانہ نشینی کے زمانہ میں حکیم صاحب جب بھوپال و نرسنگہ گڑھ سے چلے آئے تھے زیادہ تر مریضوں کے علاج میں مصروف رہا کرتے۔ ان کی خداداد شہرت کے باعث اکثر دوسرے شہروں کے مریض ان کے مکان پر آتے اور اس گرد و نواح کے روسا و تعلقہ دار بھی نہایت قدر سے بلاتے چنانچہ منجملہ دیگر امراء کے صاحبزادہ افتخار الامراء لطافت الملک محمد عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ سی ایس آئی کے جو والی ٹونک کے بھائی اور مدار المہام ریاست تھے اپنا خط بھیجکر بلایا اس کے مطابق حکیم صاحب ٹونک تشریف لے گئے تو صاحبزادہ موصوف نہایت لطف سے پیش آئے اور خاص اپنی کوٹھی میں حکیم صاحب کو ٹھہرایا اور رئیسانہ خاطر داشت فرمائی وہاں کی مدارات اور تکریم کے حالات خود حکیم صاحب نے اور آپ کے ہمراہی حاجی مصطفی خاں نے راقم سے بیان کئے جو خط صاحبزادہ ممدوح نے حکیم صاحب کے نام لکھا تھا اس کی نقل درج ذیل ہے۔

خط

نواب افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ حافظ محمد عبید اللہ خانصاحب بہادر فیروز جنگ سی ایس آئی وزیر اعظم ریاست ٹونک

مشفقی و مکرمی حکیم سید فرزند علی صاحب زید لطفہ - پس سلام مسنون بصد اشتیاق مقرون واضح خاطر عاطر باد - اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو فن طبابت میں ید بیضا عطا فرمایا ہی اس بات کو میں مدتوں سے سنتا ہوں - اس لئے مدت دراز سے میری دلی خواہش تھی کہ اپنا احوال آپ سے بیان کروں اور آپ کی تجویز کے مطابق علاج کروں لیکن بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ یہاں کے اطبا کے علاج سے میری طبیعت اصلاح پزیر ہوجاتی تھی مگر اندنوں طبیعت کا عجب رنگ ڈھنگ ہوگیا ہی کہ باوصف علاج گوناگوں اضمحلال طبیعت سے رفع نہیں ہوتا اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ براہ مہربانی یہاں قدم رنجہ فرمائیں اور بچشم خود میرا حال دیکھکر علاج کریں تو باعث شکر گزاری و احسان مندی ہوگا - ان دنوں سید سعید الدین احمد صاحب سے جو اتفاق ملاقات ہوا تو آپ کے مطب کا تفصیلی حال مجھے زیادہ تر معلوم ہوا - آپ تشریف آوری میں کچھ تامل نہ فرمائیں خانۂ بے تکلف سمجھکر مجھے رہین منت بنائیں فقط

مورخہ ۲۸ فروری ۱۸۹۲ء از ٹونک خاکسار محمد عبید اللہ عفی عنہ

فن طبابت سے طبیعت کو ایسی مناسبت تھی اور کافی تجربہ حاصل تھا کہ بعض جاں بلب مریض جو زندگی سے مایوس ہوچکے تھے حکیم صاحب کے علاج سے اچھے ہوگئے - حکیم صاحب کا اصول تھا کہ نسخہ کے اجزا کمیت و کیفیت مزاجی کے لحاظ سے ایسے مناسب تحریر کئے جائیں کہ اگر نفع نہ ہو تو نقصان بھی نہ پہنچائیں - جب تک مرض تشخیص نہ ہوتا ہرگز نسخہ تجویز نہ فرماتے - راقم کو ان کے اس اصول کی پابندی کا عینی مشاہدہ ہوتا رہا ہے -

حافظ صمصام علی صاحب تعلقہ دار گنڈارہ ضلع بہرائچ کے احشا میں کوئی زخم یا پھوڑا تھا اور اس کے ساتھ مختلف علاجوں سے متضاد شکایتیں بھی پیدا ہوگئی تھیں اور حالت بہت نازک تھی۔ اطبائے لکھنؤ بھی موجود تھے۔ حکیم صاحب بھی شاہ آباد سے بلائے گئے آپ نے اس خوبی و حذاقت سے علاج کیا کہ شافی مطلق نے آپکے ہاتھوں غسل صحت کرا دیا۔ اسی طرح چودھری محمد اعظم صاحب تعلقہ دار سندیلہ سے حکیم صاحب سے نہایت اتحاد تھا جب ان کے فرزند مولوی حسن جان صاحب بیمار ہوئے اور مرض نے طول کھینچا تو حکیم صاحب کو بلایا صرف آٹھ روز کے علاج میں وہ اس قابل ہوگئے کہ قیصر باغ سے تامدان پر ہوکر ہوا کھانے کے لئے جا سکے یہ دیکھ کر ڈاکٹر رام لال صاحب نے کہا کہ ایسی خراب حالت میں ان کا علاج واقعی حکیم صاحب آپ ہی کا حصہ تھا جس سے کسی متنفس کو انکار نہیں ہو سکتا۔

منشی رلے ہزاری لال صاحب سب جج ضلع ہردوئی کے بھتیجے کے متعلق حکیم صاحب خود بیان کرتے تھے کہ وہ لڑکا قریب مدقوق ہونے کے پہنچ گیا تھا مگر بفضلہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے خوب اچھا ہوا اور بال بال بچ گیا۔

اسی طرح منشی صفدر حسین خاں سب جج کے صاحبزادہ کے علاج میں لکھنؤ کے بعض لائق اطبا اور حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی، حکیم رمضان خاں بلگرامی سول سرجن ہردوئی غرضکہ بہت سے نامی معالج مجتمع ہوئے ہر شخص کو نسخہ لکھنے اور پیش قدمی کرنے میں تامل تھا حکیم صاحب نے بلا تردد نسخہ لکھا اور علاج شروع کیا۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان کی استعداد کامل ہو اور وہ اصول کے ساتھ اجزا تجویز کرے تو اس کو چاہے کیسا ہی بڑا مجمع ہو اظہار رائے میں خوف نہیں ہوتا یہی حالت حکیم صاحب کی تھی المختصر ان کا علاج حکیم صاحب ہی نے کیا اور کلک تقدیر نے صحت کا سارٹیفکٹ آپ ہی کے نام لکھا تھا۔

منشی مولا بخش صاحب سب جج صحت سے مایوس ہو چکے تھے وہ بھی حکیم صاحب کے علاج سے اچھے ہوئے اور ہمیشہ حکیم صاحب کے ممنون رہے بلکہ کان پور میں جب سب جج تھے تب بھی انھوں نے ایک عنایت نامہ بڑی محبت سے حکیم صاحب کے نام تحریر کیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ آج کل کونسل میں دین مہر کی تعداد معین ہونے کا مسئلہ پیش ہے مجھ سے بھی رائے دریافت کی گئی ہے اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے مجھے اس سے مطلع فرمائیے حکیم صاحب نے اس کا جواب راقم سے لکھا کر بھیجا تھا۔ مولوی سید علی صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کے ابتدائی مطب کے زمانہ میں دو مہلک امراض کے مریض لکھنؤ میں حکیم صاحب کے ہاتھ سے اچھے ہوتے ہیں نے دیکھے۔ ایک شخص مسمی کلو جس کو تپ دق کا مقدمہ شروع تھا اور دوسری مسماۃ مرادن ساکنہ محلہ سجان نگر جس کی روز بروز حالت ردی ہوتی جاتی تھی اور اس کا علاج لکھنؤ کے نامی اطبا کر چکے تھے اکثر اطبا نے حرارت تشخیص کی اور اس کا علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ در اصل احتباس طمث کا مزمن مرض لاحق ہو گیا تھا مشیت الٰہیہ نے اس کے مرض کی تشخیص اور صحت حکیم صاحب کے حصہ میں رکھی تھی جس پر لکھنؤ کے لائق اطبا نے حکیم صاحب کی تعریف کی۔

شاہ آباد اور اس کے قرب و جوار کے امرا و غربا میں ایسے کم لوگ ہونگے جنھوں نے حکیم صاحب کے علمی و ذاتی فیض سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ لکھنؤ میں ایک پمفلٹ حکیم صاحب کے بعض معالجات کے متعلق طبع ہو چکا ہے۔

قطب الدین خاں صاحب رئیس محلہ کھیڑہ جب سل کے مرض میں مبتلا ہوئے اور حکیم صاحب نے ان کا علاج کیا تو ایک مدت کے بعد بغرض تبدیل آب و ہوا اور نیز بعض امتحانات کی ضرورت سے ان کا لکھنؤ جانا مناسب سمجھا گیا۔ چنانچہ وہ شاہ آباد سے لکھنؤ تشریف لے گئے حکیم صاحب نے ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب کے نام جو اپنے فن میں بہت مشہور تھے ایک خط مولوی سید علی صاحب

کی معرفت بھیجا اُس میں لکھا تھا کہ خاں صاحب کی موجودہ قوت صرف ادویہ مقویہ اور اشربۂ مفرح سے برقرار ہے صرف ایک شق ناقص باقی رہ گئی ہے مگر مریض کو ملاحظہ کیجئے کہ ابھی وہ چل پھر سکتا ہے۔ لکھنؤ میں خاں صاحب نے حکیم عبدالعزیز صاحب کا علاج شروع کیا اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے خاں صاحب کا امتحان اور معائنہ کیا تو حکیم عبدالعزیز صاحب کے روبرو حکیم فرزند علی صاحب کی خوبی علاج اور ان کے اس رائے کی جو انھوں نے خط میں ڈاکٹر صاحب کو لکھی تھی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد خاں صاحب مسطور الصدر کی صحت و قوت لکھنؤ میں بالکل خراب ہوگئی اور وہ شاہ آباد واپس آئے اُس وقت کی آخری کوشش بھی حکیم صاحب کی واقف کاروں کو یاد ہوگی کہ صرف علاج کے زور پر ان میں قوت باقی تھی۔

نواب احتشام الملک عالی جاہ سلطان دولھا بہادر کا حکیم صاحب کو بُلوانا

جب نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بھوپال کی صاحبزادی آصف جہاں سخت بیمار ہوئیں اور وہاں کے اطبا کے علاج سے صحت کے آثار نہ ظاہر ہوئے تو نواب سلطان دولھا بہادر نے اپنے ایک مصاحب عاقل خاں کو حکیم صاحب کے بلانے کو شاہ آباد بھیجا۔ حکیم صاحب حسب الطلب بھوپال تشریف لے گئے۔ اس علاج میں نواب صاحب ممدوح نے ہندوستان کے نامی گرامی اطبا بلاکر جمع کئے تھے معرکہ آرا علاج تھا دہلی سے حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں لکھنؤ سے ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب وغیرہ آئے تھے تشخیص مرض اور تجویز نسخہ جات میں خوب علمی مباحثے ہوئے حاذق الملک مرحوم نے عرق بہ نجا سف جو اپنے ساتھ لائے تھے

صاحبزادی کو دینا چاہا حکیم صاحب نے اختلاف کیا اور کہا کہ صاحبزادی کا مزاج حار ہے اور عرق کا نسخہ گرم ہے۔ ہم یونانیوں کے یہاں علاج بالضد ہوتا ہے۔ لہذا اس عرق کا دینا نامناسب ہے اس پر حکیم نور الحسن صاحب جو حاذق الملک کے شاگرد اور بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی کے ملازم تھے اس عرق کے دینے پر مصر ہوئے۔ اختلاف پر بحث چھڑ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نسخہ کا اوسط نکالا جائے چنانچہ اجزا کے خواص کی جانچ کی گئی۔ اجزائے حار اجزائے بارد پر غالب نکلے مگر جب بھی فریق ثانی کے اصرار سے اس عرق کا استعمال کرایا گیا تو مضر ثابت ہوا۔ بعد ازاں جو حضرات باہر سے بلائے گئے تھے رخصت کر دیئے گئے اور علاج تنہا حکیم صاحب کے ہاتھ میں دیا گیا۔ حکیم صاحب نے بڑی حذاقت و لیاقت سے علاج کیا اور مارالجبن اور دیگر تدابیر سے نہایت نفع ہوا آخر کار شافی مطلق نے صاحبزادی کو صحت عطا کی اور حکیم صاحب خلعت بیش بہا اور زر کثیر سے سرفراز فرمائے گئے اس موقع پر چھ ماہ کے قریب بھوپال میں رہ کر حکیم صاحب اپنے وطن شاہ آباد میں واپس آئے۔ دوسری برس صاحبزادی پھر کچھ بیمار ہوئیں جس کے متعلق حکیم نور الحسن صاحب طبیب ڈیوڑھی خاص نے حسب الحکم جناب بیگم صاحبہ حکیم صاحب کو اطلاعاً یہ خط بھیجا تھا۔

نقل خط متعلق علالت صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ

مکرم و معظم ذو المجد و الکرم جناب حکیم سید فرزند علی صاحب زاد الطافہم۔ بعد سلام مسنون

لہ خود حکیم صاحب نے صاحبزادی آصف جہاں کے علاج کا مفصل قصہ حاجی شیخ افضل علی صاحب سب جج سے راقم کے روبرو بیان کیا تھا اور تزک سلطانی کے صفحہ ۳۲۲ میں بیگم صاحبہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حکیم عبد المجید خاں صاحب ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس پر دہلی سے اور ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب کو پانسو روپیہ روزانہ فیس پر لکھنؤ سے بلوایا تھا۔ صرف ڈاکٹر صاحب ممدوح کو تین ہزار روپیہ فیس اور دو ہزار انعام میں دیا گیا۔ ۱۲

خلاصہ آنکہ کمترین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے اور خیر و عافیت آں جناب نیک مستدعی۔ صحیفہ والا موسومہ سرکار والا اقتدار مرسلہ جناب پہنچا حال معلوم ہوا۔ عرصہ پندرہ روز کا ہوا سرکار نے کمترین سے ارشاد فرمایا تھا کہ تو حکیم صاحب کو ہماری طرف سے جواب خط میں بیا آصف جہاں بیگم صاحبہ سلمہا کا حال لکھکر بھیجدے۔ بوجہ رمضان المبارک اور مریضوں کی کثرت کے نوبت جواب لکھنے کی نہیں آئی۔ معاف فرمائیے گا۔ اب کی سال بیا صاحبہ کے مزاج کی یہ کیفیت رہی کہ وسط موسم سرما میں بوجہ نہانے وغیرہ کے زکام شروع ہوا۔ تھوڑے دنوں تک زکام رہا کبھی بند کبھی جاری۔ اس عرصہ میں کوئی دوا نہیں دی گئی۔ اس کے بعد کھانسی و بخار شروع ہوگیا۔ تین روز کے بعد یونانی علاج شروع ہوا اس سے بخار میں کمی ہوگئی۔ مگر اختلاج قلب کی بہت شدت رہی قبض بھی تھا۔ تلیین دیا گیا اس سے بخار میں تخفیف ہوگئی دوسرا تلیین بھی دو چار روز کے بعد دیا گیا اس سے اختلاج قلب کی کمی ہوگئی۔ بخار بالکل جاتا رہا قدرے حرارت اور کھانسی باقی رہی اس کے بعد علاج ڈاکٹری شروع ہوگیا۔ صحت تو ہوگئی تھی یونانی علاج سے مگر بوجہ تلون مزاج کے پانچ چھ روز علاج ڈاکٹر جوشی کا بھی ہوگیا۔ اب فضل الٰہی سے طبیعت اچھی ہے۔ ۱۶ شعبان سے سمردہ میں قیام ہے۔ کوئی دوا آج کل بوجہ صحت کے جاری نہیں ہے۔ چھوٹی سرکار دام اقبالہا اور جناب نواب سلطان دولہا صاحب بہادر و ہر دو صاحبزادگان و صاحبزادی[لے] صاحبہ دام اقبالہم کا سلام مسنون پہونچے فقط راقم آثم نور الحسن عفی عنہ ۱۰ شوال سنہ ۱۳۱۱ ہجری از سمردہ۔ کمترین کا سلام و نیاز دست بستہ قبول ہو

[لے] صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ اس صحت کے بعد پھر بیمار ہوئیں اور ۱۸ محرم سنہ ۱۳۱۲ ہجری کو چودہ برس کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو بعد وفات بڑی صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم صاحبہ کے یہ دوسرا افسوسناک داغ اٹھانا پڑا ان کے بعد ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال کی اولاد دختری میں کوئی صاحبزادی باقی نہیں رہی ۱۲

منشی مظفر علی صاحب و حاجی صاحب کو سلام پہنچے۔

حکیم صاحب کو سرکار بھوپال سے ہمیشہ قلبی تعلق رہا اور وہ نواب سلطان دولہا بہادر اور نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ رئیسہ موجودہ سے خط و کتابت رکھتے تھے۔ فصل انبہ میں اس نواح کے مشہور و معروف آم بھی تحفۃً بھیجا کرتے۔ من جانب ریاست بھی نہایت نوازش سے گرامی نامجات صادر ہوتے۔ اکثر خطوط حکیم صاحب نے راقم سے لکھا کر سرکار بھوپال کو بھیجے بعض مسودات اب تک پڑے ہوئے ہیں۔ ایک نیاز نامہ حکیم صاحب کا اور چند افتخار نامے نواب سلطان دولہا بہادر کے جو خاص نواب صاحب موصوف کی قلم کے لکھے ہوئے ہیں یہاں بطریق ثبوت درج کئے جاتے ہیں تاکہ معزز ناظرین کو آگاہی ہو کہ حکیم صاحب کا خلوص اور سرکار بھوپال کی رئیسانہ توجہ میں ایسی مضبوطی تھی کہ حکیم صاحب کے تاحین حیات استقلال کے ساتھ قائم رہی اور ان مراسم میں سرِ مو فرق نہ آیا۔

نیاز نامہ منجانب حکیم صاحب بخدمت جناب نواب صاحب بہادر

قدردان فیض بخش فیض رسان جناب نظیر الدولہ سلطان دولہا میاں احمد علی خاں صاحب بہادر دام اقبالہم

بعد تسلیم نیاز بکمال اشتیاق حضوری گزارش ہے کہ قطعہ عرضی بحضور سرکار دولت مدار ہمسلک عریضہ نیاز ارسال خدمت فیضدرجت ہے امید کہ عرضی مذکور روبکاری حضور عالیہ میں پیش فرمادی جائے۔ امسال اس نواح میں فصل انبہ نہایت کم بلکہ ہزار حصہ میں ایک حصہ بھی نہیں۔ اقل قلیل جو کسی درخت میں چند دانہ باقی رہے تھے وہ زمانۂ کمال پختگی تک اشجار میں نہیں رہ سکتے تھے اور بوجہ خامی و خرابی فصل کے ذائقہ اصلی پر

بھی نہ ہونگے۔ لہذا حسب دستور قدیم انبہ کہ نام ان کے لکھدیئے گئے ہیں ارسال خدمت فیضدرجت ہیں۔ اُمیدوار عنایت قدیمانہ سے ہے کہ شرف قبول سے مشرف وممتاز فرمائے جائیں ونوید اعتدال مزاج عالی حضور وسرکار فیض آثار وصاحبزادگان بلند اقبال دام اقبالہم سے احقر کو عزت امتیازی بخشی جائے۔ ازطرف حاجی مصطفےٰ خاں تسلیمات انشاء اللہ العزیز ہمراہ احقر حاضر ہونگے دعا ہائے ترقی دولت واقبال معروض ہے

عریضہ حکیم سید فرزند علی عفی عنہ از شاہ آباد

گرامی نامہ نواب سلطان ولیعہد صاحب بہادر بنام حکیم صاحب

مصدر اخلاق مجمع کمالات حکیم فرزند علی صاحب سلمہ

بعد سلام سنت الاسلام آنکہ آپ کا مہربانی نامہ مع یک قطعہ بلٹی اور اس کے ایک روز بعد پارسل انبہ وصول ہوکر باعث مسرت خاطر ہوا۔ خدا کا فضل ہے کہ ہم سب عافیت سے ہیں۔ میں نے آپ کا سلام بخدمت ولی عہد صاحبہ پہنچا دیا۔ فصل انبہ امسال یہاں بہت کم ہے بلکہ قریب الاختتام ہے۔ انبہ مرسلہ سامی بہت خوش ذائقہ اور مختلف قسم کے تھے اکثر اُن میں سے جب یہاں دو تین روز رہے اُس وقت کھانے کے قابل ہوئے۔ حاجی مصطفےٰ خاں درحقیقت اب بہت ضعیف ہوگئے ہونگے میں ان کے لئے بالعوض پنشن کے کچھ نقدی مقرر کردونگا جو ان کو وہیں ملتا رہے گا۔ آپ اُن سے کہدیجئے کہ وہ دعائے خیر سے فراموش نفرمائیں فقط والسلام مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۱۷ھ

الراقم

احمد علی خاں عفا عنہ

دیگر

مصدر اخلاق و منبع اشفاق حکیم سید فرزند علی صاحب زاد عنایتہ   بعد سلام سنت الاسلام
آنکہ خدا کا شکر ہے کہ ہم صحت و عافیت سے ہیں۔ آپ کے چند خطوط اس درمیان میں وصول ہوئے
بوجہ عدیم الفرصتی و افکار گوناگوں تحریر جواب سے قاصر رہا اس کی معذرت کرتا ہوں۔ آج
حاجی مصطفٰے خاں کی زبانی آپ کے فرزند لخت جگر کی رحلت کا حال سنکر سخت قلق ہوا۔ اس
پیرانہ سالی میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہوا اور یہ وہ درد غم ہے کہ اس کو
وہ ہی خوب جانتا ہے جس کو ایک آدھ بار اس کا تجربہ ہوچکا ہے۔ میں بجز اس کے اور کچھ نہیں لکھ سکتا
کہ آپ صبر و شکیبائی اختیار کیجئے اور بالعوض اس کے دنیا و آخرت میں نعم البدل کے امیدوار
رہے جب چھوٹی سرکار سے ذکر آیا تو صاحبہ موصوف کو بھی اس واقعہ کا سخت افسوس ہوا۔ فقط
مورخہ چہارم شوال ۱۳۱۲ھ   راقم احمد علی خاں عفی عنہ

ایضاً

مصدر و منبع اخلاق جناب حکیم فرزند علی صاحب سلمہ۔ بعد سلام علیک واضح رائے ہو کہ
بفضلہ تعالیٰ بہمہ وجوہ خیریت ہے اور امید ہے کہ آپ بھی ساتھ صحت و سلامتی کے ہونگے۔
اول آپ کا خط پہونچا بعد اس کے پارسل محمولہ انبہ موصول ہوا بعض انبہ کامل طور سے پختہ
ہوگئے تھے اور بعض میں کسی قدر خامی تھی انبہ سب قسم کے بہتر اور عمدہ تھے بالخصوص زعفران
اور بمبئی اور نایاب یہ ہر سہ بہت لذیذ اور خوش ذائقہ معلوم ہوئے جناب ولی عہد صاحب
نے نایاب کو زیادہ تر پسند فرمایا آپ کو دریافت ہوا ہوگا کہ یہاں سے حسب سررشتہ خط کتابت

ہوکر کارخانہ حکیم خادم حسین خاں صاحب سے قلمہائے انبہ طلب کی گئی ہیں۔ بیشتر ان میں بھی یہی انبہ تھے جو آپ نے ارسال فرمائے ہیں لیکن قلمہائے مذکور یہاں نہیں پہونچیں یقین ہو کہ امروز فردا میں داخل ہو جائیں فہرست کارخانہ انبہ میں اقسام بمبئی چند قسم کے تحریر ہیں یعنی ان کے درجے قائم کئے ہیں منجملہ ان کے یہ کون سی قسم اور نمبر کا بمبئی ہے جو آپ نے ارسال فرمایا وہ دریافت کرکے یا باعتبار اپنی معلومات کے اس سے مطلع فرمائیے۔ نواب عبداللطیف خاں صاحب سابق مدارالمہام ریاست نے چند بار کلکتہ کے انبہ میرے واسطے بھیجے وہ اس کے ہم شبیہ تھے۔ صرف اتنا فرق تھا کہ وہ اس سے کسی قدر شیریں زیادہ تھے اور صاحب موصوف کا یہ بیان تھا کہ کلکتہ میں یہ بمبئی مشہور ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ یہ اسی قسم کے ہیں کیونکہ خوشبو اور ذائقہ اور صورت و مقدار اور رنگ وغیرہ میں کسی قسم کا فرق نہیں شیرینی میں اگر کسی قدر ہو تو یہ بات قابل اعتبار نہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انبہ بوجہ کم پختہ ہونے کے اپنی اصلی شیرینی پر نہیں آتا۔ انبہ ہائے مرسلہ جناب میں چند انبہ ایسے بھی تھے کہ ان پر پرچہ نام کا نہ تھا ان میں ایک انبہ نہایت چھوٹا غالباً تخمی تھا نہایت خوش ذائقہ ہے اس کے نام سے مطلع فرمائیے اور یہ بھی تحریر کیجئے کہ کارخانہ حکیم خادم حسین خاں صاحب میں اس کی قلمیں تیار بھی ہیں یا نہیں اور وہ درج فہرست کیا گیا ہے یا نہیں۔ بجواب آپ کے سلام کے چھوٹی سرکار[۱] آپ کو سلام فرماتی ہیں اکثر اوقات آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ زیادہ والسلام

مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۰۳ھ الراقم

احمد علی خاں عفی عنہ

---

[۱] چھوٹی سرکار سے مراد نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کی ذات ہے جو اس وقت میں ولیۃ العہد تھیں اور نواب شاہجہان بیگم صاحبہ فرمانروا تھیں ان کو بڑی سرکار کہا جاتا تھا ۱۲

دوبارہ بھوپال تشریف لے جانا اور عہدہ افسر الاطبائی پر مقرر ہونا

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا مرض آکلہ میں مبتلا ہونا بذریعہ خطوط و اخبارات عرصہ سے سنا جاتا تھا مگر ۳ ربیع الاول ۱۳۱۹ ہجری کو یکایک بھوپال سے حکیم صاحب کے نام اس مضمون کا ایک خط آیا کہ بتاریخ ۲۹ صفر ۱۳۱۹ ہجری مطابق ۱۶ جون ۱۹۰۱ء دوپہر کے وقت نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیۂ ریاست بھوپال نے انتقال فرمایا اور مغرب کے وقت اپنے باغ نشاط افزا میں آغوشِ لحد کے سپرد کی گئیں۔ دفن کے وقت ایک ابر کا ٹکڑا جو فقط ان کے جنازے اور آس پاس کی زمین پر سایہ فگن تھا اور باغ کے حدود سے باہر سایہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ اس ابر سے باران رحمت کا نزول ہو رہا تھا جو ان کی مغفرت کی ایک نمایاں دلیل ہے۔ ایک جم غفیر جنازے کے ساتھ تھا جس میں پولیٹیکل ایجنٹ اور رزیڈنٹ صاحب بہادر بھی تھے۔ ولیہ عہد صاحبہ رئیسہ تسلیم ہوئیں اور تعزیت میں من جانب وائسرائے کشور ہند اس مضمون کا تار آیا کہ:

حضور وائسرائے گورنر جنرل کشور ہند کو باجلاس کونسل نہایت افسوس کے ساتھ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ۱۶ جون کو ہز ہائی نس نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیہ بھوپال رئیس ڈلاویہ اعظم طبقۂ اعلیٰ ستارۂ ہند و ممبر شاہنشاہی سلسلہ کردن آف انڈیا نے انتقال فرمایا۔ ان تینتیس برس کی مدت میں جو ان کے دورانِ حکمرانی میں صرف ہوئی انھوں نے اپنی نامور پیشرو نواب سکندر بیگم

ملے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کی عمر ۶۷ برس کی ہوئی کیونکہ ۶ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی ۱۲

صاحبہ کی رفتار اختیار کرکے پوری قابلیت سے قدم بقدم تقلید کی اور ملک کا انتظام نمایاں لیاقت و
کامیابی کے ساتھ کیا۔ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کا نام فیاضی اور رحمدلی میں مشہور ہے۔ انھوں
نے اپنے اس خاندان کی مسلسل وفاداری کو جو شاہنشاہی منافع کے لئے جوش اور سرگرمی
ظاہر کرنے میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ آشکارا اور برقرار رکھا۔ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کی وفات نے
رعایائے بھوپال کے سر سے ایک منصف مزاج رحمدل حکمران اٹھالیا اور تاج برطانیہ کا
ایک بڑا وفادار ماتحت دنیا سے اٹھ گیا۔

یہ خبر سنتے ہی حکیم صاحب نے بھوپال کے سفر کا تہیہ کر دیا۔ نواب سلطان جہ ولیعہد صاحب بہادر
کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ سرکار خلد مکان کی وفات کا حال سن کر جو صدمہ اس
قدیم دعاگو کو ہوا ہے بیان نہیں ہو سکتا۔ ارحم الراحمین اپنے فضل نامحدود سے ان کی مغفرت
کرے اور ولیۃ العہد یعنی رئیسہ حال کو صبر الجمیل ثواب کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ میری
جانب سے اس عرضی کو جو عریضہ ہذا کے ساتھ منسلک ہے سرکار عالیہ کی خدمت میں پیش کردیں
اور سلام مسنون کے بعد بالفاظ مناسب تعزیت بھی ادا فرما دیں۔ اس ترقی خواہ کا ارادہ
بضرورت ادائے مراسم تعزیت اور تہنیت عنقریب حاضری کا ہے۔ امید کہ نوید اعتدال مزاج
وہاج سے جواباً سرفراز فرمایا جاؤنگا۔

حکیم صاحب کے اس نیاز نامہ کے جواب میں نواب صاحب موصوف کی پیش گاہ سے اس
مضمون کا نوازش نامہ حکیم صاحب کے نام صادر ہوا کہ آپ کا خط اور ایک پارسل انبہ
حسب دستور قدیم پہنچا قلبی مسرت کا باعث ہوا۔ آپ کی جانب سے سرکار عالیہ کی خدمت میں
۱۳۱۹ھ سلام مع عرضی کے پہنچا کے اظہار تعزیت کر دیا گیا۔ صدر نشینی کی تاریخ ۱۷ ربیع الاول
قرار پائی ہے۔ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ملتے ہی اسٹیشن پر سواری کا انتظام کر دیا جائیگا۔

اس خط کے آنے کے بعد حکیم صاحب نے بذریعہ مولوی علاء الدین صاحب اپنی روانگی اور اسٹیشن پر پہنچنے کی تاریخ سے نواب صاحب بہادر کو اطلاع کر دی اور اسٹیشن شاہ آباد سے ڈاک گاڑی میں سوار ہو کر بھوپال روانہ ہوئے۔ اسٹیشن سندیلہ پر ڈپٹی ظہیر حسن صاحب بلگرامی جو شاہ آباد میں تحصیلدار رہ چکے تھے حکیم صاحب سے ملنے کو آئے اور باتیں کرتے رہے۔ جب گاڑی لکھنؤ پہنچی مولوی سید قمر الدین احمد صاحب داماد نواب منصرم الدولہ اور مولوی سید علی صاحب ملاقات کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے بعد ازاں ٹرین کان پور کے اسٹیشن پر پہنچی تو حافظ ابو سعید خاں صاحب ناشتہ کا سامان لے کر آئے اور ملے۔ جھانسی کے اسٹیشن پر پہنچے ہی تو گاڑی میں شدت گرما سے تپش تھی مگر وہاں سے چل کر جب بینا کے اسٹیشن پر پہونچے تو ترشح ہو رہا تھا جس کی بدولت خنکی ہو گئی۔ ۹ بجے شب کو میل ٹرین اسٹیشن بھوپال پر پہنچی حکیم صاحب گاڑی سے اترے ہمراہیوں میں خان بہادر حکیم خادم حسین خان، راقم الحروف، حاجی مصطفےٰ خاں اور عزیز اللہ خدمتگار چار اشخاص تھے۔ مقصود خاں سوار جو ریاست کی طرف سے لینے کو آئے تھے مع پائیگاہ ریاست کی بگھی کے اسٹیشن پر حاضر تھے حکیم صاحب مع ہمراہیوں کے سوار ہو کر جائے قیام میں تشریف لے گئے بالا خانہ صدر المہامی آپ کے قیام کے لئے تجویز ہوا تھا وہاں پہنچکے قیام کیا۔ اسی وقت رات کو مولوی علاء الدین صاحب استاد نواب سلطان دولہا بہادر آکر بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ محمد احسن صاحب تحصیلدار نے جو تاریخ واقدی کے مترجم کی اولاد میں ہیں۔ بالا خانہ پر پلنگ بھیجوا ئے اور رات نہایت اطمینان سے بسر ہوئی۔ صبح کو ریاست کی طرف سے فرش و بستر وغیرہ کا سامان آیا اور پھر ہر روز دونوں وقت باورچی خانہ ریاست سے کھانا بھی آتا رہا۔ چونکہ جشن صدر نشینی عنقریب منعقد ہونیوالا تھا۔ نواب صاحب اس کے انتظام میں مصروف تھے۔ اس عدیم الفرصتی کی وجہ سے دو تین روز

کے بعد ملاقات کا ارادہ کیا گیا مولوی علاء الدین صاحب نے حکیم صاحب کا سلام نواب صاحب کو پہنچایا
اور نواب صاحب کی طرف سے آکر حکیم صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی دو تین روز کے بعد
مراسم صدر نشینی شروع ہوئے اور دس بجے حکیم صاحب مع ہمراہیاں شرکت دربار کی غرض
سے صدر منزل میں تشریف لے گئے جلسہ کی شان و شوکت قابل دید تھی۔ پہلے کرنل میڈ صاحب
رزیڈنٹ لال کوٹھی سے خلعت مسند نشینی لے کر بڑے شان و تجمل سے روانہ ہوئے۔ جلوس
میں امپیریل سروس کا خوشنما ترتب تھا۔ اس کے بعد ماہی مراتب و ستارہ ہند کے ہاتھی جن کے
آگے شہنائی نواز تھے۔ کچھ گھوڑے نقرئی طلائی ساز سے آراستہ تھے۔ کرنل صاحب نواب
سلطان دولہا بہادر ایک چوکڑی پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے مدار المہام ریاست مولوی عبد الجبار
خاں صاحب اور بخشی محمد حسن خاں صاحب نصرت جنگ تھے جو خیر مقدم کو گئے تھے۔ ان کے
علاوہ معزز یورپین اور ہندوستانی مہمانوں کا سلسلہ تھا۔ ایوان دربار کے قریب پہنچنے پر
بینڈ باجہ شروع ہوا اور مسند نشین کے پاس پہونچنے کے وقت سلامی سر ہوئی۔ نواب سلطان
جہان بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے رزیڈنٹ صاحب سے بڑھکر ہاتھ ملایا۔ بیگم صاحبہ اُس وقت
فاختئی رنگ کا بہت بیش قیمت برقع اوڑھے تھیں۔ کاندھوں پر اعلیٰ قسم کا قیمتی رومال تھا۔
سر پر تاج شہریاری چہرے پر سفید نقاب پڑا ہوا تھا۔ اب ویسرائے کشور ہند کا خریطہ پڑھا گیا
اور کرنل صاحب نے اُٹھکر سرکار عالیہ کے گلے میں مالائے مروارید پہنا دیا جس میں بیش بہا
جواہرات چمک رہے تھے۔ باقی سامان خلعت توشہ خانہ میں بھیجدیا گیا اور بیگم صاحبہ ممدوحہ کو
کرسی پر بٹھا کر رسم مسند نشینی تکمیل کو پہونچائی گئی پھر کرنل صاحب نے نہایت متانت کے
الفاظ میں نواب نظیر الدولہ سلطان دولہا بہادر شوہر رئیسہ کی تعریف فرما کر انھیں من جانب
گورنمنٹ ہند نواب احتشام الملک عالی جاہ احمد علی خاں بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا

کرنل میڈ صاحب نے انگریزی میں اس وقت جو موثر تقریر[1] کی اُس کا ترجمہ میر منشی رزیڈنسی نے اُردو میں حاضرین دربار کو سنایا۔ اس کے جواب میں بیگم صاحبہ نے ایک نہایت دلچسپ و فصیح تقریر فرمائی جس پر بیساختہ رزیڈنٹ صاحب کی زبان سے کلمات توصیف نکل گئے۔ اسی

لہ خلاصہ اسپیچ کرنل میڈ صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل بہادر، سنٹرل انڈیا۔ بیگم صاحبہ ہز مجسٹی شاہنشاہ عالم پناہ و حضور اکسلنسی وائسرائے گورنر جنرل قائم مقام ملک معظم نے انتہائے مسرت کے ساتھ آپ کی والدہ جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ جی سی ایس آئی و سی آئی والیۂ بھوپال کے بجائے آپ کی مسند نشینی کا سر دربار اعتراف کرنا منظور فرمایا ہے مجکو معلوم ہے کہ ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن بہادر بنفس نفیس آپ کو مسند نشین کرنا پسند فرماتے مگر افسوس ہے کہ حضور ممدوح کو بوجوہ ایسا کرنا ممکن نہ ہوا۔ آج میری مسرت یہاں موجود ہونے سے المضاعف ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ عنقریب ۳۳ سال پیشتر اسی طور پر میرے والد نے آپ کی والدہ مکرمہ کو مسند ریاست بھوپال پر متمکن کیا تھا اور ثانیاً اسی وجہ سے کہ میں اتنے برسوں تک بھوپال کا پولٹیکل ایجنٹ رہا ہوں۔ آپ سے اور آپ کے خاندانی اصحاب سے ذاتی واقفیت حاصل ہے۔ آج آپ اپنے بزرگوں کی مسند پر متمکن ہوتی ہیں۔ گو مجھے امید نہیں ہے کہ آپ کو دادِ شجاعت نمایاں کرنے کے اس قسم کے مواقع دستیاب ہو سکیں جیسے کہ آپ کے متقدمین سے بعض کو ملے ہیں یعنی وزیر محمد خاں صاحب کی طرح شہر پناہ بھوپال سے باغیوں کی یورش فرو کرنا یا مشہور زمان آپ کی نانی سکندر بیگم صاحبہ کی طرح خود لشکر کا ساتھ دینا جیسا کہ ۱۸۵۷ء کے مفسدۂ عظیم میں انھوں نے کیا۔ تاہم ریاست کی حکمرانی میں آپ کو ایک وسیع میدان آن نیک اوصاف کے کام میں لانے کا دستیاب ہوگا جو میں خیال کرتا ہوں آپ کو اپنے متقدمین سے ملے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں قحط اور وبا سے آپ کی ریاست کو سخت صدمہ پہنچا ہے یہ آپ کا حصہ ہوگا کہ مدبرانہ تدابیر سے اس آبادی کو پورا کر کے ریاست کے محاصل کو درست کرلیں۔ مگر میں بہت ہی زیادہ اس بات سے خوش ہوتا ہوں کہ سلطان دولہا احتشام الملک عالی جاہ نواب احمد علی خاں کی ذات جن کو میں بدل مبارکباد دیتا ہوں ایک ایسی مشیر و ممدلی ہے جن کا پختہ تجربہ حکمرانی ریاست میں آپ کی اعانت و رہنمائی کرتا رہے گا۔ گورنمنٹ عالیہ اور ریاست کے باہمی تعلقات میں وفاداری کے اُس بلند پایہ شہرہ کو جو آپ کو بزرگوں سے ورثہ ملا ہے خود بے داغ قائم رکھیں گی۔ میں آپ کو مسند نشینی پر بصمیم خلوص دل سے گورنمنٹ ہند اور میم صاحبات اور

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۶)

سلسلہ میں نواب سلطان دولہا بہادر نے اک مختصر و پر مغز تقریر کی اور ایک سو ایک اشرفیاں گورنمنٹ کی نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد صاحبزادوں نے سرکار عالیہ کو نذریں دکھلائیں پھر مدارالمہام صاحب اور بخشی صاحب نے یہ سب نذریں قبول ہوئیں اور بیگم صاحبہ نے صاحب ایجنٹ گورنر جنرل اور صاحب پولیٹکل ایجنٹ کا عطر و پان کیا اور معزز یورپین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵) انگریز صاحبان موجودہ دربار کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے بدل مبارک دیتا ہوں۔ اور ہم سب کی تمنا ہے کہ انشاء اللہ آپ کامیاب اور اقبال مند رئیسہ ہوں۔ خدا کرے قدسیہ بیگم کی طرح آپ عمر دراز پائیں اور شہرت و اقبال مندی میں نواب سکندر بیگم اور شاہجہاں بیگم کی ہمپایہ ہوں۔

(اسپیچ جناب نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج الہند والیہ ریاست بھوپال بروز صدر نشینی مورخہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۹ ہجری مطابق ۴ جولائی ۱۹۰۱ء)

جناب آنریبل کرنل میڈ صاحب و لیڈی صاحبات و صاحبان! میں خیال کرتی ہوں کہ یہ امر نامو زوں نہ ہوگا کہ میں آغاز کلام میں اس رنج و افسوس کا اظہار کروں جو میری والدہ ماجدہ کے انتقال سے نہ صرف مجھے بلکہ تمام رعایائے بھوپال کو پہنچا ہے جو ان کے فیض عام کی ایک عرصہ سے خوگر تھی۔ صاحبہ مغفورہ کے عہد حکومت میں بہت سے کام ریاست میں ایسے ہوئے جو برٹش گورنمنٹ کی وفاداری و جاں نثاری پر مبنی تھے۔ خدا ہم کو صبر اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ میں تہ دل سے شہنشاہ انگلستان و ہندوستان کی قدر دانی و حق شناسی و حضور وائسرائے کشور ہند کی ممنون و مشکور ہوں کہ آج مجھے یہ اعزاز و افتخار حاصل ہوا ہے۔ صاحبان دربار اس بات کے تسلیم کرنے میں انکار نہیں ہو سکتا کہ مجھ میں اُن ذاتوں کا خون شریک ہے کہ جن کا تمام حصہ حیات نیک نامی اور تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری و جان نثاری میں گزرا ہے۔ پس خاندانی اقتضا سے مجھے اس سے زیادہ کوئی امر عزیز نہیں ہو سکتا کہ میں بھی وہی روش و طریق اختیار کروں جو طریق میرے اسلاف و بزرگوں کا ہے۔ آنریبل کرنل میڈ صاحب میں صرف آپ کی نصیحت آمیز کلمات ہی کا شکریہ نہیں ادا کرتی ہوں بلکہ اس بات پر مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ جس طرح سر رچرڈ میڈ نے ۱۸۶۸ء میں میری والدہ خلد مکان کو صدر نشین کیا تھا اُسی طرح

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۷)

مہمانوں کا عطر و پان مدارالمہام صاحب نے کیا بارہ بجے دن کے یہ رسم ختم ہوئی اور توپ خانہ سے سلامی سر ہونے لگی چھ سات سو درباری اشخاص کا مجمع تھا جس میں جاگیردار، عمائد اہل قلم، صاحب علم، منصبدار، ذی عزت اشخاص شریک تھے ناظرین کی دلچسپی کے لئے تقریروں کا ترجمہ حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بیگم صاحبہ ممدوحہ فی زمانہ با اعتبار اپنی قابلیت و خوش انتظامی کے سلف کی نامور ذی لیاقت شہزادیوں کی زندہ نظیر ہیں۔ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء یوم جمعہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) آج آپ نے اس محفل کو رونق بخشی جسے میں ایک فال نیک سمجھتی ہوں۔ میں آپ کے اس ارشاد کو شکریہ کے ساتھ تسلیم کرتی ہوں کہ جو دربارہ نواب احتشام الملک عالی جاہ کے آپ نے مجھے توجہ دلائی ہے۔ نواب صاحب موصوف بے شک میرے پورے ہمدرد ہیں جنہوں نے کامیابی کے ساتھ ۲۷ برس میری رفاقت کی ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ ان کی اعانت و امداد اور وزیر صاحب بہادر ریاست کی سچی وفاداری ہر کام میں میرے لئے رہنما ہوگی۔ مالی حالت ریاست کی بوجوہ چند در چند نہایت قابل توجہ ہے اور رعایا میں افلاس و نادہندی سرایت کر گئی ہے۔ اگرچہ اس میں مجھے بہت سے مشکلات کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ افتادہ زمین کا از سر نو آباد ہونا خصوصاً ایسی حالت میں کہ تقریباً ایک ثلث مردم شماری کی گھٹ گئی ہو بالضرور ایک اہم کام ہے مگر جس احکم الحاکمین نے اپنے ملک اور اپنی مخلوق کی حفاظت میرے سپرد کی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہر کام میں میرا معین و مددگار ہوگا۔

اب میں حضور ویسرائے کشور ہند اور آپ اور اپنے شفیق مسٹر لنگ صاحب بہادر جن سے مجھے ہر طرح کی امید ہے اور مسٹر میڈ و دیگر حاضرین دربار کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ خداوند کریم مجھے اور میری اولاد کو برٹش گورنمنٹ کی خیر خواہی و وفاداری اور رعایا کی بہبودی و فلاح جوئی میں ثابت قدم رکھے اور باہم میرے اور میری رعایا اور ملازمین کے رشتہ ہمدردی مستحکم و مضبوط ہوں۔ آمین۔ فقط۔

نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند فرمانروائے بھوپال سے خاکسار نے ہمکلامی کا اعزاز حاصل کیا تھا در حقیقت آپ کی گفتگو سے نہایت متانت و سنجیدگی اور ہر فقرہ سے اعلیٰ معلومات کا ثبوت ملتا ہے۔ بات سنتے ہی معاملہ کی تہ کو پہنچ جاتی ہیں۔ چونکہ جناب ممدوحہ نے اپنی کتاب اختر الاقبال میں قدم رسولؐ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ میں نے قسطنطنیہ جا کر سلطان المعظم کے یہاں تبرکات میں اس کی زیارت کی ہے۔ احقر کو اس مسئلہ میں تحقیق کرنا تھا چنانچہ جب اس کے بابت دریافت کیا تو آپ نے شرح و بسط سے حالات بیان کر کے اطمینان دلایا کہ حضور سرور عالم کا یہ قدم مبارک نہایت صحیح و مستند ہے اس کے بعد سر مولوی اسرار حسن خاں صاحب نصیر المہام نے عرض کیا کہ سرکار عالیہ! ان مصنف کو نواب عالی جاہ سلطان دولہا بہادر سے بہت خلوص ہے یہ اُن سے اکثر ملے ہیں کل یہ نواب صاحب جنت آرامگاہ کے مزار پر حاضر ہوئے تھے ان کی وفات کے متعلق ایک قطعہ خوب لکھا ہے اس کو پڑھوا کر سُنئے۔ بیگم صاحبہ نے یہ سُنکر پڑھنے کے بابت ارشاد فرمایا۔ خاکسار نے قطعہ تاریخ سنایا۔ اکثر شعروں پر تحسین فرماتی رہیں اور مادہ تاریخ کو جو آخر مصرع میں تھا بہت پسند فرمایا۔ بعد ازاں خاکسار نے اپنی ناچیز تصانیف میں سے ایک کتاب پیش کی جس کو قبول فرمایا۔

۲۸ دسمبر ۱۹۲۲ء کو محمڈن کالج علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کی طرف سے اسناد فضیلت کی تقسیم کا شاندار جلسہ تھا ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھی حسب دعوت تشریف لائیں اور بحیثیت چانسلر ہونے کے آپ نے خطبہ صدارت پڑھا وہ ایسا فصیح و بلیغ تھا کہ ہر شخص گوش دل سے سُن رہا تھا۔ اسٹریچی ہال کے در و دیوار پر حیرت چھا گئی اور ہر طرف سے خوبی تقریر پر صدائے توصیف بلند ہوئی اکثر مشاہیر قوم اُس وقت موجود تھے مجمع وسیع پیمانہ پر تھا راقم کا عینی مشاہدہ ہے۔

علمی مشاغل اور قومی کاموں میں حصہ لینے سے اکثر عمائد آپ کو فخر قوم کے لقب سے مخاطب کرتے ہیں۔

علوم و فنون سے طبعی مناسبت اور تصنیف و تالیف سے آپ کو خاص دلچسپی ہے سیر و سیاحت کا دائرہ بھی وسیع ہے عرب و عجم کا سفر کر کے ہر ایک جگہ تشریف لے گئیں۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی حاضری بھی ادا کی۔ جارج پنجم کی تاجپوشی میں لندن جاکر شریک ہوئیں۔ وہاں ملکہ انگلستان سے ملیں قسطنطنیہ پہنچ کر سلطان المعظم اور سلطانہ بیگم سے ملاقات کی اور جناب رسالت مآب کے تبرکات کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ پیرس، مصر وغیرہ مشہور شہروں کی بھی سیر کی فارسی، انگریزی، اردو وغیرہ میں کافی استعداد ہے اور کئی زبانوں میں گفتگو کر سکتی ہیں اکثر موقعوں پر آیات قرآنی برمحل پڑھ دیتی ہیں جس سے مذہبی واقفیت اور عربی دانی کا پتا چلتا ہے آپ کے قلم کا صاد بھی خوشخط و پاکیزہ ہوا کرتا ہے۔ غیر ممالک کے علاوہ ہندوستان کے نامی مقامات بھی ملاحظہ کئے۔ کلکتہ، بمبئی وغیرہ برٹش درباروں میں دیکھے۔ حیدر آباد کا سفر کر کے اعلیٰ حضرت حضور نظام فرمانروائے دکن اور ان کی بیگمات سے ملاقاتیں کیں اور عثمانیہ یونیورسٹی اور تعلیم نسواں کے حالات دریافت کئے۔ گوالیار جاکر مہاراجہ صاحب کے جدید ملکی انتظامات اور مہارانیوں کے طرز معاشرت کو بغور ملاحظہ کیا۔ دھلی کے درباروں، الہ آباد کی نمائش میں اکثر موقعوں پر خود راقم الحروف نے جناب بیگم صاحبہ ممدوحہ کو رونق افروز دیکھا۔ آپ کی تصنیفات میں تزک سلطانی، گوہر اقبال، اختر اقبال، حیاتِ شاہجہانی، سفرنامہ حجاز، معیشت وغیرہ کے مطالعہ سے احقر نے استفادہ حاصل کیا۔ عفت المسلمات آپ کی تصنیفات میں مستورات کے لئے مفید و دلچسپ کتاب ہے جس میں دنیا کے مختلف حصوں کی اسلامی خواتین کے حالات بچشم خود دیکھکر تحریر فرمائے ہیں۔ غرضکہ آپ کی ہر ایک بات سے بیدار مغزی روشن خیالی کا

اظہار ہوتا ہے۔

مولانا محمد سعید صاحب مہاجر جیسے فاضل و ہنیدار نے مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی رودداد ۱۳۳۷ھ کے صفحہ ۲۴ پر راقم سے زیادہ اچھے الفاظ میں بیگم صاحبہ ممدوحہ کے اوصاف تحریر فرمائے ہیں۔

نواب احتشام الملک عالی جاہ بہادر سے حکیم صاحب کی ملاقات

دربار صدر نشینی کے دوسرے روز نواب سلطان دولہا بہادر نے حکیم صاحب کی ملاقات کے لیے شام کا وقت معین کیا تھا حکیم صاحب اس وقت مع حکیم خادم حسین خاں و حاجی مصطفےٰ خاں اور راقم الحروف کے ملنے کو گئے۔ ہمایوں منزل جو صدر منزل کے پہلو میں ایک مختصر خوشنما مکان ہے اس کے اندر نواب صاحب رونق افروز تھے۔ چوبدار نے اندر جا کر اطلاع کی اور نواب صاحب نے بلایا۔ اندر ایک سہ دری کے صحن میں چبوترے پر غالیچہ کا فرش تھا اس پر نواب صاحب بیٹھے تھے۔ ترکی کلاہ نیچا کرتا مشروع کا شرعی پاجامہ زیب تن تھا اور سامنے فاصلہ پر ایک فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ حکیم صاحب قریب سیڑھیوں کے پہونچے تو نواب صاحب نے کہا۔ آئیے حکیم صاحب آئیے حکیم صاحب یہ سنکر جلدی سے بڑھے اور نواب صاحب سے رسم سلام علیک ہوئی۔ نواب صاحب نہایت شگفتگی اور تپاک سے ملے حکیم صاحب نذر دکھا چکے اور ان سے مزاج پرسی ہو چکی تو حکیم خادم حسین خاں اور اس خاکسار کو مولوی علاء الدین صاحب نے پیش کیا اور ہم دونوں نے ایک ایک اشرفی اور چند روپیہ شامل کر کے نواب صاحب کو نذر دکھلائی جس کو نواب صاحب نے ہاتھ رکھکر قبول فرمایا۔ بعدہ حکیم صاحب اُٹھ

مولوی صاحب نے بالفاظ مناسب تعارف کرایا۔ نواب صاحب نے گلوریاں مرحمت فرمائیں اور اور حکیم صاحب سے بعد اشتیاق ملاقات اگلی باتیں چھیڑیں۔ سرکار خلد مکان کی مخالفت کے واقعات ریاست کے جدید انتظامات تخفیف ضروری کے معاملات کو اس طرح بیان کرتے رہے جس طرح کوئی اپنے بڑے خیر اندیش مشیر سے بیان کرتا ہے۔ حکیم صاحب بھی حسب موقع و محل جواب دیتے رہتے اس کے بعد حکیم صاحب نے ایک اشرفی جس پر کلمہ طیبہ منقوش تھا اور شاہان دہلی کے سکہ کی تھی نواب صاحب کے سامنے پیش کر کے عرض کیا کہ یہ اشرفی متبرک ہے میں نے نذر مانی تھی کہ جب ولیعہد صاحبہ مسند نشین ہونگی تو اسے ان کی نذر کروں گا۔ آپ سرکار عالیہ کی خدمت میں یہ اشرفی محل میں بھجوا دیجئے اور میرا سلام عرض کرا دیجئے۔ نواب صاحب نے ایک خادم کو بلا کر وہ اشرفی دی اور کہا کہ حکیم صاحب کی طرف سے سرکار کو یہ اشرفی دینا اور سلام کہنا۔ وہ خدمتگار صدر منزل کے اندر اشرفی لے کر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہنے لگا کہ سرکار عالیہ نے حکیم صاحب کے جواب میں سلام کہا ہے اور اشرفی قبول فرما کر رکھ لی۔ اس کے بعد کچھ اور باتیں رہیں اور جب زیادہ وقت گزر گیا تو حکیم صاحب رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ میں واپس آگئے۔

دوسری ملاقات

دوسرے تیسرے روز دوبارہ حکیم صاحب ملاقات کو تشریف لے گئے اور نواب سلطان دولہا بہادر اسی اخلاق سے پیش آئے۔ مختلف باتیں شروع ہوئیں۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ حکیم صاحب میں آج کل دن میں شاہجہان آباد چلا جاتا ہوں۔ اس شہر کو سرکار خلد مکان نے بنا بسایا ہے اور اس میں تاج محل نام ایک قصر بنوایا ہے۔ وہاں ڈیوڑھی خاص اور دیگر دفاتر کی درستی کے انتظامات میں مصروف رہا کرتا ہوں۔ پونے دو کرور روپیہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے فضول خرچ

کرڈالے۔ ان مصارف میں بعض رقوم کے اخراجات ایک ہی مد میں کئی کئی بار درج ہیں۔ ان کی تنقیح کرتا ہوں مثلاً منشی امیر احمد صاحب مینائی دوبار آئے پیشتر جب انھوں نے اپنا قصیدہ پیش کیا تو نواب عالمگیر محمد خاں کی معرفت دس ہزار روپیہ اور دوسری بار بارہ ہزار روپیہ دیئے گئے۔ کل بائیس ہزار روپیہ ہوتے یہ دو جگہ لکھے ہوئے اور قدر محمد خاں کی ولی عہدی قائم کرانے اور ولی عہد صاحبہ جو حقدار جائز تھیں ان کی ولی عہدی کی شکست میں لاکھوں روپئے درمیانی لوگوں نے اڑائے۔ مجکو بفضلہ ریاست سے کسی سامان کے لینے کی ضرورت نہیں۔ میری ڈیوڑھی میں خود کافی طور سے ہر ایک چیز موجود ہے۔ جس پر حکیم صاحب نے فرمایا بیشک آپ کی ذاتی لیاقت اور انتظامی قابلیت سے اس لاکھ سوا لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر میں ایسا عالی شان مکان اور پر فضا حیات افزا باغ تیار ہوا۔ اور ہر ایک قسم کا سامان بکثرت موجود ہے۔ واقعی آپ کا حسن انتظام ہر طرح تحسین کے قابل ہے۔ بعد ازاں نواب صاحب نے شاہجہان آباد کے دیکھنے کے متعلق فرمایا حکیم خادم حسین خاں نے بھوپال سے رخصت ہونے کی خواہش کی اور راقم نے صدر منزل وغیرہ کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اور گفتگو ختم ہوتے ہی حکیم صاحب رخصت ہو کر قیام گاہ کو واپس آگئے۔

اس کے دوسرے روز شاہجہان آباد کے محلات کی سیر دکھلانے کے لئے ایک عمدہ جوڑی پائیگاہ سے حکیم صاحب کے لینے کو آئی۔ حکیم صاحب مولوی علاء الدین صاحب اور یہ احقر تاج محل دیکھنے کو روانہ ہوئے۔ پہلے عالی منزل وغیرہ کو دیکھا۔ فی الواقع تاج محل کے اندر بہت نفیس مکانات بنوائے گئے ہیں۔ جن میں بعض مکانات کی آراستگی قابل دید تھی۔ ہر ایک قسم کا فرنیچر اعلیٰ درجہ کی تصویریں موجود تھیں۔ ایک طرف نواب شاہجہان بیگم اور مولوی صدیق حسن خاں کے فوٹو بھی آویزاں تھے۔ بے نظیر اور نشاط منزل کی چھت آئینہ دار اور اس کے صحن میں

فواروں کی قطار نہایت دل ربا معلوم ہوتی تھی بیگم صاحبہ خلد مکان کی سکونت کا دیوان خانہ جو خوش نما ساخت سے تیار کیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے ستونوں پر سنہرا کام کمال زیبائی سے بنایا گیا ہے۔ اس کے اندر ایک جلی خوش خط قطعہ آویزاں تھا جس کے مضامین حسرت ناک تھے اور قافیہ داغ دباغ تھا۔ مگر مسند غالیچے وغیرہ متفرق طور پر بے ترتیب پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف تالاب کا دل کش منظر اور اندرون صحن پر فضا باغ نصب تھا۔ وہاں حکیم صاحب کو دیکھکر قدیمی خادمہ گل چمن اور اس کے ساتھ بہت سی عورتیں جو رنگین ریشمی لباس پہنے تھیں دوڑیں اور حکیم صاحب سے اپنا حال زار کہنے لگیں۔ پھر ایک مریض بچہ کو لاکر دکھایا جس کو انھوں نے پالا تھا۔ یہ سب مکانات دیکھ کر حکیم صاحب کہنے لگے کہ واقعی سرکار خلد مکان نے اس ریاست کی حیثیت سے بہت زیادہ عمارت بنوائی۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے مٹیا برج میں جو پر تکلف مکانات بنوائے ان کو بھی میں نے دیکھا ہے یہ شان وشوکت میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کچھ (شاہجہان) نام ہی عمارت کے لئے موزوں ہے۔ پھر وہاں کی نو تعمیر مسجد دیکھی جو دراصل بڑی وسیع اور عالی شان مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ سولہ سترہ لاکھ روپیہ اس میں صرف ہو چکا۔ پیشتر بلور کے فرش کی تجویز تھی مگر عکس پڑنے کی وجہ سے علماء نے منع کیا۔ شاہجہان بیگم صاحبہ کی وفات کے وقت تک یہ مسجد تکمیل کو نہیں پہنچی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ باعتبار وسعت وسنگینی عمارت کے یہ مسجد ہندوستان کی قدیم نامی گرامی مسجدوں کے ہم پلہ ہے۔ راقم جامع مسجد، موتی مسجد آگرہ، شاہی مسجد لاہور، والاجاہی مسجد مدراس، مکہ مسجد حیدرآباد اور بمبئی وغیرہ کی مسجدیں بھی دیکھ چکا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی بات میں بے مثل ہے مگر اس مسجد کی عمارت بھی قابل دید ہے۔

حکیم صاحب اس زمانہ مہمانی میں بارہا نواب سے ملاقات کرتے رہے۔ ایک مرتبہ

بمبئی سے کچھ انگریز بازی گر آئے اور شب کو جلسہ ہوا تو بھی حکیم صاحب حسب طلب گئے اور راقم بھی ہمراہ تھا۔ حکیم صاحب کی کرسی نواب صاحب کے قریب تھی دو ڈیڑھ ماہ تک حکیم صاحب ریاست کے مہمان رہے بعد ازاں عہدۂ افسر الاطبائی پر تقرر ہوا۔ یہ تامل انتظام جدید کی وجہ سے واقع ہوا۔ ہر محکمہ میں مناسب تخفیف در پیش تھی۔ رفتہ رفتہ شفاخانہ جات کا بھی نمبر آیا۔ ان دونوں حکیم صاحب وہاں اکثر معالجات و ملاقات وغیرہ میں مشغول رہے۔ کبھی وزیر صاحب کے یہاں گئے۔ کبھی صاحبزادگانِ بلند اقبال سے ملے کسی روز نواب سلطان دولہا کے بہنوئی ولایت علی خاں بہادر سے کبھی منشی عنایت حسین خاں صاحب نائب وزیر اور بخشی محمد حسن خاں نصرت جنگ و منشی احمد حسین خاں صاحب میر دبیر و فرید اللہ خاں صاحب نائب بخشی مولوی رضا علی صاحب شیریں رقم وغیرہ سے ملنے جاتے اور کبھی وہ معزز حضرات خود حکیم صاحب کے پاس تشریف لاتے۔

عہدۂ افسر الاطبائی کی تنخواہ پہلے چار سو روپیہ ماہوار تھی۔ اب بوجہ تخفیف ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار قرار دی گئی۔ حکیم صاحب نے اس کی تنخواہ کے متعلق عذر کیا کہ مجھے انتظار دراز کے بعد یہ موقع ملا۔ میری عمر کا آخری زمانہ ہے۔ میں نے سرکار عالیہ کا بچپن سے علاج کیا قدیم سے جو خصوصیت ہے سب جانتے ہیں۔ ولیۃ العہد صاحبہ کی وجہ سے بڑی سرکار سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ استعفا بھی ولیہ عہد صاحبہ کو اطلاع دے کر دیا۔ جب میں ریاست نرسنگ گڑھ میں تھا۔ راجہ عبد العلی خاں مرحوم نے مجھ سے بیان کیا کہ سرکار اور نواب صدیق حسن خاں آپ بھی تمہارے شاکی ہیں کہ مولوی علاء الدین صاحب تمہارے پاس آ کر ٹھیرتے ہیں۔ سلطان دولہا بہادر کے آدمی تمہارے پاس آتے جاتے ہیں اور ان سے تمہاری خط و کتابت رہتی ہے۔ اسی طرح سابق کے اور معاملات بیان کئے اور یہ بھی کہا کہ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ بحالت بیماری کسی نے بڑی سرکار سے میری نسبت کہا کہ وہ پرانے مزاج دان سرکار کے ہیں ان کو بھی بلایا جا

مگر سرکار خلد مکان نے فرمایا کہ وہ سلطان دولہا ولیعہد سلطان جہان کے دوست خیر خواہ ہیں۔ سرکار خلد مکان کے عہد میں میری جاگیر تھی وہ بھی بحال ہونا چاہیئے۔ یہ عذرات سن کر نواب سلطان دولہا بہادر نے نہایت دلجوئی کی اور فرمایا کہ آپ کے حقوق کا مجھے اچھی طرح خیال ہے۔ انشاء اللہ وہ سب پورے ہونگے۔ اور اپنے استاد کو فہمایش کے لئے بھیجا کہ ریاست کی تخفیف میں آپ کو بھی شرکت چاہیئے۔ سردست اس تنخواہ کا قبول کرنا گویا موجودہ حالت کا سنبھالنا ہے۔ اس کے بعد پروانہ تقرری افسرالاطبائی کا ان کے تمام مرتب کرکے بھیجدیا۔ علاوہ تنخواہ کے پالکی اور اس کے کہار اور سکونت کے لئے ایک شاندار مکان ریاست سے مرحمت فرمایا گیا۔

نقل پروانہ نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند والیہ بھوپال بنام حکیم صاحب

فروری ۱۴ء



ص[1]

حکمت وحذاقت پناہ شرافت وعزت دستگاہ حکیم سید فرزند علی صاحب محفوظ باشند

تاریخ ہفتم جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۹ ہجری سے تم کو عہدۂ افسرالاطبائی پر بدرماہہ یک صد وپنجاہ روپیہ کلدار بجائے حکیم حافظ عبدالعلی صاحب افسرالاطبا مقرر کیا گیا تم چارج کام افسرالاطبائی کا لے کر کام متعلقہ بحسن تدبیر انصرام کرتے رہو اور نگرانی کام طبیبوں اور شفاخانہ جات شہرو

لہ دستخطی صاد نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ

معہ چار کہاروں کے تمہاری سواری

وبفصل کی رکھو اور علاوہ تنخواہ مذکور ایک پالکی مع چار کہاروں کے تمہاری سواری

میں کارخانہ جات سے تعینات رہیگی اور اُس کے تعینات کردینے کا حکم بنام مہتمم کارخانہ

لکھا گیا ہے مطابق اس کے وہ پالکی مع چار کہاروں کے تمہارے پاس تعینات رکھینگے فقط

مرقوم دہم جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۹ ہجری بقلم خوشی لال

احمد حسین

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ

نقل پروانہ دیگر من جانب ریاست بھوپال بنام حکیم صاحب



ص

حکمت و حذاقت پناہ شرافت و عزت دستگاہ حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبائی ریاست بھوپال محفوظ باشند

انتظام جدید شفاخانہ جات میں شہر خاص و جہانگیر آباد، و شاہجہان آباد میں تین شفاخانہ

مقرر کئے گئے ہیں ایک نقشہ اُس کا اس پروانہ کے ساتھ تمہارے نزدیک بھیجا جاتا ہے اس میں

تمام اسامیاں و شاگرد پیشہ ہر سہ شفاخانہ جات کے مع عملہ و شاگرد پیشہ دار الشفا قائم کردیے

گئے ہیں اس اسامیاے طبیب تو ہماری روبکاری سے تجویز و مقرر کردیئے گئے باقی عملہ و

شاگرد پیشہ کی تجویز باقی ہے اس واسطے نقشہ اسمیوں سے ملازمان حال وشفاخانہ جات
تمہارے نزدیک مرسل ہے من جملہ ملازمان حال مندرجہ نقشہ کے جو شخص جس کام کے لائق ہو
اُس کو اسامی مندرجہ نقشہ انتظام جدید پر منتخب اور تجویز کرکے نام ان کے لکھکر واسطے منظوری
کے بھیجو اس تجویز میں لیاقت اور قدامت دونوں کا لحاظ رہے فقط

المرقوم دہم جمادی الثانی ۱۳۱۹ ہجری

احمد حسین

بقلم خوشی لال

نقل مطابق اصل
دستخط منشی
۱۱ جمادی الثانی
۱۳۱۹ھ

جب حکیم صاحب کے نام یہ پروانہ تقرری سررشتہ ریاست سے آگیا تو آپ چارج لینے کے لئے شاہجہان آباد گئے۔ حکیم حافظ عبد العلی صاحب لکھنوی جو اس عہدہ پر مامور تھے انھوں نے مُہروں کا غذات حوالے کئے اور ایک منشی کے بارہ میں سفارش فرمایا جناب حکیم صاحب میرے نزدیک یہ شخص قابل اعتماد ہے۔ آپ بھی بجز اس کے دوسرے پر بھروسا نہ کریں۔ آپ چونکہ بیس برس تک پہلے بھی رہ چکے ہیں اس لئے یہاں کے کل حالات کا تجربہ ہوگا۔ حکیم صاحب نے ان کے اس فرمانے کو تسلیم کیا اور کہا کہ مجھے آپ سے گونہ حجاب ہے کہ میں آپ کی جگہ پر مقرر ہوا۔ حالانکہ نہ میری یہ نیت تھی اور نہ ارادہ تھا کہ میری وجہ سے کوئی صاحب علٰحدہ ہوں۔ مجھے کسی اور مد میں یا ڈیوڑھی خاص میں جگہ دیدی جاتی تو اچھا تھا۔ مجھے آپ کے بزرگوں کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ حکیم مسیح صاحب سے کلکتہ میں ملا ہوں اور دیگر بزرگوں سے لکھنؤ میں ملاقات کا اتفاق ہوا ہے ان باتوں کے جواب میں حکیم عبد العلی صاحب نے کہا کہ حکیم صاحب مجھے آپ سے ذرہ بھر شکایت نہیں اس تخفیف

میں میرا گزارہ نہیں ہو سکتا جس جگہ پر زیادہ تنخواہ پاتا رہا اب اس جگہ قلیل رقم پر کس طرح رہتا آیندہ مجھے ترقی کی امید نہیں حکیم عبدالعلی صاحب کے فرزند حکیم عبدالولی صاحب بھی اس وقت موجود تھے۔ الغرض مہر و کاغذات محکمہ کے کر حکیم صاحب اپنے فرودگاہ میں واپس آگئے اور یہ سب گفتگو اور کارروائی راقم کے روبرو ہوئی تھی۔ چند روز کے بعد محکمہ طبابت کا جملہ سامان اور عملہ منتقل ہو کر حکیم صاحب کے پاس کچہری صدر المہامی میں آگیا۔ محرر شاگرد پیشہ تین چار طبیب شاہجہان آباد سے آکر حکیم صاحب کی ماتحتی میں کام کرنے لگے۔ محالات ریاست اور شہر کے طبیبوں کی مجموعی تعداد جو حکیم صاحب کی ماتحتی میں آئے چالیس بتلائی جاتی تھی جن کی تبدیلی و بحالی بعد حصول منظوری سرکار عالیہ حکیم صاحب کے اختیار میں تھی۔

جنوری ۱۹۲۲ء میں اس سوانح عمری کی بعض دریافت طلب باتوں کے لئے راقم کا بھوپال جانا ہوا تو محکمہ افسر الاطبائی کے سالانہ خرچ کے بابت حکیم بشیر اللہ خاں صاحب قدن جنیل شاہجہان پوری ملازم و طبیب محکمہ مذکور سے دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ فی الحال پچاس ہزار روپیہ سالانہ سے زائد اس محکمہ کا خرچ ہے۔

عہدۂ افسر الاطبائی پر حکیم صاحب کے مبارکبادیاں

جب حکیم صاحب کا تقرر قدیمی جگہ پر ہو گیا تو ان کے معزز احباب نے مبارک باد کے خطوط لکھے چنانچہ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار سندیلہ نے جو تعلقہ داران اودھ میں ایک نامور ذی جاہ رئیس تھے اس مضمون کا ایک محبت نامہ تحریر فرمایا کہ حکیم صاحب مجھے اس خبر سے نہایت خوشی ہوئی کہ آپ اپنی قدیمی جگہ پر تشریف لے گئے اور سرکار عالیہ نے آپ کے پرانے حقوق کا پورا پورا لحاظ فرمایا اس زمانہ میں آپ جیسے نیک لائق وفادار کارگزار ملازم اور سرکار جیسی قدردان

مردم شناس رئیسہ کہاں مل سکتی ہیں خدا آپ کو مبارک کرے۔

اسی مضمون کا ایک خط حیدرآباد سے آیا تھا۔ اسی زمانہ میں اودھ اخبار لکھنؤ میں حکیم صاحب کے متعلق ایک مضمون چھپا تھا کہ آج کل حکیم سید فرزند علی صاحب جو ایک حاذق اور کہنہ مشق طبیب ہیں ریاست بھوپال میں تشریف لے گئے ہیں اُن کی ہر دل عزیزی کا پتا اس بات سے چلتا ہے کہ ان کی ذات مرجع خاص و عام ہو رہی ہے اس سے پیشتر بھی آپ وہاں بڑی عزت کے ساتھ رہ چکے ہیں۔

حکیم صاحب کی طرف رجوعات

جب حکیم صاحب بھوپال میں قیام پزیر ہوئے تو آپکے نام صدہا اشخاص کے خطوط آئے جن میں زیادہ لوگوں نے ملازمت کی استدعا کی تھی مگر چونکہ وہ زمانہ تخفیف کا تھا نواب شاہجہاں بیگم والیہ ریاست اور ان کی صاحبزادی نواب سلطان جہاں بیگم ولیعہد سے مفسدین نے مخالفت کرا دی تھی اس سبب سے ریاست زیر بار کر دی گئی تھی۔ عمال کے مظالم۔ امراض وبائی اور قحط کے حملوں نے اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ تخفیف مناسب کی جائے۔ لہٰذا حکیم صاحب اس کوشش سے معذور تھے۔ خطوط کے جوابات راقم سے برابر لکھا کر بھیجتے اور حکیم صاحب کا زیادہ وقت انھیں مشاغل میں ضائع ہوتا تھا۔ کاش حکیم صاحب کا زیادہ قیام ہوتا اور ان کی زندگی وفا کرتی اور کوئی جگہ خالی ہوتی یا جدید محکمہ جاری ہوتا تو اپنے سابق مذاق کے مطابق وہ ان لوگوں کو سرکار میں سفارش کر کے ضرور نوکر رکھا دیتے۔ مگر اس وبائے تخفیف میں بھی جس نے ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا حکیم صاحب نے اپنی قدیمی عادت کو نہ چھوڑا اور سفارشین شروع کر دیں۔ کبھی نواب عالی جاہ کی خدمت میں چند نو دار د عربوں کو لے جاتے ہے

ہیں کبھی ایک فاضل جلال آبادی کے لئے نواب صاحب سے ہموطنیت کا استحقاق ثابت کر کے ملازمت کا تقاضہ کرتے ہیں کبھی روز ایک سوار بادی گارڈ کی جو اپنے افسر سے تکرار ہو جانیکے باعث معطل ہو گیا تھا بحالی کرا رہے ہیں بعض اوقات چندہ حجاز ریلوے کی فضیلت اور اس مصرف خیر میں معقول رقم دینے کی تحریک کر رہے ہیں کبھی محمد علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ بردوتی ماڈیٹر مرقع عالم کی استدعا پر ان کی ایک تصنیف کے نواب صاحب کے نام نامی سے معنون ہونے کا عریضہ نواب صاحب کو بھیج رہے ہیں۔ غرض کہ فیض رسانی مخلوق کے لئے حکیم صاحب ہمہ تن وقف تھے اور کسی بندۂ خدا کے نفع پہنچانے کے مقابلہ میں دوسرے شخص کا بار احسان اپنی ذات پر لینا انسانی ہمدردی کا جزو اعظم تصور کرتے تھے حکیم صاحب کے اس قسم کے احسانات بہت معزز اشخاص پر ہیں۔ مثلاً مولوی اسرار حسن خاں صاحب حافظ خیل شاہجہان پوری نے جو اس زمانہ میں ضلع اناؤ کے ڈپٹی کلکٹر تھے حکیم صاحب کو لکھا کہ میں نے سنا آپ بھوپال تشریف لے گئے ہیں میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں۔ لہذا آپ نواب سلطان دولہا بہادر سے میری ملاقات کے متعلق عرض کر دیجئے۔ حکیم صاحب نے ان کا خط لے کر نواب صاحب ممدوح کو سنا دیا اور راقم سے خط کا جواب لکھا کر انا و بھجوا دیا کہ بالفعل نواب صاحب کثرت کار سے عدیم الفرصت ہیں۔ چند روز کے بعد آپ کو یہاں آنا چاہیئے۔ اس کے بعد ان کا دوسرا خط اسی مضمون کا آیا جو راقم کے پاس دیگر خطوط کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ الغرض کچھ زمانہ کے بعد محمد اسرار حسن خاں صاحب بھوپال تشریف لائے شام کے وقت بالاخانہ صدر المہامی پر حکیم صاحب سے آ کر ملے اور خواہش کی کہ آن کے خلوص اور خاندانی حالات کو نواب صاحب کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر کار ریاست کے ملازم ہوئے اور نصیر المہامی کے منصب تک پہنچے۔ اس سے پیشتر نواب شاہجہان بیگم صاحبہ مدظلہا کے عہد میں بھی وہ بھوپال میں بعہدہ منتظم پولیس ملازم رہے تھے۔ اور ابتداً

شک نہیں کہ خان صاحب ممدوح نے اپنی اطاعت و خوش تدبیری سے سرکار عالیہ کی خدمت میں بہت تقرب حاصل کر کے خوب ترقی پائی اور خطابات و اضافہ تنخواہ سے برابر سرفراز ہوتے رہے۔ اب آپ کا نام نامی مع جملہ خطابات کے خان بہادر دبیر الملک سر مولوی محمد اسرار حسن خان صاحب کے ٹی سی آئی ای نصیر المہام کاغذات میں لکھا جاتا ہے۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں خاکسار کا جھوپال جانا ہوا اور خان بہادر سید محمد ہادی صاحب سابق ڈپٹی کمشنر ہردوئی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ نصیر المہام صاحب سے ضرور مل لیجئے اور وہ اپنے موٹر کار پر سوار کرا کے باغ حیات افزا سے شیش محل لائے۔ جب نصیر المہام صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا تو جناب ممدوح نہایت اخلاق و مروت سے پیش آئے اور کہا کہ سرکار عالیہ سے ضرور ملتے جائیے۔ چنانچہ اپنے ہمراہ احقر کو ہر ہائی نس کی خدمت میں لے گئے۔

حاجی ابرار حسن خاں صاحب شاہجہانپوری جو اُس وقت جھانسی میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور حکیم صاحب سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ ان کی دینداری و دیانت کی تعریف بھی حکیم صاحب نے سرکار عالیہ کے سامنے بیان کی اور نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے ہزار روپیہ ماہوار کی نصیر المہامی اُن کے لیے تجویز فرمائی۔ حکیم صاحب نے حاجی صاحب ممدوح کے بلانے کے متعلق لکھا اور وہ نہایت خوش ہوئے مگر افسوس کہ اسی دوران میں حاجی صاحب اور حکیم صاحب دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا اور اس تحریک کا ظہور نہ ہوا۔ ثبوت کے لئے حاجی صاحب کے قلم کا لکھا ہوا خط جو اس وقت راقم کے روبرو موجود ہے نقل کیا جاتا ہے۔

نقل خط حاجی محمد ابرار حسن خاں صاحب شاہجہانپوری ڈپٹی کلکٹر بنام حکیم صاحب

بسم اللہ سراپا لطف و کرم زاد لطفہ۔ سلام مسنون قبول ہو عنایت نامہ مورخہ

۲۷ رجمادی الثانی ۱۳۲۰ھ ہجری موصول ہوا۔ مضامین مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ اگر میرے لئے عہدہ نصیر المہامی جس کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ ماہوار کلدار ہوگی جناب سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال تجویز فرماتی ہیں تو اس کے قبول کرنے میں مجکو کسی قسم کا تامل نہیں ہو سکتا اور میں بہت خوش ہونگا کہ مجکو اس آخری وقت میں ایک اسلامی ریاست کے خدمات کی انجام دہی کا موقع ملے گا جو میرے لئے بھی باعث فلاح دارین ہوگا اور میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی درگاہ میں متمنی ہوں کہ جو خدمات میرے سپرد کئے جاتے ہیں وہ بامداد اس کے فضل و کرم کے باحسن وجوہ انجام پاویں کہ جو سرکار عالیہ کی خوشنودی مزاج اور نیز فلاح ریاست کا باعث ہوں اور میں سرکار عالیہ کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے میری خدمات اس قابل تصور فرمائے کہ مجکو اپنی خدمت میں رکھنے کا فخر دینا تجویز فرمایا۔ اللہ میری مدد فرمائے۔ اگر جناب بیگم صاحبہ میرے لینے کے لئے گورنمنٹ میں درخواست فرماویں تو مجھے براہ مہربانی مطلع فرمائیے کہ کب درخواست بھیجی جاتی ہے اور یہ بھی التماس ہے کہ میرے قیام کے لئے بھوپال میں اگر کوئی کوٹھی یا بنگلہ باہر شہر کے تجویز کر دیا جائے تو اس میں بمقابلہ آبادی کے آرام ملے گا اور اگر کوئی امر بالفعل دریافت طلب میرے ہو یا اور کوئی امر میرے مفید ہو اس سے اطلاع دیجئے اور میں نے بھائی ابرار حسن خاں سے اپنی اس منظوری وغیرہ کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے بلکہ کوئی خط بھی نہیں لکھا ہے کیا ان کو اس سے اطلاع دوں یا نہیں۔ سید محمد شاہ صاحب کو سلام کہدیجئے۔ محمد سعید بھی سلام کہتے ہیں۔ زیادہ والسلام

راقم الحروف حاجی محمد ابرار حسن خاں ‌ ‌ ‌ ‌ از جہانسی مورخہ ۲ رجب ۱۳۲۰ھ ہجری

شاہ آباد سے جب حکیم صاحب بھوپال گئے تو چھ ماہ تک ریاست میں مقیم رہے اس کے بعد رخصت لے کر وطن آئے مکان پر پہنچے تو موسم سرما اور رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ روزے

رکھے۔ سردی کی شدت اور خلاف معمول خورونوش و خواب بیداری سے بخار آ گیا اور ذات الجنب کی شکایت پیدا ہو گئی شدت مرض اور ضعیفی کا زمانہ نہایت سخت ضعف لاحق ہو گیا اور توسیع رخصت کی درخواست بھوپال کو بھیجی۔ آخر ماہ رمضان میں بھوپال سے ایک تار آیا جس میں نواب سلطان دولہا بہادر کے دفعۃً انتقال کر جانے کا افسوس ناک سانحہ درج تھا اس وحشت انگیز خبر کو سنکر حکیم صاحب نہایت مغموم ہوئے اور ایک عریضہ تعزیت کے متعلق جس کا مضمون نہایت اندوہناک تھا۔ بیگم صاحبہ بھوپال کی خدمت میں راقم سے لکھا کر بھیجا اس کے جواب میں سرکار عالیہ نے ملفوف افتخار نامہ حکیم صاحب کے نام ارسال فرمایا چند روز حکیم صاحب مکان پر موجود رہے اور پھر ذاتی انتظامات سے جلد فرصت کر کے بھوپال تشریف لے گئے اور فرائض منصبی کے ادا کرنے میں مصروف ہوئے۔ بدستور قدیم سرکار عالیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور وہ بھی عزت فرماتیں۔ تقریباً ایک سال تک حکیم صاحب بھوپال میں اپنے کار مفوضہ کو انجام دیتے رہے اور معالجات میں مشغول تھے۔

حکیم صاحب کے معمولات

حکیم صاحب کا بھوپال میں معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد مولوی محمد یوسف صاحب کے یہاں جایا کرتے جو خواجہ میر درد دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔ وہاں اکثر مہذب ذی علم حضرات کا مجمع رہتا۔ چائے نوشی کے ساتھ علمی ملکی مسائل پر گفتگو ہوتی اور اخبارات کا چرچا رہتا۔ مولوی صاحب موصوف کے صاحبزادہ مولوی محمد سلیمان جو ذہین و خوش مزاج تھے اکثر حکیم صاحب سے ملنے کو آتے حکیم صاحب نے ان کو ہمراہ لے جا کر نواب احتشام الملک سے ملا دیا تھا۔ افسوس کہ وہ وبائے طاعون میں جوان مرگ انتقال کر گئے۔

علم الکتاب مصنفہ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ حسب فرمائش مولوی صدیق حسن خاں حکیم صاحب ہی نے دہلی سے بھوپال میں منگوائی تھی۔ اس کے بعد نالۂ عندلیب جو خواجہ میر درد کے والد حضرت خواجہ ناصر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات سے ہے ریاست مذکور میں آئی اور طبع ہوئی یہ دونوں کتابیں اعلیٰ درجہ کی دلچسپ اور ضخیم ہیں۔ اس جلسہ کے پابند لوگوں میں منشی عنایت علی صاحب سندیلوی بھی تھے جو نہایت خلیق اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور آخر میں ہند سے مکہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ افسوس کہ وہ اصحاب اور وہ صحبت خواب و خیال ہوگئی اور اس تحریر سے گزشتہ کیفیت کی یاد تازہ ہوگئی اور حسرت کا شعلہ ناشاد دل میں بھڑک اٹھا خواجہ الطاف حسین حالی کا یہ شعر درحقیقت حسب حال ہے ؎

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئینگی   کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

نواب احتشام الملک عالی جاہ سلطان دولہا بہادر کی خدمت میں حکیم صاحب کا مشورہ اور نواب صاحب موصوف کے حالات

خاکسار اب تک بطور ایک مہمان کے تھا اور بمقتضائے امر مہمان را با فضولی چہ کار

---

۱ منشی صاحب موصوف کی پرانی وضع سرخ سفید چہرے سے شرافت و بزرگی نمایاں تھی وزیر صاحب کے پیش دست تھے۔ راقم کے ساتھ بڑی بزرگانہ محبت سے پیش آتے آپ خاندانی اور جودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ کے حقیقی ماموں تھے بعد پنشن بمقام مکہ معظمہ ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے ؎

جناب سید عنایت علی گل خوبی   برفت حیف ز دنیا بسوئے خلد بریں
چو فکر سال مظفر نمود گفت سروش   خدا پرست مہاجر بزرگ کعبۂ دیں

۱۹۰۶ء

جو کوئی بات خیر خواہی کی دیکھنے یا سننے میں آتی اس کا عرض کرنا مناسب سمجھتا تھا۔ اب چوں کہ ملازم نمک خوار ہوں لہذا بعض ضروری امور کو واجب الاطلاع خیال کرکے عرض کرتا ہوں اور اگر اجازت ہوئی تو آئندہ بھی جب کوئی ایسا مضمون خیالِ ناقص میں گزرے گا بذریعہ تحریر یا زبانی گزارش کرونگا۔ نواب صدیق حسن خاں کے دور دورے سے قبل سرکار خلد مکان کی خدمت میں بھی اُن کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک خراب شدہ ریاست کے انتظام کا بار عظیم دفعۃً حضور پر آپڑا ہے اہلکار اگر لائق ہوتے تو حضور کو اس قدر دشواری پیش آتی۔ مگر خرابی یہ ہے کہ اب تک وہی ریاست کو برباد کرنے والے اہلکار اور ان کے ذریات موجود ہیں جن کا دفعتہً علیحدہ کرنا بھی مصلحت نہیں۔ ریاست میں وکلا کی مداخلت اور کثرت اکثر ناحق کوشی و حق تلفی کا موجب ہو جاتی ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ اکثر مقدمات کے فریقین میں سے کوئی ایک فریق غریب نادار اور مظلوم ہوتا ہے۔ اس کو اس قدر مقدرت نہیں ہوتی کہ زیادہ فیس دے کر کوئی تیز اور طرار وکیل مقرر کر سکے بہزار دشواری کسی وکیل کو مقرر کرتا بھی ہے تو کم اجرت دینے کے باعث اُسے اچھا وکیل نہیں نصیب ہوتا۔ بخلاف مالدار فریق ثانی کے جس کا وکیل بہت زیادہ فیس کا اور نہایت تیز و طرار ہوتا ہے جو جھوٹے مقدمہ کو بھی اپنی طلاقت لسانی و زبان آوری سے سچا بنا لیتا ہے۔ اور حکام کو مجبور کرکے اور مغالطہ دے کر مقدمہ جیت لیتا ہے اور وکیل کی چالاکی سے حاکم بھی مغالطہ میں پڑ جاتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حاکم پر حق منکشف ہو جاتا ہے مگر چالاک وکیل اپنی قانونی گرفت سے اس کو مجبور کر دیتے ہیں۔ پہلے جب یہاں وکلا نہ تھے جس قدر دادرسی ہوتی تھی اب نہیں ہوتی بلکہ اس کے برخلاف حق تلفی ہوتی ہے لہذا اچھی طرح غور و توجہ سے وکلا کے اختیار کو محدود اور کم کرنا چاہیئے۔ جن حکام اعلیٰ نے ریاست کو لوٹا اور تباہ کیا اکثر ان کے اقران و عمال اور انہیں کے

ذریات موجود ہیں۔ اُن میں بعض ایسے بھی ہیں جن کو علانیہ سب لوگ جانتے ہیں۔ وزیر صاحب حال نے ان کو ماخوذ کرنا چاہا مگر سرکار خلد مکان کے ایما سے چھوڑ دیے گئے ایسے لوگوں کا اخراج بھی بتدریج مناسب ہے۔ اکثر ایسے اشخاص ہیں جنھوں نے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا تغلب و تصرف کیا ہے۔ ان کی حالت جاننے والے اور شرکا بھی موجود ہیں۔ ان سے بلطائف الحیل و تالیف قلوب مخفی طریق پر ان خائنوں کا حال دریافت کیا جائے تو پوری حقیقت منکشف ہو جائے اور بخوبی اُس کا تدارک ہو سکے تخفیف کے سلسلے میں اس طریقے کا اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بڑی بڑی تنخواہ بلا شرط خدمت پاتے ہیں۔ خوشحال و متمول ہیں اور محض برعایات و عنایات خاص سرکار خلد مکان مقرر ہو گئے ہیں۔ ان کا ریاست پر کوئی حق نہیں ہے۔ ایسے لوگوں پر بصیغہ تخفیف نظر ڈالنا ضروری ہے۔ اس قسم کے ایک شخص کا تخفیف میں لانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ سو پچاس مساکین و محتاج اور قلیل المعاش لوگ برطرف کر دیے جائیں مثلاً ایک مالدار شخص کے نام پر سرکار خلد مکان نے بلا کسی استحقاق کے پانچ سو روپیہ ماہوار مقرر فرما دیے ہیں اور سو پچاس مساکین و محتاجین کے نام پر دو دو چار چار روپیہ ماہانہ بطریق خیرات کے معین کیے ہیں۔ ان مفلس غریبوں کی تنخواہ میں کمی کی جائے یا موقوف کیے جائیں تو اتنی کم تخفیف ہوگی جو ہرگز اس حد کو نہ پہونچیگی جو اس ایک شخص کے تخفیف سے ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کا شاکی ہونا اتنا بدنام کرنے والا نہ ہوگا جتنی بدنامی کہ سو پچاس کے شور و غل اور گریہ و زاری سے امن عامہ میں خلل ڈالنے والی ہوگی۔ خیر خواہان ریاست کی زبانوں پر ہے کہ چوری تغلب و تصرف اور تخفیف مصارف کی طرف تو پوری توجہ ہے مگر اصل معاملہ کی طرف آج تک توجہ نہ ہوئی جس اس کے محاصل مراد ہیں۔ یا یہ کہ لاکھوں روپیہ تقاوی کے بہانے اہل کار ہضم کر گئے۔ مگر جو علاقہ ویران ہو گیا ہے اور زمین بکثرت افتادہ ہو گئی ہے اس کی رعایا کو بہت ہی کم پہونچا۔ گاؤں کے گاؤں پریشان ہو کر بھاگ گئے اور بھاگے چلے جاتے ہیں اور ان کے روکنے کی کوئی تدبیر نہ ہوئی۔ اس کی اصلاح و تدبیر شدید ترین ضروریات میں سے ہے آبادی کے

معقول ذرائع و وسائل بہم پہنچائے جائیں اور بکمال کوشش و توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیے۔ واقف کاران قدیم اور اہلکاران دانشمند سے مثل دیوان ٹھاکر پرشاد وغیرہ کے مشورہ لینا چاہیے۔ اکثر معاملات عالم از روئے قانون قدرت تدریجی ہیں۔ مثلاً تعلیم و تعلّم جو امور کہ درجہ بدرجہ ترقی کرتے اور جتنی دیر میں ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ مستحکم اور احسن ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ ادنیٰ رتبہ اور خدمت سے ترقی کرکے اعلیٰ درجہ کو پہونچتے ہیں بوجہ تجربہ کے اُن کی کارگزاری عمدہ اور قابل اعتبار ہوتی ہے۔ نیز ادنیٰ درجہ والے اگر اُن میں اعلیٰ درجہ کے کاموں کی لیاقت ہو تو بوجہ قدامت کے وہ ترقی کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اس ریاست میں یہ بڑی ناانصافی اور بے قدری ہے کہ لائق لوگ ترقی سے محروم رہتے ہیں اور جدید اشخاص جو لیاقت اور کارگزاری کے اعتبار سے بدرجہا کم ہوتے ہیں اعلیٰ درجہ کی خدمات پر مقرر کردیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اعظم حسین صاحب سندیلوی تحصیلدار جو حکیم خادم حسین صاحب سندیلوی مرحوم کے پوتے ہیں اور نہایت لایق فائق ہونے کے باعث قابل ترقی ہیں اور بڑے بڑے عہدوں کا استحقاق رکھتے ہیں مدت سے تحصیلداری ہی پر پڑے ہوئے ہیں ایسے ہی محمد یحییٰ پسر قاضی زین العابدین صاحب مرحوم کہ نہایت منتظم اور کارگزار اور جری و مستعد شخص ہیں سُنا گیا جب تک وہ بھوپال میں نائب کوتوال رہے چوری یہاں کم ہوتی تھی۔ انھوں نے خوب انتظام کیا تھا اور بدمعاش اُن سے نہایت خائف تھے جب سے وہ بدل گئے یہاں نہایت کثرت سے وارداتیں ہوتی ہیں اور اب وہ جس محال میں ہیں اس کے گردوپیش کے محالات میں ڈاکہ زنی ہوتی ہے مگر ان کا علاقہ محفوظ ہے اگر وہ کوتوالی بھوپال میں آجائیں تو ابھی یہاں کی وارداتیں بند ہوسکتی ہیں۔

وزیر صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ نہایت نیک اور متدین و دیندار و متواضع اور خیرخواہ

ریاست میں جو معاملہ ان کے ذہن میں جم جاتا ہے اس میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے مگر اس میں ہر شخص مجبور ہے کہ جس قدر اور جس قسم کی عقل و فہم اور استعداد و قابلیت اس کو خالق سے عنایت ہوتی ہے اسی کے موافق وہ کام کر سکتا ہے بعض اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی قوت علمیہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر معاملات و حسن تدبیر میں محض نابلد اور ناقابل ہوتے ہیں بعضے برعکس۔ بعضے بڑے ذہین اور طباع ایسے ہوتے ہیں کہ بعض فنون اور معاملات سے ان کو کمال مناسبت ہوتی ہے اور بعض فنون اور معاملات سے محض بے بہرہ۔ بالجملہ صانع مطلق نے لوگوں کی جیسی صورتیں مختلف بنائیں ویسی ہی عقل و فہم اور جملہ صفات بھی تفاوت کے ساتھ عطا کئے ہیں۔ وزیر صاحب سے حضور کو یہ بہت بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جو کام بہبودی ریاست کا ایسا ہو کہ اس میں لوگوں کے شور و غل مچانے کا اندیشہ ہو اور خیال ہو کہ حکام اعلیٰ تک شکایت پہنچے گی وہ امر پہلے وزیر صاحب کے ذہن نشین کر کے انہیں کی تجویز سے جاری کیا جائے تاکہ حضور زبان خلق سے محفوظ رہیں۔ مگر یہ امر بھی اشد ضروریات سے ہے کہ صاحب پولیٹکل ایجنٹ اور رزیڈنٹ صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر کو حضور ہموار رکھیں۔ چونکہ ہر قسم کے معاملات میں غور و خوض کرنے سے اس کے جزئیات اور دقائق اور نئے نئے فروعات نکلتے آتے ہیں۔ لہذا ان سے درگزر کر کے ایک امر ضروری کی یاد دہانی کرتا ہوں کہ جو موجب فائدہ کثیر کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو نوٹ سرکار خلد مکان کے عہد میں خرید کئے گئے تھے اگر ان کی فہرست دفتر میں مل سکے تو حضور اس کو ملاحظہ کر کے غور فرمائیں کہ وہ نوٹ کس کام میں صرف ہوئے ہیں۔ یہ لکھوکھا روپیہ کے نوٹ نواب صدیق حسن خاں کے معاملہ یعنی اپیل بحالی خطاب وغیرہ اور شکست ولی عہدی حقہ اور تقرر ولی عہد ناجائز میں صرف ہوئے ہیں ان میں کا اکثر بلکہ کل حصہ خائنوں نے خیانت کر کے کھایا ہے اور غالباً اس روپیہ کے نوٹ ہی

دیئے گئے ہونگے۔ کیونکہ نقد روپیہ یا اشرفیوں کا بھیجنا دشوار تھا جب ان نوٹوں اور ان کے نمبروں کا پتا لگ جائے گا تو وہ جس مد میں صرف ہوئے اور جس نے لئے ہونگے یہ بھی معلوم ہو جائے گا ... الخ

غرض کہ حکیم صاحب کے مضامین جو حکیمانہ مصلحتوں و وسیع تجربوں اور کثیر فوائد سے مملو ہوتے تھے اگر وہ کل لکھے جائیں تو بہت طول ہو جائے گا بطور نمونہ کے اسی قدر لکھ دینا کافی سمجھا گیا۔

مضمون مذکورۂ بالا کو حکیم صاحب نے راقم سے صاف کرا کر نواب سلطان و لھا بہادر کی خدمت میں جب پیش کیا تو نواب صاحب موصوف نے اس کو نہایت غور سے ملاحظہ کیا تھا۔

نواب صاحب اکثر حکیم صاحب سے معاملات ملکی میں مشورہ اور ذاتی حالات کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب صاحب نہایت لائق اور ذی اخلاق انسان تھے۔ چونکہ حکیم صاحب کے حالات کا نواب صاحب کی ذات سے بہت تعلق ہے اور حکیم صاحب کو اُن سے خلوص و اُنس بھی تھا اس لئے نواب سلطان دولھا بہادر کے مختصر حالات لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

نواب صاحب موصوف نے قدرتاً ذاتی شجاعت اور انتظامی لیاقت اعلیٰ درجے کی پائی تھی چہرہ سے آثار خوش نصیبی و اقبال مندی کے نمایاں تھے ایسے ذی وجاہت اور خوش رو جوان کم ہوتے ہیں آپ سے جو کوئی ایک بار ملا پھر وہ مدۃ العمر نہیں بھولا آپ پر اک بڑے ولی کی نظر عنایت مبذول ہوئی تھی۔

جلال آباد ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے باقی محمد خاں صاحب آپ کے والد شریف الخاندان اور سالار میر محمد جلال خاں صاحب رئیس جلال آباد کی اولاد میں تھے۔ بعد پیدائش والدین نے

احمد علی نام رکھا اور کلیر شریف لے جاکر مخدوم علی احمد صابرؒ کے مزار پر حاضر کیا کیونکہ آپ کے چند بھائی پیشتر رحلت کر چکے تھے اس لئے ماں باپ نے مخدوم علاء الدین علی احمد صابر سے رجوع کیا اور ۵ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ ہجری یوم دوشنبہ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کا قطعہ تاریخ آپ کے استاد مولوی علاء الدین صاحب جلال آبادی نے لکھا ہے جس کے چند شعر حاشیہ پر درج کر دیئے ہیں۔[۱]

مخدوم صاحب کلیری کے فیض و تصرف باطنی کا اثر آپ پر بچپن ہی سے یہ ہوا کہ جب آٹھ برس کے ہوئے تو نواب سکندر بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال نے پرورش کے لئے انتخاب کیا اور رئیسانہ آداب و تہذیب کی تعلیم دلوائی۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ جب نواب شاہجہان بیگم صاحبہ ملک کے دورہ پر تشریف لے گئیں تو نواب صاحب بھی ہمراہ تھے۔ بیگم صاحبہ نے مجھ سے ارشاد کیا تھا کہ آپ اس نوعمر کی ترقی استعداد اور تکمیل اخلاق کی طرف توجہ

---

۱ (قطعہ تاریخ ولادت نواب صاحب بہادر)

از دودۂ جلالی یعنی جلال خانی — وز خان ما محمد باقی بود نہ فانی
بعد از گذشتگانی یعنی برادرانی — کز سیر ایں جہانی کردند سرگرانی
پنج از ربیع ثانی بودست ہم دوشنبہ — سالش ہزار و دو صد ہفتاد و پنج دانی
از فیضِ صابر احمد کز اسم اوست فخرم — احمد علی بیامد چوں آبِ زندگانی
تقدیر تا چنیں کرد سالِ تمام عمرش — بھوپال شد مسیر با آں عزیز ثانی
سلطانِ عہدِ دولت خاتونِ محترم را — شد شوے نام آور با لطفِ شاہجہانی
نخلِ حیات ہر دو از ابرِ لطفِ ایزد — آورد خوش ثمرہا از ثمرۂ جوانی
سالِ ولادتِ شاں مصرع بگوشم آمد — والحمد حق کہ آمد صاحب قرانِ ثانی
ایں ہدیۂ گزیں را بپذیر احمدا — ایں رمضانِ فتح ۱۲۷۵ھ ارزد بقدر دانی

رکھتے چنانچہ میں ان امور کا لحاظ رکھتا تھا۔

نواب صاحب کو ابتدائی عمر سے زور آزمائی اور شکار کا شوق تھا بارہا حکیم صاحب کے خیمہ سے از راہ بے تکلفی بندوق اٹھالی اور شکار کھیلا۔ جب آپ شباب کو پہنچے حسب منشا نواب سکندر بیگم صاحبہ کے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے بماہ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ ہجری اپنی صاحبزادی نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ ولیعہد ریاست کے ساتھ آپ کا عقد کیا۔ بڑی شان و شوکت سے بارات ہوئی۔ قریب سات لاکھ روپیہ کے اس تقریب میں خرچ ہوئے۔ مناکحت کی تاریخ جملہ قران السعدین سے بتعمیہ ۲ عدد نکلتی ہے۔ اس عقد ہمایوں کی دو تاریخیں میر تحیف علی صاحب برادر حکیم صاحب نے نظم کیں ۔

بنے نوشاہ جو احمد علی خاں فضل خالق سے   معمہ سال وصلت میں کہا طرز مجدد کا
رخ شادی نظر آیا جہاں میں چار سو مجکو   جو صاد چشم سے دیکھا الف نوشاہ کے قد کا

ایضاً

گشت کتخدا صاحب اقبال   آنکہ ہمنام احمد ست و علی
بہر تاریخ شادی وصلت   گفت ہاتف کہ عشرت و شادی
۱۲۹۱ھ

بعد شادی نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے جاگیر اور نظیر الدولہ سلطان دولہا کا خطاب عنایت کیا اور آپ کی زوجہ محتشمہ نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند کی مسند نشینی کے وقت گورنمنٹ ہند کی طرف سے خطاب نواب احتشام الملک عالی جاہ مع خلعت کے مرحمت ہوا جس کی تہنیت میں آپ کے ہم وطن استاد مولوی علاء الدین صاحب نے یہ قطعہ تصنیف کر کے راقم سے صاف کرایا اور نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا مادۂ تاریخ

(والاگوہر نواب احتشام الملک عالی جاہ) ہاتھ آیا سے

۱۳۱۹ھ

حبذا احمد علی خاں محتشم | صاحب اقبال با خیل و حشم
آمدش از شاہ انگلستاں خطاب | خلعت و رخش و سپر تیغ و علم
لطف حق بادا رفیق حال او | تا بماند حق گزار و حق شیم
بہر تاریخش ز الفاظ خطاب | فرخ آمد لفظ والاگوہرم
یعنی این نواب والاگوہر ست | احتشام الملک عالی جاہ ہم

۱۹ ۱۳ھ

نواب صاحب نے صدیق حسن خاں کے دور دورے میں بحالت مخالفت حسن تدبیر سے نہایت دلیرانہ مقابلہ کیا اور انتظام جاگیر اس خوبی سے انجام دیا کہ جملہ امور میں رونق پیدا ہوگئی۔ ذاتی شجاعت سے صدہا شیر شکار کر ڈالے سپہگری کے فن میں وہ کمال حاصل تھا کہ کوئی سپاہی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تحمل و اخلاق کا عجیب عالم تھا۔ راقم بارہا حکیم صاحب کے ہمراہ مل کر ان اوصاف کا عینی مشاہدہ کر چکا ہے۔ بشیر الدین صاحب قدوائی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے خواجہ بزرگوار کے روضہ کے شمال جانب جو جگہ بہشتی دروازہ کے نام سے مشہور ہے اور لوگ وہاں بیٹھکر ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں میں وہاں بیٹھا مصروف عبادت تھا کہ دیکھا میرے پیچھے ایک نہایت ہی متین رئیس ذکر الٰہی میں مصروف ہیں جب معلوم ہوا کہ یہ نواب سلطان دولہا صاحب بہادر ہیں تو میں نے اس خیال سے کہ ان کی طرف پیٹھ ہوتی ہے وہاں سے ہٹنا چاہا اور ان سے معافی مانگی میں جس قدر ہٹنے میں اصرار کرتا تھا اسی قدر وہ اخلاق و ملیانہ سے مجکو بدستور اسی جگہ بٹھلانے پر مصر تھے۔ اس تحمل و اخلاق سے میں بے حد محجوب و محظوظ ہوا اور ان کی خداداد انسانیت کا گرویدہ ہوگیا۔

زمانۂ صدر نشینی میں جب یہ راقم اپنے قصائد لے کر ان کی خدمت عالی میں حاضر ہوا تو کمال اخلاق و شگفتہ خاطری سے پیش آئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ قصیدے آپ کے سنانے کو لایا ہوں۔ کہا شوق سے سنائیے۔ گزارش کیا کہ پیشتر فارسی کا پڑھوں یا اردو کا۔ ارشاد ہوا جو آپ کا دل چاہے۔ نواب صاحب نے اپنے بہت قریب بٹھایا یہاں تک کہ ان کا دامن خاکسار کے دامن پر آکر پڑ گیا تھا۔ پیشتر یہ فارسی قصیدہ جس کا مطلع ؎ بہ وفق کشور بھوپال بہار عالم پڑھا نواب صاحب نے کلمات تحسین ارشاد فرمائے۔ بعد ازاں خاکسار نے اردو قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کی نقل ذیل میں درج ہے۔ اس میں جب نواب صاحب کے شکار کا ذکر آیا اور میں نے یہ مصرع ؎ قہر ہے بندوق ان کی اور بلا کی گولیاں پڑھا تو بہت خوش ہوئے۔ پھر اس شعر پر کہ ؎ قابض ارواح بھی ہے تابع عزم شکار۔ حکیم صاحب بولے لیجیے نواب صاحب کارکنان قضا و قدر بھی مثل کاربردازان ریاست کے آپ کے تابع حکم بنا دیئے گئے۔ اس پہ نواب صاحب بے ساختہ ہنسے اور فرمانے لگے۔ حکیم صاحب شعرا کے مبالغے تو اس سے بھی زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ آپ کے شاگرد صاحب کا کلام بہت صاف و شستہ ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ کچھ دعائیہ اشعار تو سناؤ۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ نواب صاحب فرمانے لگے کہ ان کو کل قصیدہ ختم کر لینے دیجیے۔ جب تک دل چاہے پڑھیں مجھے جلدی نہیں۔ جب دعائیہ اشعار آئے تو ہر شعر کے اس مضمون پر کہ جب تک لیل و نہار اپنے اس۔ حالت پر رہے نواب صاحب اشارہ کرتے جاتے تھے جب پورا قصیدہ سنا چکا تو نواب صاحب نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ حکیم صاحب نے راقم کے متعلق کچھ کہا اسے نواب صاحب نے منظور فرما کر وعدہ فرمایا۔

اس کے بعد رخصت ہو کر فرودگاہ میں واپس آئے۔

قصیدہ در مدح جناب نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال

و

نواب سلطان دولھا بہادر

موسمِ گل نے عجب باندھا ہے عالم میں سماں
دامنِ صحرا بنا رشکِ بہارِ بوستاں

ہر نہالِ خشک ہے سرتا پا اک شاخِ گل
ہر زمینِ دشت ہے وامش قطعانِ باغِ جناں

ہر شجر پر طائرانِ خوش نوا کا ہے ہجوم
چہچہوں سے بلبلوں کے گونجتا ہے آسماں

فصلِ گل نے آتے ہی مغرور ایسا کر دیا
اپنے جامہ میں نہیں پھولے سماتے باغباں

ہر روش پر کیوں نہ اتراتی پھرے بادِ سحر
نکہتِ گلہائے خوشبو سے بھری ہیں جھولیاں

سرو کو خوش قامتی پر اپنے ہے اس درجہ ناز
نخلِ طوبیٰ پر چمن میں کہہ رہا ہے پھبتیاں

یاسمن کو ہے نزاکت میں حسینوں سے کلام
دیدۂ نرگس بھی ہے چشمک زنِ چشمِ بتاں

ہر گلِ خورشید گویا آفتابِ حسن ہے
چاندنی کے کھیت پر قربان ہوتی ہے کتاں

باغ میں فرمانِ نافرماں ہے جاری ہر طرف
چھونے بھی پاتے نہ دیوارِ چمن بادِ خزاں

غنچے سب بے رد وا رہیں اللہ رے فصلِ بہار
ہے نگہبانِ چمن اس واسطے ہر باغباں

ہیں دعا گو قمریاں حق سرّہ کے بھید میں
مدح شاہِ گل میں ہے مصروف سوسن کی زباں

تختہ تختہ پر ہے قرباں باغِ رضواں کی بہار
ہر خیابانِ چمن پر صدقے گلزارِ جناں

سنبل و ریحاں کو وہ بخشا ہے حسنِ دلفروز
جس پہ صدقے ہوتی ہے سو جان سے زلفِ مہوشاں

ہے عجب ہر سمتِ باغ و بن میں اک دھوم دھام
بادۂ عیش و طرب سے مست ہے سارا جہاں

دے رہا ہے رعد مستوں کو صلائے جامِ مے
ساتھ ہیں کالی گھٹاؤں کے ہزاروں بجلیاں

بن سنور کر غنچے بیٹھے ہیں کس شان سے
ہر ادائے ناز ان کی لیتی ہے مستوں کی جاں

حسن سے ان کا لبھا لیتا ہے دل کو ناز سے
خود بخود کھنچتے چلے جاتے ہیں سب پیر و جواں
کیوں نہ ہو ایسا ہی حسن ان کا ہے کچھ عالم فریب
شوق ہے جس پر فدا ہیں سب حسینانِ جہاں
دخترِ رز تک بھی کھنچ آتی ہے دامِ عشق میں
اس سے بڑھ کر کون ہوگا اور عیارِ جہاں

دست بستہ رات دن حاضر رہا کرتی ہے وہ
کرتی ہے ہر طرح سے خدمتِ پیرِ مغاں
تا کسی صورت سے وصلِ مغبچہ حاصل کرے
زیست کی لذت ملے حاصل ہو عمرِ جاوداں

پھر بھلا شیدائیانِ دخترِ رز کیوں نہ ہوں
دل سے شیدا مغبچوں پر چھوڑ کر عیشِ جہاں
اس لئے لاکھوں پڑے ہیں مست بیہوش و حواس
بسملِ تیغِ ادا کوئی کوئی ہے نیم جاں
تاکہ صہبا کی نہیں لاتی انھیں ہستی تلک
آرزوئے دید ساقی کھینچکر لائی یہاں

منتوں کرتے ہیں کیوں یہ فصلِ گل کا انتظار
اس تمنا پر کہ پھر آئے بہارِ بوستاں
پھر بہارِ باغِ عالم ہو نشاط افزائے خلق
پھر چلے ہر گوشۂ گلشن میں ساقی کی دکاں
پھر نسیمِ صبح مستوں کو جگائے چھیڑ کر
پھر پئیں جامِ صبوحی میکدہ میں میکشاں
پھر بہارِ باغِ عالم ہو سرور افزائے خلق
آرزوئے سیرِ گلشن لائے ہمتِ بوستاں
عالمِ مستی میں ہوں صدقے گلوں پر بار بار
گل ہنسیں غنچے تمسخر سے بجائیں چٹکیاں
مست و بیخود ایسے ہوں سمجھیں نہ کچھ مفہومِ گل
اپنی حالت پہ ہوں خود مسرور و خندہ کناں
لڑکھڑائیں جب تو نشۂ مے سے تو پھر
عالمِ مستی میں غالب ان پہ ہو خوابِ گراں
سبزۂ گلشن بلائے پھر زبانِ حال سے
فرشِ مخمل آپ کی خاطر مہیا ہے یہاں
شاخِ گل ہر اک نگہبانی کرے گی آپ کی
چادرِ شبنم میں منہ کر لیجئے اپنا نہاں
نشۂ مے جب اتر جائے تو پھر ہو وہ ہی خفقان
ذوقِ دیدِ مغبچہ میں چلتے پھر سوئے دکاں

لذتِ نظارہ سے جب سیر ہو جائیں تو پھر
ذوقِ دیدِ گل نہ باقی ہو نہ سیرِ بوستاں
حسن کو اللہ نے بخشا ہے ایسا مرتبہ
جس کے شیدائی ہیں جان و دل سے شاہانِ زماں
حسن میں تخصیص اور تعمیم بھی عالم میں ہے
حسنِ انساں خاص ہے شکل و شمائل سے عیاں

ہے بہار اک حسنِ عامِ عالم کی زینت کے لئے — جس سے ہر شے خوش نما معلوم ہوتی ہے یہاں
ہے وہی موسم تمام عالم ہے آراستہ بخشِ خلق — جس کے فیضِ عام سے ہے آج کل زیبا جہاں
ذرہ ذرہ پر تَوِ انوارِ گل سے صحنِ باغ — پتہ پتہ فیضِ موسم سے مجسم بوستاں
ہر صدا ہے نغمۂ طوطی ہوا موجِ نسیم — غیرتِ باغِ ارم صحنِ زمیں تا آسماں
سبزۂ صحنِ چمن رکھتا ہے گو خوابیدہ بخت — ہیں مگر قرباں اس پر بخت مندانِ جہاں
شاخِ گل کی رفعت دن اس کو حضوری ہے نصیب — کس کو حاصل ہے یہ عزت یہ نصیبہ ہے کہاں
اس لئے نازاں ہے اپنے بختِ خوابیدہ پہ یہ — اپنی جا پر وجد میں لیتا ہے جو انگڑائیاں
ہر خیاباں طبلۂ عطار بوئے گل سے ہے — صحنِ گلشن پر تَوِ گل سے ہے گلزارِ جناں
کیوں نہ اس عالم پہ ہو حیرت ہر اک انسان کو — عالمِ گلشن ہے کیوں اب کی برس سارا جہاں
یہ بہار آخر وہی ہے جو کہ آتی تھی مدام — اب کی کیوں اس نے ترقی پائی ہے اتنی یہاں
اس قدر کیوں ہے وفورِ جوشِ گل ہر باغ میں — کچھ نہیں کھلتا سبب اس کا ہے کیا رازِ نہاں
طوطیِ خوش لہجہ بولی اس تحیر پر مرے — حکم ہو تو میں کروں اس کا سبب تم سے عیاں
دل کو الجھن تو بہت عرصے تھی اس بات پر — چھیڑ کر میں نے کہا اس کا سبب کہہ مہرباں
طوطیِ خوش لہجہ نے اس کا دیا مجھکو جواب — تو نہیں واقف ہے کیوں ہے باغ جنت نشاں
جنت اک عیشِ مخلد کا رکھا ہے سب نے نام — جس جگہ حاصل ہو یہ ہے فی الحقیقت وہ جناں
آج نظمِ مملکت ہے دیکھ کس کے ہاتھ میں — کون ہے اس وقت میں اس بوم کا حکمراں
جس کے وصفِ خلق سے شاداں ہے ہر چھوٹا بڑا — جس کا دورِ معدلت ہے باعثِ امن و اماں
اللہ اللہ معدلت کیشی ہیں جن کو خلق میں — دل سے ہر گلشن کے اب جاتا رہا خوفِ خزاں
کیوں نہ دونی ہو اس گلزارِ عالم کی بہار — کیوں نہ جوشِ گل سے بن جائے چمن سارا جہاں
ہیں ہو الیہ ظلہ تابعِ فرمانِ حکم — خادمِ در ہیں بہارِ عالم و فصلِ خزاں
موجزن بخششِ سحاب بذل و دریائے کرم — صاحبِ جود و عطا نواب سلطانِ جہاں

قبضۂ قدرت میں ہے جس کے سخا و مکرمت — کوئی بھی لیتا ہے نام حاتم و نوشیرواں
عقل و دانش میں بجا ہے گر کہیں بقراطِ وقت — فہم و ادراک و خرد میں ہیں فلاطونِ زماں
آسمانِ حلم خالق نے بنایا ہے انہیں — گر کہوں کوہِ وقار ان کو تو سچا ہے بیاں
دولت و اقبال وہ بخشا ہے خالق نے انہیں — خسرو و دارا سے لاکھوں جس کے در کے پاسباں
بخت اسکندر کو رشک ان کے نصیبے پر مدام — تھا فریدوں ایک ادنیٰ ان کے چیلوں میں یہاں
فیض بخشی سے ہے مالامال ہر چھوٹا بڑا — شہرۂ خوانِ نوازش از زمیں تا آسماں
چپہ چپہ تیرے گلشن کا ہے رشکِ باغِ خلد — غیرتِ رضواں ہے تیرے ہر چمن کا باغباں
ہر روش کو ہے دل آویزی میں ایسی دسترس — سیر کو جس کے ہے آتی خلد سے حورِ جناں
ذرّہ ذرّہ میں ہے اس کی خاک کے یہ آب و تاب — کیوں نہ ہو غیرت سے شرمندہ فلک پر کہکشاں
ہمنوا ہے طائرانِ خلد سے ہر عندلیب — مرغِ جنت کی صدا پر نعرہ زن ہیں قمریاں
دعوئے ہم قامتی طوبیٰ سے ہے ہر سرو کو — چشمہ چشمہ باغ کا ہے رشکِ انہارِ جناں
خادمانِ باغ ہیں غیرت دہِ غلمان و حور — رشکِ قصر روضۂ رضواں کیوں ہو ہر مکاں
متصف کیونکر نہ ان اوصاف سے ہو تیرا باغ — تجکو بھی تو دی ہیں خالق نے عجائب خوبیاں
ہو نہیں سکتا بیان ان کا ہے بے حد و شمار — ہے قلم کو خوف لکھنے سے نہ گھس جائے زباں
لاغر اندام اس قدر کاغذ اسی دہشت سے ہے — پیلا پیلا ہو رہا ہے خوف سے رخ سے عیاں
کاغذ و خامہ سے ہو اظہار جب اس طرح عجز — کیوں نہ ہو قاصر بیانِ وصف میں میری زباں
حق تو یہ ہے تجکو خالق نے بنایا بے مثال — ظلِ حق حق نے بنایا تجھکو سلطانِ جہاں
سایہ گستر خلق پر ہے مہر تو خورشیدِ عدل — ماہِ اخلاقِ کرم سے زینت و زیبِ جہاں
اللہ اللہ اس قدر ہے سطوت و رعب و نہیب — بل کی سنبل سے نہیں لیتی ہے زلفِ مہوشاں
امن و آسایش نے یہ پائی ترقی خلق میں — رات بھر سوتا ہے بے خوف و خطر ہر پاسباں
چور کا ڈر ہے نہ رہزن کا خطر ہے خلق کو — اس قدر قائم ہے تیرے عہد میں امن و اماں

چمنِ گل سے امن میں ہیں عندلیبانِ چمن
سرو کا شکوہ نہیں لاتی زبانِ قمریاں

وامق و فرہاد گر ہوتے زمانہ میں ترے
جورِ عذرا اور شیریں سے نہ ہوتے نیم جاں

قیس پر ہوتے ستم لیلیٰ کی جانب سے نہ پھر
دیکھ پاتے عہد کا تیرے جو اسبابِ اماں

قیصر و فغفور ہوتے اس زمانے میں اگر
تیری دربانی کو عزت کا سبب سمجھتے وہ نشاں

صدر منزل کی نگہبانی کی خاطر رات دن
ہر گھڑی ہر لحظہ مہر و ماہ ہیں دیدہ کناں

رفعتِ قصرِ معلیٰ دیکھ کر گردونِ پیر
سر جھکائے شرم سے استادہ ہے مثلِ کماں

زینت و آرائشِ ایوانِ عالی دیکھ کر
ہر سحر ہو جاتے ہیں انجم خجالت سے نہاں

مدحِ عالی میں پڑھوں اک مطلعِ برجستہ میں
خوبیِ معنی پہ ہوں جس کے سخنور شادماں

قامعِ بدعت مطیعِ سرورِ کون و مکاں
حامیِ دینِ متیں نوابِ سلطانِ جہاں

ماہرِ رہِ شریعت واقفِ اسرارِ جہاں
ماحیِ کفر و ضلالت حامیِ اسلامیاں

پیرو راہِ طریقت خادمِ شرعِ متیں
رونقِ دینِ محمد باعثِ امن و اماں

گوہرِ درجِ شہامت انجمِ چرخِ سخا
نیرِ برجِ شجاعت باعثِ زیبِ جہاں

بادشاہ کشورِ اقبال قیصر مرتبت
خسرو دارا حشم انجم سپہ گردوں مکاں

شہسوارِ عرصۂ عرفانِ ذاتِ کبریا
پیشوائے رہروانِ منزلِ امن و اماں

رعب میں قیصر ہیبت و جاہ میں فغفورِ وقت
حاتمِ دوراں سخا میں عدل میں نوشیرواں

کیوں نہ ہو اللہ نے بخشا اسے ایسا مشیر
عقل و دانش میں جسے کہتے ارسطوئے زماں

ہے رئیس ابن الرئیس ابن الکریم ابن الکریم
اس لئے ہیں جمع اس کی ذات میں سب خوبیاں

احتشام الملک عالی جاہ جو پایا لقب
فی الحقیقت ہے ہر اک معنی سے یہ شایانِ شاں

رستمِ دستاں دلیری میں اسے حق نے کیا
شکل و صورت میں بنایا رشکِ خوبانِ جہاں

صید افگن آج اس سا کوئی عالم میں نہیں
لاؤں میں تمثیل میں اب یہ بھلا کس کا بیاں

زندہ گر اس وقت میں ہوتا کہیں بہرام گور
بھول جاتا دعوئے صید افگنی اپنا بیاں

ہاتھ میں بندوق لی چھوٹا ادھر تیرِ قضا — ہوتے ہیں صدہا ہرن ہر فیر میں بس نیم جاں
قابضِ ارواح بھی ہے تابعِ عزمِ شکار — جب کیا اس نے ارادہ وہ ہوا فوراً رواں
اس قدر عجلت سے وہ کرتا ہے قبضِ ارواح کو — یعنی کھنچ آتی ہے اک اک ہاتھ میں سو سو کی جاں
طائرِ ہوش و حواسِ صید تک بچتا نہیں — پھر یہ بندوق اس کی اور بلا کی گولیاں
نام دشتِ مالوہ میں شیر کا باقی نہیں — دیکھنے کی بات ہے شیروں کا تھا جنگل یہاں
جھاڑی جھاڑی جھاڑ کے پھرتے ہیں صید افگن تمام — نام کو ملتا نہیں صحرا میں اب شیرِ ژیاں
حضرتِ شاہِ علی [illegible] — شہر کا کیا ذکر ہے صحرا میں بھی ہے امنِ جاں
اور یہی تو ہیں شہزادوں کے بھی ہر بات میں — آج ان اوصاف کے انساں عالم میں کہاں
ہیں حواسِ خمسہ جسمِ مملکت کے واسطے — کیوں نہ ہو عالم میں ایسے وقت میں امن و اماں
نظمِ عالم جب تلک یارب رہے اس نہج پر — جب تلک قائم ہیں طبقاتِ زمین و آسماں
باغِ عالم کی ہو جب تک فصلِ گل سے زیب و زیں — باعثِ زیبِ فلک جب تک ہوں انجم و کہکشاں
باعثِ تزئینِ دیں جب تک ہو قرآن و حدیث — اور ہر گوشہ مسلماں میں پڑے بانگِ اذاں
گُل سے بلبل کو رہے عشق و محبت جب تلک — سرو پر قرباں ہوں جب تک چمن میں قمریاں
شمع و پروانہ میں ہو جب تک کہ باہم سوز و ساز — لمعۂ انوار سے قطع ہو جب تک کتاں
جزوِ آب و گل سے ہو جب تک کہ انساں کا خمیر — قبضۂ تسخیر میں جب تک کہ ہوں روحانیاں
قدرتِ تکوینِ خلاقِ جہاں سے جب تلک — ہوں موالیدِ ثلٰثہ رونق افزائے جہاں
دورۂ گردوں ہو خطِ محوری پر جب تلک — ہوں بروج و منطقہ جب تک محیطِ آسماں
مہر سے کسبِ ضیا جب تک کرے ماہِ تمام — چادرِ شبنم میں گل جب تک کرے رخ کو نہاں
جب تلک زائل کرے امراض تاثیرِ دوا — ہوں معاجینِ مرکب باعثِ آرامِ جاں
اغذیہ سے جب تلک اخلاط کی تولید ہو — جب تلک اخلاطِ طبعی سے ہو تولیدِ رواں
یہ حواسِ خمسہ قائم جسمِ عالم میں رہیں — ان کو ظلِ [illegible] میں رکھے خلاقِ جہاں

ہو نمازِ پنجگانہ میں دعا ان کے لئے
پنجوقتی نوبت ان کے در پر دولت کا نشاں

غنچہ اقبال خنداں باغِ عالم میں رہے
یہ پھلیں پھولیں زمانہ میں مثالِ بوستاں

کر چکا گلہائے مدحت لے مظفر تو نثار
ہے ادب کی جا بس اب تو روک لے اپنی زباں

لطف مدحت میں نہیں دیتا ہے کچھ طولِ مقال
ختم کر اپنا قصیدہ مدح پر اب مدح خواں

رات دن جب تک ہیں قائم جب تلک صبح و مسا
مالکِ بھوپال ہو عالم میں جب تک حکمراں

افسوس کہ صدر نشینی کے چھ ماہ بعد نواب صاحب بہادر کا دفعۃً انتقال ہو گیا۔ آپ کی جوانمرگی کا حادثہ بھی نہایت اندوہناک ہے۔

۲۳ رمضان ۱۳۱۹ ہجری کو دن میں روزہ رکھا شام کو افطار کیا محلسرا میں تشریف لے گئے۔ بعدہٗ باہر آکر ہمایوں منزل میں ۱۲ بجے تک کاغذات کے لکھانے میں مصروف رہے۔ نیند کا غلبہ ہوا۔ غالیچہ پر چادر اوڑھ کر سو رہے۔ سحری کے لئے ایک خادمہ محل سے آئی۔ اس نے جگانا چاہا مگر آواز نہ آئی۔ ہلچل پڑ گئی۔ بیگم صاحبہ نے خود آکر بیدار کرنے کی کوشش کی مگر کچھ آثار زندگی نہ نظر آئے۔ بعض اطبا و ڈاکٹروں نے سکتہ تجویز کیا کسی نے خیال کیا کہ سمی مادّہ دماغ سے قلب پر گرا اور روحِ حیوانی ساقط ہو گئی۔ گوہر اقبال میں سرکار عالیہ بیگم صاحبہ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ ان کے ناگہانی مرض کے متعلق یہ تشخیص کیا گیا کہ بحالت خواب شہرگ کسی وجہ سے پھٹ گئی اور اس کا خون آہستہ آہستہ دماغ میں پہنچا جس سے نیند کو غلبہ ہوا آخر میں دل کمزور ہو گیا اور اس کی حرکت بند ہو گئی جسب دستور صاحب پولٹکل ایجنٹ کو تار دیا گیا وہ بھی آئے اور ڈاکٹری تحقیقات ہوئی سب علاج سے مایوس اور مرگِ مفاجات کے قائل ہوئے۔ بالآخر ہزار رنج و الم اس مہر چرخ ریاست کو باغ حیات افزا میں زیر خاک نہاں کیا۔ اس حسرتناک وفات سے بھوپال پر غم کا بادل چھا گیا تھا۔ راقم نے کئی تاریخی مادّے اس سانحہ کے متعلق نکالے اور قطعات

موزوں کرکے صاحبزادگان جلیل القدر کی خدمت میں مولوی علاء الدین صاحب کی معرفت پیش کیئے۔ منجھلے صاحبزادے تاریخی مادّہ کے شایق بھی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ جب حکیم صاحب کے ہمراہ راقم نواب نصراللہ خاںؒ بہادر ولی عہد کی خدمت سے اٹھکر کرنل صاحبزادہ حافظ محمد عبیداللہ خانصاحب بہادر کے پاس حاضر ہوا اور مولویصاحب موصوف نے بالفاظ مناسب تعارف کرایا تو صاحبزادہ ممدوح نے راقم سے دریافت کیا تھا کہ صدر نشینی کے متعلق کوئی تاریخی مادّہ نکال کر آپنے قطعہ موزوں کیا ہی۔

افتخار الملک نواب زادہ حاجی محمد حمیداللہ خاں بہادر بی اے چیف سکریٹری ریاست بھوپال سے بھی دو بار احقر کو ملاقات کا فخر حاصل ہوا ہی۔ آپ بیگم صاحبہ کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں اور والیان ملک کی اولاد کے سلسلہ میں آپ گریجوئٹ ہیں قدرت نے قابلیت کے ساتھ آپکو سنجیدگی کا جوہر بھی عطا کیا ہی۔

قطعات رحلت جناب نواب صاحب مرحوم و مغفور

بشد ماتمی ملک بھوپال حیف	مشیر ریاست برفت از جہاں	تہی گشت صد حیف عشرت کدہ	زاحمد علیخان خلد آشیاں
شجاع و خردمند با عدل و داد	ز دُنیائے دوں شد رواں ناگہاں	بزیر زمیں رفت ماہ منیر	بچشمم سیہ گشت این خاکداں
دعا کن مظفر کہ رب قدیر	عطا کن بہ نواب باغ جناں	طفیل جناب شفیع الامم	کند مغفرت خالق انس و جاں
شکیبائی و صبر باشد عطا	الٰہی بہ سرکار و شہزادگان	مظفر پئے سال چون فکر شد	بگفتم ولا گشت جنت مکاں

۱۹ ۱۳ ھ

لہ ۵ جنوری ۱۹۲۲ء یوم پنجشنبہ کو دوبارہ جب ولیعہد صاحب بہادر کی ملاقات کا شرف راقم کو حاصل ہوا تو ولیعہد صاحب ممدوح نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے تاریخ نام مظفری کے متعلق فرمایا کہ نہایت دلچسپی سے دیکھونگا اور ایک قطعہ تاریخ نواب احتشام الملک کے وفات کا سُنا تو کلمات تحسین و توصیف سے داد دی اور فرمایا کہ جو نواب سلطان دولھا بہادر کے حالات آپنے لکھے ہیں وہ بھی نہایت خوشی کے ساتھ میں دیکھونگا۔ خانبہادر سید محمد مہدی سابق کلکٹر ہردوئی جو اسوقت موجود تھے فرمانے لگے کہ عرصہ کے بعد ان سے میری ملاقات ہوئی مگر انکی صورت مجھے یاد رہی تھی۔

ہنوز یہ کتاب طبع ہوکر مطبع سے نہ آنے پائی تھی کہ صد حیف ۳ رصفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۳ ر ستمبر ۱۹۲۴ء کو پچاس سال کی عمر میں جناب عالیجاہ نواب محمد نصراللہ خانصاحب بہادر ولیعہد ریاست بھوپال کرنل افواج برطانیہ کے سی ایس آئی نے انتقال فرمایا۔ آپکی جوانمرگی پر ساری دُنیا کو نہایت اندوہ ہوا۔

لہ افسوس کہ منجھلے صاحبزادہ حاجی حافظ محمد عبیداللہ خانصاحب بہادر عرف جنرل صاحب نے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہوکر ۲۴ رمارچ ۱۹۲۴ء مطابق ۱۷ شعبان ۱۳۴۲ ہجری روز دوشنبہ کو ۴۸ سال و چند روز کی عمر میں رحلت کی اور تمام ملک میں خاص و عام کو غیر معمولی صدمہ پہنچا۔

لہ ماہ مارچ ۱۹۲۶ء کو بعض اخبارات کے ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ بعد انتقال اپنے بڑے بھائی نواب نصراللہ خانصاحب ولیعہد کے ہز ہائنس نواب افتخار الملک بہادر حسب الحکم ملک معظم جارج پنجم بادشاہ انگلستان و ہندوستان کے ولیعہد مقرر ہوئے اور سرکار عالیہ یعنی آپکی والدہ محتشمہ نے اپنی حکمرانی کے اختیارات بھی آپکو عنایت کر دئے۔ راقم کو آپکی اس کامیابی پر کہ ہر طرح آپ زون و حقدار تھے غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی از راہ خلوص تہنیتاً چند قطعات تاریخ جناب مظفر کی [illegible]

ایضاً اُردو

عجب عبرت فزا ہی شہرِ خاموشاں زمانہ میں — حسینانِ جہاں خاکِ لحد پر آہ سوتے ہیں
ملے ہیں خاک میں خوبانِ عالم اُن کے بالیں پر — نہیں کوئی فقط اگلے فنا نے ان کو روتے ہیں
جوانمرگی قیامت خیز ہے دنیائے فانی میں — ہلا دیتے ہیں دل کو یہ حوادث ایسے ہوتے ہیں
ہوا ہی حال میں ایک سانحۂ جاں کاہ عالم میں — کہ جس کے ذکر سے ٹکڑے جگر کے دل کے ہوتے ہیں
ہوئی ہی رحلتِ نوابِ عالی جاہ دنیا سے — کہ جس سے رنج ہی بھوپال کو سب لوگ روتے ہیں
مبارک نام تھا احمد علی خانِ بہادر کا — شجاع و منتظم خوش رو جواں کم ایسے ہوتے ہیں
قضا آئی جوانی میں نہ نکلے حوصلے دل کے — لحد پر حیف سب ارمان ان کے ان کو روتے ہیں
ہوا ہی احتشام الملک کی رحلت کا وہ صدمہ — کہ دردِ ہجر سے احباب ان کے جان کھوتے ہیں
بلا شک چھا گیا ہے ابرِ غم ساری ریاست پر — ہماری کشتیٔ ہستی کو اشکِ خوں ڈبوتے ہیں
مظفر بھی جو فکرِ سال ہاتف نے کہا لکھو — حیات افزا میں والا زادِ عالی جاہ سوتے ہیں

ان قطعات کے علاوہ اور بھی چند تاریخی قطعے ہیں ایک قطعہ جس کا یہ شعر ہے ؎

حیف صد حیف کہ نواب نظیر الدولہ — عازمِ ملکِ بقا گشت بماہِ رمضاں

طول طویل ہی اس کے سوا اور بھی قطعہ ہی جس کا تاریخی مصرع ؎ فراقِ احتشام الملک بھوپال تعمیہ سے موزوں کیا گیا ہی مگر ان سب کی نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ راقم نے جب نواب صاحب کی تصویر کے لئے نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ سے درخواست کی تو جناب ممدوحہ نے دو تصویریں مرحمت فرمائیں اور اس کے بعد جو جواب صادر ہوا[1] اس کی نقل بنا بر ثبوت حاشیہ پر درج ہی۔

---

[1] آفس میموریڈم یادداشت دفتر سکرٹریٹ ریاست بھوپال صیغۂ ڈیوڑھی خاص نمبر متفرق مورخہ دہم جدی ۱۳۲۷ محمدی ہفتم ذی الحجہ ۱۳۲۶ ہجری مثل نمبر ۳۷ مراسلہ ۵۹، بخدمت مظفر حسین خاں صاحب شاہ آبادی - آپ کی عرضی معروضہ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۶ ہجری کے جواب میں اطلاع دی جاتی ہی کہ جس شان کی شبیہہ نواب احتشام الملک بہادر مرحوم آپ چاہتے ہیں ایسی کوئی فوٹو نہیں ہی فقط آپ کا خیر اندیش سکرٹری ڈیوڑھی خاص

حکیم صاحب کی افسوسناک وفات

آغاز سرما میں تداخل فصلین کی کیفیت پیدا ہوئی تو حکیم صاحب تپ و لرزہ میں مبتلا ہو گئے۔ علاج سے مرض میں تخفیف نمایاں ہوئی مگر بیماری کا سلسلہ نہ ٹوٹا۔ کبھی کبھی بخار آجاتا تھا۔ اول تو ضعیفی دوسرے مرض ضعف بڑھتا ہی گیا۔ اس دار فنا میں کل نفس ذائقۃ الموت کا عمل ہر متنفس پر پورا ہونا امر ضروری ہے چنانچہ ۲۷۔رجب المرجب سنہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء شب جمعہ کو حکیم صاحب نے ۸۰ برس کی عمر میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مرحوم کی افسوسناک موت سے شاہ آباد کی ناموری کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کی اس دائمی مفارقت نے جملہ اعزہ واحباب کو سخت غمگین بنا دیا۔ حکیم صاحب کی وفات اور تجہیز و تکفین ایسے عمدہ طریقہ سے ہوئی جس سے مقبولیت و مغفرت کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ گور و کفن کے انتظام کے لئے منشی احمد حسین خاں صاحب میر دبیر ریاست جو ایک نیک و سنجیدہ انسان ہیں علی الصباح آ گئے۔ اور اس اہتمام میں مصروف ہوئے۔ مولوی اعظم حسین صاحب مہاجر خیرآبادی نے جو صوفی منش اور مرتاض بزرگ تھے اپنے ہاتھوں آب زمزم سے جو بکثرت موجود تھا غسل دیا۔ اور حنوط وغیرہ کے لئے متبرک خوشبو دار مٹی عرب سے لائی گئی تھی۔ اُس سے بال دھوئے گئے۔ اور وہ بابرکت کپڑہ جس کو حکیم صاحب مکہ معظمہ سے اس دن کے لئے لائے تھے کفن کے کام میں لایا گیا۔ جنازہ عین نماز جمعہ کے وقت جامع مسجد میں پہونچ گیا اور بعد نماز جمعہ ہزاروں نمازیوں نے جس میں بہت سے علما و صلحا شامل تھے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور اس حالت میں جب کہ باران رحمت کا نزول ہو رہا تھا جنازہ مسجد سے لیجا کر تکیہ قلندر واقع بھوپال میں پہونچایا گیا مفتی محمد ایوب صاحب کی قبر کے قریب حکیم صاحب دفن کئے گئے یہ جملہ اسباب حسن بخشش کے جو مادہ تاریخ سے ظاہر ہیں خود بخود غیب سے پیدا ہو گئے تھے کیوں کہ ایسی متبرک تاریخ کو جس میں شب معراج تھی رحلت کا ہونا اور آب زمزم

سے ایک باخدا شخص کے ہاتھوں غسل پاکر متبرک کپڑے سے کفن دیا جانا اور مسجد میں بعد نماز جمعہ کے جنازہ کی نماز ادا ہونا اور پھر جنازہ پر ابر باراں سے جو رحمت الٰہی کا نمونہ تھا ترشح و تقاطر ہونا یہ سب مغفرت کے آثار نمایاں تھے۔ یہ حکیم صاحب کی مقبولیت دعا کا اثر تھا کہ مولوی صدیق حسن خاں کی وجہ سے بلا سبب ریاست سے چلے آئے تھے اور باعتبار بشریت ان کے دل میں اس کی حسرت تھی۔ آخری وقت میں وہی خدا نے پوری کر دی۔ اور اپنی قدیمی جگہہ پر پہونچکر بھوپال میں دار فنا سے عالم بقا کی طرف روانہ ہوئے۔

صد حیف کہ شاہ آباد کا سرمایۂ ناز دنیا کے جھگڑوں کو ترک کر کے بھوپال کے تکیہ قلندر میں خدا کی ذات پر تکیہ لگائے سو رہا ہے۔ کئی برس ہوئے کہ راقم مدراس و بمبئی و حیدرآباد کے سفر سے واپس آتے وقت اثنائے راہ میں بھوپال کا اسٹیشن آیا تو وہاں اتر پڑا۔ فاتحہ خوانی کے لئے حکیم صاحب کی قبر پر گیا تو دیکھا کہ مدفن اچھی جگہہ ہے۔ قبر پر سبزہ لہلہا رہا ہے۔ اُس زمانہ میں حاجی مصطفےٰ خاں زندہ تھے جو روز بلا ناغہ مزار کی صفائی اور سبزے کی آبپاشی کیا کرتے۔ حکیم صاحب کی رحلت کے متعدد قطعات اردو فارسی میں اخوان نے لکھے منجملہ دیگر قطعات کے یہ مصرع تاریخ بھی ہے "آگاہ فیض عام گیا" حسب حال ہاتھ آیا بعض قطعات اس جگہہ نقل کئے جاتے ہیں ؎

حکیم فرشتہ صفت نیک طینت — سوئے حضرت حق تعالیٰ روان شد
نگر دو کیسہ تیرہ و تار عالم — کہ آں مہر پنہاں ز چشم جہاں شد
ز آثار ہنگام تجہیز و تکفیں — برو فضل خلاق عالم عیاں شد
کہ از آب زمزم شدہ غسل میت — ہم از جامۂ کعبہ تکفین آں شد
بجوش و خروش آمدہ ابر رحمت — چو تابوت آں سوئے مدفن رواں شد
بہ بھوپال شد دفن آں گنج خوبی — مہ بذل و احساں ز چشم نہاں شد
ز شاہ اودھ یافت فرمان و خلعت — با عزاز محمتاز در ممبراں شد

عطا شد بہ بھوپال کرسی عزت　　　رئیسہ مجالش بما مہرباں شد
ہمیں بود یک از اطبائے حاذق　　　دریغا کہ او نیز از رفتگاں شد
بسر عمر خود کرد در جاہ و رفعت　　　بصد شان و عزت ز دنیا رواں شد
علم بود در علم و خلق و مروت　　　فغاں کز جہاں یادگار جہاں شد
ز مرگ و فراقش دلم گشت محزوں　　　باندوہ و غم چشم من خونچکاں شد
ہزار و سہ صد بست از سال رفتہ　　　کہ مخدوم من سوئے باغ جناں شد
مظفر پئے سال گفتہ سروشی　　　کہ عالی مناقب بجنت رواں شد
۲۰ ۱۳ ھ

ایضاً

طبیب حاذق و مشہور دوراں　　　کہ شہرت ز فیضش بیکراں بود
مہ چرخ ہمہ دانی بلاشک　　　بحکمت او ارسطوئے زماں بود
مبارک اسم فرزند علی وحشت　　　مسیحائے مریضان جہاں بود
طبیب و عالم و حاجی و زاہد　　　ہمہ اوصاف در ذاتش عیاں بود
چناں آوازہ فیضش رسیدہ　　　کہ یک عالم بسوئے او رواں بود
چو ہم جمعہ گشتہ انتقالش　　　بوقت نزع کلمہ بر زباں بود
دعائے مغفرت کن بہر استاد　　　کہ آں بر تو نہایت مہرباں بود
مظفر بہر سالش گفت ہاتف　　　بشر لایق بہشتی نکتہ داں بود
۱۹ ع

اشعار اردو

گردشِ چرخ سے نیرنگ ستم ہے برپا　　　چمن دہر کو صد حیف خزاں نے لوٹا

بال سنبل نے پریشاں کئے ہیں دیکھو — بار اندوہ سے ہے نخل صنوبر بھی جھکا
خشک شاخوں پہ نظر آتے ہیں کچھ دو طائر — جن کے نالوں سے ہے اک شور قیامت برپا
چشم نرگس سے ہے بصورت شبنم آنسو — اشک حسرت کے رواں ہو گئے ہر سو دریا
نہر گلزار ہوئی دیدۂ گریاں صد حیف — کف افسوس ہر اک ملتا ہے غم سے پتا
روئے شبنم رخ انور کو چھپا کر اپنے — صحن گلشن کو جو اجڑا ہوا اس نے دیکھا
خار غم کے ہیں چبھے دامن گل میں لاکھوں — یاسمن یاس کے دریا میں کھڑا ہے ڈوبا
گل سے بو سے ہے یک لخت برستی وحشت — لب سوسن پہ کبھی آہ کبھی ہے نالا
کھل گئے آج زمانہ میں الم کے چشمے — اٹھ گیا عیش و مسرت کا جہاں سے چرچا
دل بیتاب نے بجلی کے دکھائے انداز — چشم خونبار نے رو رو کے بہائے دریا
شادمانی کی نہیں جنس میسر آتی — فکر اندوہ کا ارزاں ہے نہایت سودا
قابل عیش نہیں ہے یہ جہان فانی — یاں کے ہنسنے پہ رلاتا ہے زمانہ کیا کیا
اس کے تریاق میں ہے زہر ہلاہل شامل — یاں کے ہر وصل کا ہے ہجر نتیجہ ہوتا
موت آتی ہے تو مہلت نہیں دیتی دم کی — زیست دنیا میں ہے اک نقش طلسمی گویا
پار اتریں گے وہی بحر جہاں سے اے دل — جو سبکدوش رہے حرص سے دنیا کے سدا
یاد حق میں ہو بسر زندگی چند نفس — زاد عقبیٰ ہے فقط نیک عمل حب خدا
عمر گھٹتی ہے اور اعمال زبوں ہیں بڑھتے — اس طرح دہر میں رہنے سے نہ رہنا اچھا
ہاں بھلائی کو تحفظ ایک رہے گی باقی — ورنہ ہر چیز کی ہستی کو ہے اک روز فنا
اٹھ گیا آج زمانہ سے وہ مشہور زمن — شہرۂ آفاق میں تھا جس کی مسیحائی کا
باعث فخر وطن خاتمۂ ناموری — حامیِ شرع متیں معدن الطاف و عطا

سیّد و عالم و حاجی و طبیبِ حاذق — یعنی فرزند علی صاحبِ اخلاق و وفا

بالیقیں اُن میں بھی اوصافِ گرامی وہ تھے — جیسے گزرے ہیں بزرگانِ سلف اہلِ صفا

والیئے ملک کیا کرتے تھے خاطر ان کی — نامی حکام رہے اُن پہ عنایت فرما

علم تحصیل کیا لکھنؤ دہلی جا کر — ایک مدت رہی بھوپال میں رونق افزا

آپ نے ہند کی دو بار سیاحت کرکے — حج بھی حاصل کیا اور ملک عرب بھی دیکھا

اب تو امید نہیں مجھکو کہ اس قصبہ میں — علم و اخلاق میں اور فیض میں جو ہو ایسا

آپکے جدِ گرامی تھے جو عبد الرزاق — جن کا مشہور تخلص ہے یمنیؔ ہر جا

شہرۂ آفاق ہیں مشہور کتابیں اُن کی
تھے وہ دریائے لیاقت کے ثنا در یکتا

یہ قطعہ طول طویل ہے حکیم صاحب کی وفات کے بعد جب تک یہ سوانح عمری نہیں لکھی گئی تھی میں نے حکیم صاحب کے کچھ حالات نظم کئے تھے مگر چوں کہ اب وہ واقعات نثر میں تحریر ہو چکے لہذا ان کا مکرر اشتمال میں لانا اعادۂ بیجا اور تحصیل حاصل ہے۔

چوں کہ مرحوم مغفور کی وفات سے راقم کو نہایت ملال ہوا تھا اس صورت میں مفصل طور پر حالات نظم کرنا غم غلطی کا مشغلہ سمجھا لہذا بارہ تاریخی مادے اور چند متفرق اشعار موزوں کئے جو اب تک بیاض میں موجود ہیں اُن سب کا لکھنا موجب طوالت خیال کیا گیا حکیم صاحب راقم کے اُستاد ہی نہ تھے بلکہ والد کے دوست ہونے کے باعث چچی شفیق تھے۔ ان کی افسوسناک رحلت سے علمی استفادہ جاتا رہا۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس قصبہ میں جو علم و فیض کی شمع روشن تھی وہ بجھ گئی۔ فی زمانہ ایسے لایق دیندار کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ ارحم الراحمین اپنی رحمت نامتناہی سے جنت الفردوس میں ان کو مراتب بلند مرحمت فرمائیے۔ یہ ان کی شفقت و مرحمت ہی کا اثر ہے کہ راقم نے منتشر کاغذات بڑی تلاش سے فراہم

گئے اور اپنے ذاتی امور کا ہرج کرکے ان کو قلمبند کیا۔ یقین ہے کہ اس محنت شاقہ سے جو آپ کے نام روشن کرنے میں برداشت کی گئی، حکیم صاحب کی رُوح اس عاجز سے خوش ہوگی۔ اور خداوند کریم حق استادی ادا کرنے کے صلے میں اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

حکیم صاحب کے متعلق نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج الہند فرمانروائے بھوپال کے خیالات

یہ مضمون لکھنؤ سے ایک پمفلٹ میں چھپ کر شائع ہوچکا ہے کہ حکیم صاحب کے انتقال کے روز سرکار عالیہ نے محکمہ جات ریاست میں عام تعطیل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اور تمام دفتر بند ہوگئے تھے۔ مولوی سید علی صاحب اور حکیم سید عابد علی صاحب کا بیان ہے کہ ہم رحلت کے زمانہ میں بھوپال پہونچ گئے تھے۔ بعد انتقال جناب حکیم صاحب کے حسب قاعدہ ریاست سے صفائی حاصل کرنا چاہی اور دردولت پر حاضر ہوئے اور اس بارہ میں سرکار عالیہ سے عرض کیا تو بیگم صاحبہ نے صفائی کی نسبت فرمایا کہ حکیم صاحب کی شفقت و محبت اس ریاست کے ساتھ قدیم سے وابستہ رہی ہے اور میرے ساتھ پدرانہ شفقت رکھتے تھے۔ حکیم صاحب کی صفائی میں خود ہوں۔ انھوں نے ہمیشہ اس ریاست کے ساتھ عموماً اور میرے ساتھ خصوصاً خیرخواہی کی مگر افسوس کہ اس کا کچھ نتیجہ اور حظ نہیں حاصل کرنے پائے۔

پرورش پس ماندگان کے متعلق بھی بیگم صاحبہ نے خود ہی ارشاد کیا کہ سید غلام علی حکیم صاحب کے فرزند اور نیز ان کی والدہ کے لئے پچیس روپیہ ماہوار ریاست سے مقرر کئے گئے۔ اور جب تک یہ لڑکا جس کی عمر اس وقت تیرہ چودہ برس کی ہے اپنے باپ کی جگہ کے قابل ہو۔ اس کی تعلیم پر پوری کوشش

کرنا چاہیئے۔ اس گفتگو کے بعد وہ حضرت ہمراہ حس سے رخصت ہو کر اپنے جائے قیام پر آئے تو چوبدار بقیہ تنخواہ اور دو سو روپیہ بنا بر سفر خرچ اور ایک پروانہ جو سید غلام علی اور ان کی والدہ کی جدید ماہوار کے بابت تھا لے کر آیا۔ اس کے بعد حکیم صاحب کے متعلقین بھوپال سے رخصت ہو کر اپنے وطن شاہ آباد میں چلے آئے۔

حکیم صاحب کی اولاد و ازدواج

حکیم صاحب کی پہلی بیوی سے جو میر حبیب اللہ صاحب کی دختر تھیں کئی اولادیں ہوئیں ان میں سے صرف دو لڑکیاں زندہ رہیں۔ ایک میر سرفراز علی صاحب کو اور دوسری حکیم سید عابد علی صاحب کو منسوب ہوئیں۔ مگر دونوں حکیم صاحب کی حیات ہی میں انتقال کر گئیں۔ جب حکیم صاحب کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا تو حکیم صاحب کو میر حبیب اللہ صاحب کی دوسری صاحبزادی بیاہی گئیں جن کے بطن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پہلے فرزند کا نام محب علی تھا جو ذکی اور ہونہار معلوم ہوتے تھے مگر افسوس کہ ماہ رمضان ۱۳۱۲ھ کو شمع سے دامن میں آگ لگ گئی اور جل کر مر گئے۔ اب صرف سید غلام علی مدعمرہٗ باقی ہیں۔ جن کا نام مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی نے رکھا ان کے علاوہ ایک دختر بھی زندہ ہے۔ تیسری بیوی سے حکیم صاحب کی کوئی اولاد موجود نہیں ہے۔

حکیم صاحب کی مُہر اور تصویر

حکیم صاحب کی پہلی مُہر (فرزند علی ابو محمد حسن است) دوسری (حکیم فرزند علی افسر الاطبائے ریاست بھوپال) اور تیسری (معالج الدولہ حکیم سید فرزند علی خان بہادر) تھی۔ یہ خطابی مُہر شاہ اودھ نے معہ خلعت کے مرحمت فرمائی تھی حکیم صاحب بلحاظ شرع تصویر کھنچوانے سے پرہیز کرتے تھے۔ مگر بندۂ

تربھون ناتھ صاحب لکھنوی کشمیری نے جو شاہ آباد میں منصف تھے۔ بعد ازاں سب جج ہوئے اور پھر ریاست اودیپور میں چیف جسٹس مقرر ہوگئے ایک روز حکیم صاحب کو بُلوایا اور جناب موصوف وہاں تشریف لے گئے۔ پنڈت صاحب نے انھیں فوٹوگرافی کا کیمرہ دکھلایا اور کہنے لگے جناب حکیم صاحب اس کیمرہ کو دیکھئے کہ زمانہ کے ساتھ ترقی کرتا جاتا ہی اور روز بروز کیسی کیسی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں۔ حکیم صاحب نے بغور کیمرے کی طرف دیکھا اور تصویر کھنچ گئی اُس وقت خان بہادر حکیم خادم حسین خاں بھی موجود اور تصویر کشی میں شریک تھے۔ یہ حسن اتفاق کہ اس صورت سے فوٹو کھنچ گیا اور ہمیں موقع ملا کہ حکیم صاحب کے حالات کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں ان کی تصویر بھی پیش کردیں۔

حکیم صاحب کے طبعی شوق

حکیم صاحب کی عمر کا زیادہ حصہ اُمراء کی ہم نشینی میں بسر ہوا۔ اسی کا اثر تھا کہ ہر بات میں نفاست پسندی ظاہر ہوتی تھی۔ خوش لباسی کا بہت شوق تھا۔ کتابوں سے نہایت دلبستگی تھی۔ چنانچہ عمدہ کتب کا ایک ذخیرہ فراہم کرلیا تھا مگر افسوس کہ ان کتابوں کا بڑا حصہ آپ کے انتقال کے بعد جب ورثہ میں جھگڑے شروع ہوئے تو غارت گیا۔ جو کتابیں بچیں ان کو کچھ ورثا نے تقسیم کرلیا۔ حکیم صاحب کو آموں کا اس درجہ شوق تھا کہ ان کا کھانا ہی نہیں ان کا تذکرہ بھی غذائے رُوح تھا۔ ہر آم کے رنگ بو ذایقہ کی کیفیت اور اُس کی خاصیت بیان کرتے۔ بعض آموں کے جُدا جُدا درجے قایم کئے تھے۔ ایک مرتبہ ثریا جاہ شاہ آباد آئے اور کچھ بیمار تھے جس وقت آئے ہیں اس وقت آم کھائے جا رہے تھے اُنھوں نے آم کھانے کی خواہش کی اور چوں کہ حکیم صاحب ہی ان کے معالج تھے لہذا اُن سے اجازت چاہی حکیم صاحب نے موجودہ آموں میں ایک آم جو سردا کہلاتا ہی مغز سفید ہوتا ہی اور اس میں ایک قسم کی خنکی پائی جاتی ہے بتلایا اور راقم کے روبرو فرمایا کہ بہ نسبت دوسرے آموں کے اس میں گرمی کم ہے

فن باغبانی میں بھی حکیم صاحب کو دخل تھا۔ اکثر قلم کے پیوند لگانے اور اُس بندش کی باریکیاں بیان کرتے تھے۔

حکیم صاحب ہی کا شوق تھا جس نے سب سے پہلے شاہ آباد کے اقسام انبہ میں اضافہ کیا۔ پیشتر شاہ آباد میں بجز زعفران باسط نگرانناس بگوخاں خلیل۔ ناخطائی یعنی سرخیا حافظ غلام علی خاں سلیمانی دوشاخی آمن قطبی صاحب۔ بادشاہ پسند جمعہ خار وغیرہ کے جو یہاں کے قدیمی آم ہیں۔ یا بمبئی کے اور کوئی قسم شاہ آباد میں موجود نہ تھے۔ اور نہ اُس زمانہ تک ریل گاڑی شاہ آباد میں جاری ہوئی تھی لنگڑے کے نام سے یہاں کسی کو وقفیت نہ تھی۔ حکیم صاحب نے محمد امین خاں صاحب اختیارپوری سے جن کے ساتھ حکیم صاحب کے گہرے دوستانہ مراسم تھے لنگڑے کے خوش ذائقگی کا تذکرہ کیا اور خاں صاحب موصوف جن کو یہاں قلمی باغات نصب کرنے میں سب سے اوّلیت حاصل ہے لنگڑے کی قلم منگوانے میں شریک ہوئے اور حکیم صاحب نے اپنے اور ان کے لئے کسی دوست کی معرفت چند درخت بنارس سے منگوالئے۔ جہاں تک ریل پہونچی تھی ریل گاڑی پر اس کے بعد کہاروں کے ذریعہ سے وہ درخت شاہ آباد میں لائے گئے۔ اِس کے بعد لوگوں کو لنگڑے کے خوش ذائقہ ہونے کا حال معلوم ہوا اور وہ آم بستی کے تمام باغوں میں ہوگیا۔ اسی سلسلہ میں حکیم صاحب نے آموں کے متعلق ایک خط اپنے دوست مولوی محمد شاہ صاحب کو لکھا اور مولوی صاحب موصوف نے کلکتہ سے نہایت منتیانہ مضمون کا یہ جواب تحریر کیا کہ دراصل آموں کا گھر بنگالہ ہے۔ اور جہاں کہیں آم ہیں مسافر ہیں۔ دیگر مقامات میں اسی ملک سے گئے اور بہ نسبت یہاں کے دوسری جگہ نگالی پیا ہیں۔ مٹیا برج میں واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے یہاں نواح لکھنؤ سے آم آتے ہیں اور بنگالی آموں کے مقابلہ میں کاٹے جاتے ہیں مگر وہ اچھے نہیں نکلتے۔ یہ خط پڑھ کے حکیم صاحب نے کلکتہ سے آموں کے منگوانے کا بندوبست کیا۔

بھاگلپوری آموں کے آنے کا واقعہ یوں ہے کہ حکیم صاحب کے ذریعہ سے مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب کانپوری مالک مطبع نظامی اور حاجی محمد امین خاں صاحب شاہ آبادی میں راہ و رسم بڑھا اور خاں صاحب نے کانپور میں آم بھیجے تو عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم نے ان آموں کی تعریف اپنے اخبار نورالانوار میں چھاپی کہ شاہ آباد کے رئیس حاجی محمد امین خاں صاحب نے جو آم مجھے بھیجے تھے اُن میں زعفران نہایت دل آویز و خوشگوار تھا اس کے مغز کی رنگت اور خوشبو مثل زعفران کشمیر کے خوش رنگ لطیف و نفیس تھی اور انناس میں اصلی نام کی عطریت غالب تھی انگوری کی مٹھائی بہت صاف و پاکیزہ تھی۔ اس کو پڑھ کر شیخ خادم حسین صاحب مالک کارخانہ انبہ بھاگلپور نے محمد امین خاں صاحب سے خط و کتابت شروع کی اور پیشتر بطور مبادلہ آموں کے پارسل آنے گئے۔ جب ایک دوسرے کو یہاں وہاں کے آموں کا ذائقہ معلوم ہوا تو حسب پسند قلمہائے انبہ منگوائے اس کے بعد خان بہادر حکیم خادم حسین خاں صاحب نے شاہ آباد میں کارخانہ کھولا پھر خواجہ سید کاظم حسین صاحب رئیس شاہ آباد نے حکیم سید فرزند علی صاحب کی ترغیب سے قلمی باغ نصب کیا اور کارخانہ انبہ[1] جاری کیا۔ اور اب مختلف مقامات کے مشہور پیوندی درختوں کے آجانے سے آموں کی بیحد ترقی ہو گئی ہے حتیٰ کہ شاہ آباد آموں کی منڈی ہو گیا۔

حکیم صاحب کی موزوں طبعی

شعر و سخن سے حکیم صاحب کو موروثی مناسبت تھی۔ اس لئے کہ یہ فن ان کے آباؤ اجداد سے چلا آتا تھا۔ مگر حکیم صاحب کو اس شغل کی طرف زیادہ توجہ نہیں رہی۔ یہ نہیں کہ طبیعت میں شعر و سخن کا مذاق نہ ہو بلکہ

[1] یہ حکیم صاحب کا ہی طفیل تھا کہ اُن کی ترغیب سے خواجہ سید کاظم حسین صاحب موصوف نے باغ لگا کر اُس کو یہاں تک معراج ترقی پر پہنچایا کہ اس وقت ان کے باغ اور کارخانہ میں کئی ہزار درخت آم کے موجود ہیں جن میں بیحد باقسام کے انتخاب روزگار پھیلے ہیں کوئی ملک کوئی دیار ایسا باقی نہیں کہ جس کا مشہور انبہ خواجہ صاحب نے نہ منگوایا ہو دیگر مقامات کی زمین کو ایسا مجموعہ نصیب نہیں ہوا اور ان کے ہمچشم نے اتنا بڑا باغ بھی نہ لگایا ہوگا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ حکیم صاحب کی تشویق و ترغیب کا ہے

اس شوق میں بہت زیادہ انہماک نہ تھا۔ ایک مناجات تصنیف بھی کی تھی۔ اس مناجات کو حکیم عابد علی صاحب نے نرسنگھ گڈھ میں دیکھا تھا مگر افسوس کہ ہمیں دستیاب نہیں ہوئی۔ نثر میں بھی ایک کتاب "مطوبہ مخزن الادویہ ہندوستانی جڑی بوٹی کے افعال و خواص میں لکھی تھی جو ناتمام رہ گئی۔ راقم نے آپکی بیاض میں اکثر مجرّب نسخے اور نادر اشعار لکھے ہوئے دیکھے۔ مگر بعد انتقال اس بیاض کو ایک کسی عزیز نے اڑا لیا اور ہم مرحوم کے کلام سے محروم رہ گئے۔ مگر اشعار سُننے کا نہایت شوق تھا اپنی طرف سے فرمایش نہ کرتے مگر جب کوئی اشعار پڑھتا تو دلچسپی سے سُنتے اکثر کلام میں اصلاح بھی دیا کرتے تھے۔ اور اس کے نقص بتلا دیتے۔ بارہا راقم کے اشعار میں بھی اصلاح فرمائی۔ منشی جمال الدین خاں صاحب مدارالمہام ریاست بھوپال بھی اپنے کلام میں حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے تالاب بنوایا اور مدارالمہام صاحب نے تعمیر تالاب کا قطعہ لکھا جس کا ایک مصرع یہ تھا ؎ "شہر بھوپال راشکِ سلطان" اور آخری شعر تھا ؎ سال تاریخش از جمال الدین چشمۂ فیض بے بدل بہا جب حکیم صاحب کو سُنایا تو انھوں نے بجائے شہر بھوپال کے ملک بھوپال بنا دیا۔ ملک کی لفظ سے جس قدر وسعت ہوگئی ظاہر ہے چنانچہ اس اصلاح سے مدارالمہام صاحب بھی بہت خوش ہوئے۔ ایک شاعر نے حکیم صاحب کی شان میں کچھ اشعار تصنیف کر کے پیش کئے وہ اشعار خوشخط لکھے ہوئے میرے پیش نظر ہیں۔ اُن میں ایک شعر ہے ؎

ہوا واقف وہ اسرارِ خفی کا　　بنا بندہ جو فرزندِ علی کا

حکیم صاحب نے اپنی قلم سے بجائے بندہ کے (پیرو) بنا دیا۔ حکیم صاحب کی مدح میں اور قطعات بھی موجود ہیں منجملہ ان کے بعض یہ ہیں ؎

کیا عرض کریں مرتبۂ آلِ عبا کو　　کونین کے سردار ہیں محبوبِ خدا ہیں
ایمان مفصل کا یہی ہے جُزِ اعظم　　فرزندِ علی صاحبِ احسان و عطا ہیں

ایضاً

بیمار ہوں مغموم ہوں مضطر ہوں مشوش   مدت سے مقید ہوں میں امراض جبلی میں
ہو مجھ پہ نگاہِ کرم و لطف خدارا   ہی عرض یہی حضرتِ فرزندِ علی میں

متقدمین کے صدہا شعر حکیم صاحب کو یاد تھے جن کو برمحل پڑھتے۔ منجملہ ان کے یہ شعر حکیم صاحب کو نہایت پسند تھا:

دُنیا طلبیدیم و بمطلب نرسیدیم   آیا چہ بود عاقبت بے طلب ما

مندرجۂ ذیل قطعہ کو جو عمر خیام سے منسوب کیا جاتا ہی کمال دلچسپی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے

دوش با عقل در سخن بودم   کشف شد در دلم مثالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش   دارم الحق بتو سوالے چند
گفتمش چیست زندگی دُنیا   گفت خوابیست یا خیالے چند
گفتمش چیست حاصلِ دُنیا   گفت دردِ سر و وبالے چند
گفتم ایں نفس کے شود رامم   گفت چوں یافت گوشمالے چند
گفتم ایں بحث اہلِ دُنیا چیست   گفت بیہودہ قیل و قالے چند
گفتم اہلِ زمانہ در چہ فن اند   گفت در بند جمع مالے چند
گفتمش چیست کدخدائی گفت   ہفتۂ عیش و غصہ سالے چند
گفتم او را مثالِ دُنیا چیست   گفت زالے کشیدہ خالے چند
گفتم اہلِ ستم چہ طایفہ اند   گفت گرگ و سگ و شغالے چند
گفتمش چیست گفتہ ہائے خیام   گفت پندیست حسب حالے چند

قطعہ ایں چنین

دو تائے نان اگر گندم است و گر از جو　　سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا از جو
چہار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع　　کہ کس نگوید از ینجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار نکو تر بہ نزد ابن یمین　　ز فرِ مملکت کیقباد و کیخسرو

حکیم سنائی کا یہ قطعہ حکیم صاحب کو از حد پسند تھا اس کو اکثر پڑھتے اور مزہ لیتے ؎

روزہا باید کہ تا یکمشت پشم از پشت میش　　زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل　　شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
ماہ ہا باید کہ تا یک قطرہ آب اندر شکم　　بادشاہِ ملک گردد یا عروسِ انجمن
سالہا باید کہ تا یک کودکے از لطفِ طبع　　عالمے دانا شود یا شاعرے شیریں سخن
قرنہا باید کہ تا یک سنگ اصلی آفتاب　　لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
عمرہا باید کہ تا گردون گرداں یک شبے　　عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن

یہ رُباعی جو دراصل ایک اخلاقی دستور العمل ہے اکثر پڑھا کرتے ؎

خواہی کہ ز غم خلاص باشی بجہاں　　در خانۂ خود مکن کسے را پنہاں
در حجت کس گواہی خود منویس　　ضامن مشو و امانت از کس مستاں

حکیم صاحب کبھی بحالتِ خوش طبعی اُردو یا فارسی کی کوئی چیستان یا معمہ سنایا کرتے۔
مفتی عبد الرسول صاحب بھوپالی جن کے مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی بوجہ ہمعمری کوئی مذاق کا فقرہ کہہ جاتے اور حکیم صاحب بھی اُسی طرح مذاق میں جواب دیتے۔ مگر باوجود ہم عمری کے طب میں مفتی صاحب اکثر حکیم صاحب سے استفادہ علمی کرتے تھے۔

حکیم صاحب کی عبارت کا نمونہ

حکیم صاحب علاوہ اُردو کے عربی و فارسی زبانوں میں بھی اچھی عبارت لکھتے تھے۔ اور انشا پردازی میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ نمونہ کے طور پر فارسی کا ایک خط اور عربی زبان کی ایک سند نقل کیجاتی ہے۔

نقل خط حکیم صاحب بنام میر حبیب اللہ صاحب تارک

جناب اخویصاحب قبلہ و کعبہ ما فدویان منشی سید حبیب اللہ صاحب دام مجدکم

بعد اداب تسلیمات فدویانہ و اشتیاق ملاقات کثیر المفاخرت معروض خدمت فیضدرجت باد۔ الحمد للہ کہ مع الخیر از جے پور براہ اجمیر شریف و نصیر آباد و در عرصہ قریب یکماہ بمقام نیمچ بتاریخ دوازدہم ماہ رمضان المبارک رسیدم و در مقام در اینجا مقرر شدہ است و بتاریخ پانزدہم ماہ موصوف از راہ مندسور بطرف بھوپال روانہ خواہم شد و اغلب کہ تا ہفتم یا ہشتم شوال داخل بھوپال خواہم شد حالا بفضلہ تعالی مزاج سرکار فیض آثار صحیح است و نواب صاحب بہادر[1] صحت کلی نیافتہ اند چونکہ فاصلہ شاہ آباد از اینجا بہ نسبت بھوپال زیادہ تر است لہذا طلب کردن رخصت موقوف بر وصول بھوپال داشتم حالا از جناب و دیگر بزرگان درین استشارہ می نمایم امرکہ مناسب باشد ارقام فرمایند تا موافق رائے تعمیل نمایم کہ در ماہ ذی الحجہ یا محرم الحرام تقریب بسم اللہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ صاحبزادی کلاں سرکار شدنی است و دران تقریب حضوریم نیز بہ ضرور پس اگر ارشاد در ماہ شوال رخصت گرفتہ روانہ وطن شوم و در اوائل ذیقعدہ در آنجا رسیدہ بست روز یا یکماہ در آنجا قیام

---

[1] مراد از ذات نواب باقی محمد خان صاحب بہادر عرف امراؤ دولہا صاحب شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ۔

کرده باز آیم و در این صورت اگرچه اتفاق قیام بر مکان کمتر خواهد شد و خرچ راه زیاده تر خواهد افتاد الا به فضل اللہ در آنجا خواهم رسید۔ صورت دیگر آن که بعد فراغت بسم اللہ و انقضائے برشگال در ماه کنوار قصد آن طرف نمایم در این صورت رخصت زاید حاصل خواهد شد و فصل هم برائے سفر خوب خواهد بود و از این هر دو امر هر چه مستحسن باشد ارقام فرمایند و مشفقی امجد علی خاں بروز سلخ شعبان معه جهابت و اشیائے مرسله جناب بدقت و صعوبت تمام بمقام نصیر آباد نزدم رسیده زبانی شان نیز از تحریر جناب حال خیر و عافیت جمله عزیزان دریافته سجده شکر بدرگاه حضرت واهب العطایا ادا ساخته و بر محرومی قسمت تاسف خوردم و آنچه مبالغ پنج روپیه مهاجن شاهجهانپور در بیٹه هنڈوی گرفت مواخذه آن لیسا هو کار بهوپال نمی تواند شد شاید که در آن ایام نرخ هنڈوی به سبب سیدن لشکر بهوپال در آن ملک همین بوده باشد و فرمایشات همگنان ان شاء اللہ تعالیٰ بشرط میسر آمدن در راه همراه خود خواهم آورد و آنچه جناب شکایت عدم التفاتم در تحقیق الفاظ مرسله اشاره ارقام فرموده اند صورتش اینست که در لکھنؤ فرصت دم زدن نیافتم که ثبت مواهیر علیها و آنجا بر محضر جناب اخوی سید شاء اللہ صاحب و سید نجف علی صاحب کرده آمده بودم چنانچه حال این امر از عریضه مرسله لکھنؤ واضح رائے عالی گردیده باشد در دهلی امجد علی خاں نزدم نرسیده بودند که از عنایت نامه جناب عدم پیروی عزیزان لکھنؤ واضح میشد و حالا دهلی آن دهلی نیست که در آن علمائے کاملین هر فن بودند تحقیق این لفظ در لکھنؤ یا ام پور البته می تواند شد خیر تدبیرش بعد رسیدن بهوپال خواهم کرد و مبالغ امانت برادر عزیز سید اولاد علی که نزد شیخ خدا بخش تاجر مولوی محمد شاه صاحب بروقت رفتن بیت اللہ شریف در مصر امانت نهاده بودند در این عرصه دو سه سال که مولوی صاحب موصوف در حرمین شریفین قیام کرده بودند کارخانه تجارت شیخ خدا بخش برهم شد و شیخ صاحب موصوف از مصر به کلکته آمدند پس مولوی محمد شاه صاحب بهمین سبب وقت معاودت به کلکته رفتند و از راه بمبئی در بهوپال

نیا مده اند شیخ خدا بخش صاحب چندے در وعده وعید گذرانیدند درین ایام مولوی محمد شاه صاحب
چندے اسباب اوشان بحسن تدبیر گرفته سپرد یا بعض احباب خود در کلکته نموده اند انشاء الله تعالی
اسباب مذکور فروخت شده مبالغ قیمتش نزدم خواهد رسید و یقین هست که مولوی محمد شاه صاحب
رفتن والده و همشیره شان همراه قبایل جناب حکیم ملا نواب صاحب برائے حج در ماه شعبان از کلکته
روانه جده گردیده باشند از روزیکه از بهوپال روانه شده ام کدامی خط برادر عزیز سید اولاد علی نرسید
و در لکهنؤ از اشرف[1] علی نوبت ملاقات نرسید لیکن زبانی جناب والد صاحب قبله معلوم شد که از و
هیچ وصول شدنی نیست فقط بخدمت فیضدرجت والده صاحبه مدظلها آداب تسلیمات غلامی باتحاد
مضامین و غایت از روئے قدمبوسی معروض باد و دیگر بزرگان ما وجب با آرزوئے حضوری معروض
فرمایند و بخدمت جناب اخوی سید ذوالفقار علی صاحب و جناب نانا سید حشمت علی صاحب و سید
احمد علی صاحب و جمیع ارباب محله و دیگر احباب که پرسان حالم باشند تسلیمات و سلام حسب مراتب فرموده
دهند و حال شادی نور دیده ام باید ارقام فرموده که طرفین و دیگر بزرگان را تا بکجا منظور و مصلحت است
و تخمیناً چه قدر صرفه لابدی ضرورت خواهد بود و کیفیت باغ نشانده فدوی و باغ سید ابراهیم علی مرحوم
بچشم خود ملاحظه فرموده تحریر باید ساخت و حال معامله کرامت خان و ارشاد علی خان نیز ارقام
فرمایند و سلام از هر دو صاحبان فرموده دهند و بخدمت مخدومی محمد امین خان صاحب سلام نیاز نسبت
اشتیاق فرموده دهند و خطے در تعزیت فضل حسین خان صاحب مرحوم روانه نموده بودم معلوم نشد
که رسید یا نه - و مکرمی محمد حسین خان صاحب را در اجمیر شریف نیافتم قبل رسیدنم بچند ماه روانه طرفے
شده بودند و هر چه حال شان معلوم باشد نیز ارقام فرمایند زیاده بجز آرزوئے حضوری تاکید

---

[1] میر اشرف علی که منشی محله قافله شاه داده بود یعنی لندن در ولایت نزدش سید اولاد علی مبلغ پانصد روپیه امانتاً نهاده
بودند که بعد رسیدن لکهنؤ با والد ماجد و برادران من برسانند آن غصب کرده هیچ نداده -

ارسال جواب عریضه ہذا در بھوپال چہ عرض نماید۔ دوازدہم رمضان ۱۲۷۸ھ از چھاونی نیمچ عریضه سیّد فرزند علی عفی عنه۔

نمونۂ عبارت عربی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للحکیم المطلق الذی جعل صحة الابدان انسب سببا للحیات وجعل الحیات
جمیع حمد واسطے اُس حکیم مطلق کے ہی جس نے گردانا صحت بدن کو انسب سبب حیات کا اور گردانا حیات کو واسطے
للمخلوقات افضل شیئا من جمیع النعم و اللذات وجعل المرض منادیا یدعو الی الممات
مخلوقات کے افضل شئے تمام نعمتوں اور لذّتوں سے اور گردانا مرض کو ندا دینے والا طرف موت کے
وجعل الموت هادما لکل اللذات و انبت من الارض نباتا حسنا من الحشایش
اور گردانا موت کو ڈھانے والا کل لذتوں کا اور اُگایا زمین سے گھاس کو جو اچھی خوشبو دار اور شفا
والعقاقیر و اودع فیها من الخواص العجیبة لا یمکن احاطتها بالتحریر واذهب
دینے والی اور رکھے اُس میں خواص عجیبه که ناممکن ہے اُس کا احاطہ تحریر سے اور لے گیا
بها الامراض والالام وجعلها شفاء الاسقام فاعطی العقل للانسان من الکرام
ساتھ اس کے مرضوں اور دردوں کو اور بنایا اس کو شفا اغراض سقیم کا پس عطا کی عقل واسطے انسان کے کرم
وعلمه ما لا یعلم فسبحان الذی خلق لکل داء دواء ولکل مرض شفاء والصلوٰة
اور علم اپنے سے جس چیز کو وہ نہیں جانتا ہی پس پاک ہی وہ پیدا کی واسطے ہر مرض کے دوا اور واسطے ہر مرض کے شفا اور درود
والسلام علی الطبیب الحاذق عالج امراض قلوب الکفار بدواء المسك العرفان
اور سلام اُس طبیب حاذق کے کہ جس نے علاج کیا امراض قلوب کفار کا ساتھ دوا مسک عرفان کے

واخرج مواد الضلالة المزمنة بايارج الهداية بغير امتنان وعلی
اور نکالا مواد ضلالت کہنہ کا ساتھ ایارج ہدایت کے بغیر احسان کے اور اوپر
الہ واصحابہ الذین عالجوا المصد وعین الکفریہ بسم اللہ واهد والطاغین
آل واصحاب اُن کے کے۔ وہ کہ علاج کیا ہی اُنھوں نے کفر کے درد والوں کو ساتھ بسم اللہ کے اور ہدایت کی گمراہوں کی
الی سبیل اللہ مادام السماک علی العلی والسماک تحت الثری اما بعد فیقول
طرف راہ خدا کے جب تک آسمان بلندی پر اور زمین پستی میں ہی لیکن بعد حمد و نعت کے پس کہتا ہے
العبد المعتصم بحبل اللہ القوی الولی خادم الاطبا السید فرزند علی الشاہ آبادی
بندہ چنگل مارنے والا ساتھ رسی اللہ قوی ولی کے خادم الاطبا سید فرزند علی شاہ آبادی
مولدا والحنفی مذهبا غفر اللہ لہ ولوالدیہ والاقاربہ والاحبابہ ولمن لہ
مولد اور حنفی مذہب کے بخشے اللہ واسطے اُس کے اور والدین اور اقارب اور احباب اُس کے کے اور اُس شخص کے
حق علیہ فحضر عندی من هو احرز قصبات السبق فی مضمار اللیاقۃ وبرع
کہ حق ہی واسطے اس کے تحقیق حاضر ہوا پاس میرے وہ شخص جو کہ ہی حفاظت کیا گیا سبقت لیجانی میں اپنے ہم سبقوں سے بیچ مضمار لیاقت کے
علی اقرانہ فی الفطانۃ والذکاوۃ المؤید بالتائید الازلی من اللہ الولی
اور گذری فضیلت اُس کی اوپر میرے بیچ فراست اور ذکاوت کے تائید کیا گیا ساتھ تائید ازلی کے اللہ ولی سے میرا
ابن اخی حیاۃ فوادی المدعو بالحکیم سید امجد علی شاہ آبادی سلمہ اللہ
بھتیجا اور حیات قلب کی نام زد کیا گیا ساتھ حکیم سید امجد علی کے شاہ آبادی سلامت رکھے اللہ تعالیٰ
ذو الایادی ابن سیدنا واخینا السید محمد حبیب اللہ سلمہ اللہ تعالی
اُس کو صاحب قدرت بیٹا ہمارے سردار اور بھائی سید محمد حبیب اللہ سلامت رکھے اللہ اُن کو
وابقاہ وبلغہ مرامہ ومناہ بعد ما فرغ عن تحصیل اکثر الکتب الدرسیۃ
اور باقی اور پہونچائے اس کو اپنے مقاصد و مراد کو بعد فراغ تحصیل کتب درسیہ

عن العلوم النقليه العقليه والنقليه من الفاضل البلهتى والعالم اللوذعى
علوم نقلیہ وعقلیہ کے پڑھا فاضل بلمعی اور عالم لوذعی
المولوی محمد سخاوت حسین صانه الله عن القبايح والشين وقرء عنى
مولوی محمد سخاوت حسین سے بچائے اللہ ان کو برائیوں اور خرابیوں سے پڑھا مجھ سے
كتب الطبيه كالقانون وغيره بالمشقة الشاقة والسعى التامة من البداية
کتب طبیہ کو قانون وغیرہ تک ساتھ مشقت شاقہ اور کوشش بلیغ کے ابتدا سے
الى النهاية وجلس فى مجلسى الى مدة مديدة لاكتساب منهاج العلاج بكمال
انتہا تک اور بیٹھا بیچ مجلس میری کے مدت تک واسطے حاصل کرنے طریقوں علاج کے ساتھ کمال
الشوق والابتهاج حتى صار بحمد الله بين معاصريه فى التشخيص والعلاج
شوق اور خوشی کے یہاں تک کہ ہوگیا بحمد اللہ درمیان ہمعصروں کے بیچ تشخیص علاج کے
كالسراج الوهاج فلما حصلت له دراية فى القواعد العلميه والعمليه من الطبيه
مثل چراغ روشن کے پس جس وقت کہ حاصل ہوگئی مہارت واسطے اس کے قواعد علمیہ اور عملیہ طبیہ کے
واخراج الجزئيات من القوانين الكلية وحصل له يد طولى فى المعالجات
اور اخراج الجزئیات کا قوانین کلیہ سے اور حاصل ہوا واسطے اس کے دست دراز بیچ معالجات
المشكلة وصار بالنون والصاد اهلا للانفراد فطلب منى الاجازة ووجدته
مشکلہ کے اور ہوا وہ ساتھ نون اور صاد کے اہل واسطے علیحدہ ہونے کے پس طلب کی مجھ سے اجازت اور پایا
قابلا لذلك فاجزته بذلك والحمد لله على ذلك وذلك فضل الله يوتيه
میں نے اس کو قابل اس کا پس اجازت دی میں نے واسطے اس کے اور شکر اللہ کا اوپر اس کے اور یہ فضل اللہ کا ہے دیتا ہے
من يشاء والله ذو الفضل العظيم واوصيه فى امر العلاج ان يعالج لكل صغير
جس شخص کو چاہتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم کا ہے اور وصیت کی میں نے امر علاج میں یہ کہ علاج کرے ہر چھوٹے

وکبیر یدقة النظر والفکر بکمال الاحتیاط ورفع الاختلاط خالصاً
بڑے کا باریکی نظر اور فکر کے ساتھ کمال احتیاط اور رفع اختلاط کے خالصاً
لوجہ اللہ ورضایہ بغیر الطمع وحرص فی نفسہ فانہ عز من قنع و
لوجہ اللہ اور اُس کی مرضی کے بغیر طمع اور حرص نفس کے پس تحقیق اللہ تعالیٰ عزت دیتا ہی اُس کو
ذل من طمع واسالہ ان لا ینسانی من صالح دعواتہ فی جمیع اوقاتہ
جو قناعت کرتا ہی اور ذلت دیتا ہی اس کو جو طمع کرتا ہی اور سوال کیا میں نے اُس سے کہ نہ فراموش کرے مجکو دُعاؤں نیک سے
والعفو عن موبقات الآثام والاختتام علی دین الاسلام واخر دعوانا
تمام اوقات میں اور بخشنے خطا کاری سے اور خاتمہ اوپر دین اسلام کے اور آخر دُعا ہی ہماری
ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا
یہ کہ تعریف اللہ کی اور درود اور سلام اوپر بہترین مخلوق ہمارے سردار
محمد والہ واصحابہ اجمعین ۃ

کتبہ خادم الاطبا

محمد صلی اللہ اور اُن کی اولاد اور اصحاب سب پر مہر

حکیم سید فرزند علی افسر الاطبا ریاست بھوپال

سنہ ۱۳۰۱ھ

ماکتب فیہ صحیح حررہ العبد الضعیف الی فضل الرحمٰن المدعو
جو کچھ لکھا ہے بیچ اس کے وہ صحیح ہے بندہ ضعیف طرف فضل رحمت کے نامزد کیا گیا
سخاوت حسین غفر لہ ولوالدیہ ۃ
سخاوت حسین بخشے اللہ اُس کو اور اس کے والدین کو

یہ سند حکیم صاحب مرحوم نے اپنے نسبتی بھائی سید امجد علی صاحب کو تحصیل علم کے بعد لکھکر عنایت
کی تھی حکیم صاحب نے اُن کو شاہ آباد و ریاست نرسنگڈھ میں ساتھ رکھکر عزیزانہ توجہ سے پڑھایا کیونکہ

وہ حکیم صاحب کے خسر میر حبیب اللہ صاحب تارک کے فرزند ہیں حضرت تارک میر وزیر علی صاحب صبا لکھنوی کے شاگرد اور ذی علم نازک خیال شاعر اور با وضع صوفی تھے حکیم صاحب مرحوم نے اکثر اوقات میر صاحب کے نام خطوط لکھے ہیں جو بعض اس سوانح عمری میں درج ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب ممدوح کے شاگردوں میں حکیم سید امجد علی صاحب ذی لیاقت اور حذاقت شعار طبیب مانے جاتے ہیں اصول کی پابندی و استعداد کی تکمیل سے آپ کی طرف خاص و عام مخلوق رجوع رہا کرتی ہے شاہ آباد اور اُس کے اطراف شاہجہانپور وغیرہ میں آپ کو بڑی توقیر سے بُلاکر علاج کرایا جاتا ہے فی نفسہ طب سے مناسبت اور ذہین و ذکی ہونے سے تشخیص مرض اور علاج میں پوری دستگاہ و مہارت حاصل ہے۔

حکیم صاحب کے شاگرد

حکیم صاحب سے بیسوں اشخاص نے پڑھا ان میں سے صرف اُن اشخاص کے نام درج ذیل ہیں جنھوں نے فن طب کو بوجہ احسن حاصل کیا۔ یا کسی اور طریقہ سے شہرت پائی۔

حکیم مولوی عبد الغفور صاحب خلف الرشید مولوی علی بخش صاحب رئیس تیرا و مسولی ضلع بارہ بنکی جو اپنے وطن میں لایق و حاذق طبیب تھے۔ حکیم سید امجد علی صاحب ساکن شاہ آباد۔ حکیم سید عابد علی صاحب ساکن شاہ آباد خوش اخلاق و طبیب تعلقہ دار شیر پور د گنڈارا۔ خان بہادر حکیم خادم حسین خاں صاحب ساکن شاہ آباد آنریری مجسٹریٹ و سکرٹری میونسپل و مالک کارخانہ قلمہائے ابنہ۔ حکیم مولوی محمد حسین صاحب ساکن قصبہ کانٹھ ضلع شاہجہانپور۔ حکیم حافظ محمود خاں صاحب بھوپالی۔ مفتی عبد الرسول صاحب بھوپالی۔ حکیم مولوی امین الدین صاحب ساکن قصبہ کڑہ ضلع الہ آباد۔ حکیم محمد علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ہردوئی اڈیٹر مرقع عالم۔ حکیم مولوی محمد اکبر صاحب ولایتی

مقیم بھوپال۔ حکیم مولوی انوار حسین خاں صاحب ساکن شاہ آباد رئیس و مالک کارخانہ قلمہائے انبہ حکیم سید عبد القادر صاحب ساکن شاہ آباد۔ محمد مظفر حسین سلیمانی مولف اوراق ہذا۔

بعض لایق حضرات حکیم کی خدمت میں خط بھیجکر اکثر علمی و ادبی مسائل پوچھا کرتے۔ چنانچہ منشی محمد ارتضا علی صاحب شہر کاکوروی کی تحریر موجود ہے جس کے ذریعہ سے انھوں نے اپنے نام کی تصحیح چاہی تھی اور ایک شاعرانہ استفسار تھا۔

لہ منشی محمد ارتضا علی صاحب شہر مولانا حمایت علی صاحب کے جو مادرزاد ولی شاہ محمد کاظم قلندر کے فرزند اور شاہ تراب علی صاحب کے چھوٹے حقیقی بھائی تھے اولاد میں ہیں۔ حافظ شاہ علی انور سجادہ نشین تکیہ کاکوری کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے درحقیقت شہر صاحب فی زمانا طباعی و ذہانت میں اپنی آپ نظیر تھے تاریخی مادہ نکالنے میں مہارت تامہ اور شاعری سے بالطبع مناسبت تھی فصیح الملک مرزا داغ بھی اپنے شاگردوں میں ان کو لایق جانتے حیدرآباد میں راقم سے مرزا داغ صاحب نے تذکرہ کیا تھا۔ آپ کی متعدد نظمیں مختلف رسالوں میں طبع ہوکر شایع ہوچکی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ تصویر عبرت۔ یادگار شہر۔ ارمغان اردو۔ صبح وصل۔ ہفت گلبن مشعر نظمہائے ذیل یعنی سہانی شام سیر ہمالیہ باسی ہار شبیہ عبرت۔ پیاری برسات وغیرہ۔

فیض آباد کی ایک خاندانی بیگم نے آپ کی خوش روئی اور لیاقت کی وجہ سے آپ کے ساتھ عقد کیا تھا جو نہایت قابل علم دوست رئیسہ تھیں بیسیوں خطوط اردو فارسی بیگم صاحبہ کی قلم کے لکھے ہوئے راقم نے دیکھے جن سے علمیت کا اظہار ہوتا ہے افسوس کہ تیس سال کی عمر میں مرحومہ کربلائے معلی میں مقیم تھیں زہر سے ہلاک کی گئیں شہر صاحب نے اس جوانمرگی پر کمال اندوہ کے ساتھ ایک درد انگیز نوحہ شہید جفا کے نام سے شایع کیا۔ شہر صاحب شاہ آباد میں آٹھ سال تک نایب تحصیلدار رہے اور اپنی خوش اخلاقی و خوش مزاجی سے ناموری و ہر دلعزیزی پیدا کی صد حیف بحالت السکپٹری سیتاپور میں تھے کہ دفعتہً ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول

مخدومی حکیم سید فرزند علی صاحب تسلیم باعث تحریر عریضہ ہذا و سبب تکلیف دہی حسب ذیل ہی میرے نام کو بالعموم لوگ ارتضیٰ علی لکھتے ہیں اور میں ارتضا علی لکھتا ہوں بعد ملاحظہ سطور ذیل آپ مطلع فرمائیں کہ کیا صحیح ہی۔ ارتضا صیغہ مصدر کا ہی باب افتعال سے اصل یہ لفظ ارتضا بہمزہ ہے اور ارتضا کی اصل ارتضائی بروزن افتعال ہے حرف ی بموجب قاعدہ معتل کے ہمزہ کے ساتھ بدلا گیا۔ ارتضا ہوا مگر کثرت استعمال سے ہمزہ تلفظ میں بلکہ کتابت میں بھی نہیں آتا حرف ت مطابق تائے افتعال مکسور ہی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو ۱۹۲۱ء مطابق ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ روز دوشنبہ کو رحلت کر گئے۔ آپ کی اچانک موت سے جملہ احباب کو سخت صدمہ پہونچا۔ راقم سے چونکہ نہایت اتحاد تھا اس لئے آپ کی وفات کا تاریخی مادہ مع شعر رنے تال بہشتی ہوئے۔ مصرعہ مذکور سے احقر نے نکالا۔ آپ کی تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ بند ہو جانے سے آپ کے خاندان کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اولاد میں محمد جواد و اصطفا علی ہونہار لڑکے ہیں۔ نمونہ کے لئے کچھ مختصر کلام آپ کا لکھا جاتا ہی۔

بندہ ہی اک زمانہ اے بے نیاز تیرا
دم بھر رہی ہیں ہمابر گیسو دراز تیرا

تاکید بندگی ہے پروا بھی کچھ نہیں ہی
انداز ہی جدا ہی اے بے نیاز تیرا

آفت میں مبتلا ہیں کیوں تیرے ملنے والے
یہ کیا ادا ہی تیری یہ کیا ہے راز تیرا

ہی دور کوئے جاناں دشوار ہی رسائی
کافی نہیں تشر ہی یہ برگ و ساز تیرا

ایضاً

ہو درد جس دل میں وہ دل نہیں ہے
وہ پہلو میں رکھنے کے قابل نہیں ہی

طریق محبت پہ چلنا نہ اے دل
سفر ہے یہ وہ جس کی منزل نہیں ہی

چلے آؤ اک روز حسرت نکالیں
جو چاہو تو کچھ بات مشکل نہیں ہی

ارتضا جس کے آخر میں الف بصورت یا لکھا جاتا ہی وہ صیغہ ماضی کا ہی اور اُس کی تے مفتوح اصل اس کی بفتح تا وضا با بروزن افتعل ہی لہو حرف یا جو آخر میں ہی وہ اصلی ہے اُس یا کو قاعدہ معتل سے الف کے ساتھ بدل دیا اور بصورت یا لکھا تاکہ معلوم رہے کہ یہ الف اصل میں یا تھا ارتضیٰ بفتح تا و آخر میں الف بشکل یا صیغہ ماضی کا ہی اور لفظ علی اس کا فاعل پڑے گا اِس طرح کا جملہ کسی کا نام ہونا ناموزوں وغریب ہی۔ دوسری بات یہ دریافت طلب ہی کہ حسب ذیل مصرع میں کاف بیانیہ کے عدد اصل مادہ میں جوڑے جائیں گے یا نہیں پہلے مصرع میں ہاتف کہے گا۔

بھٹکتا ہے کیوں دشت میں قیس ناداں	بگولا ہے یہ کوئی محمل نہیں ہی
سفارش جو کی دوستوں نے تو بولے	شرر منہ لگانے کے قابل نہیں ہی

ایضاً

نہ گھبرا دل رازغم کرتے کرتے	وہ اب تھک گئے ہیں ستم کرتے کرتے
نہ آیا ہمیں ہوش اللہ ری غفلت	تھکے وہ دعاؤں کو دم کرتے کرتے
سنبھل کر ذرا جائیں اغیار اُن تک	منجھے ہاتھ ہیں سر قلم کرتے کرتے
اُسے چھوڑ دیں کس طرح جلد ناصح	کریں گے محبت کو کم کرتے کرتے
سنورتے رہی وہ کٹی رات ساری	قیامت کے ساماں بہم کرتے کرتے
شرر چل کے دیکھو بتوں کا تماشہ	ہوئی دیر بر سیر حرم کرتے کرتے

متفرق

مریض عشق ہیں کچھ ایسے پریشان ہوئے	نہ دوا ہوتی ہی ہم سے نہ دعا ہوتی ہے
جنازہ مرا جب اُٹھا رو کے بولے	چلے تم یہ شرط مروت نہیں ہے
پشیز دل نے زخم کھائے تھے	زخم اب دل کو کھائے جاتے ہیں

کہ خادم صفی باغ اچھا لگا یا۔ اُمید ہے کہ آپ اس تکلیف کو معاف فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

خادم محمد ارتضا علی نائب تحصیلدار شاہ آباد ۴ مئی ۱۹۱۸ء

اِس کا جواب حکیم صاحب لکھا کر بھیجنے کو تھے کہ شام کو شرر صاحب خود حکیم صاحب کے مکان پر ملنے کو تشریف لائے اور اپنے شبہات رفع کر لئے۔

شرر صاحب ملنے کے بعد حکیم صاحب کی قابلیت و تحقیق کی راقم کے روبرو تعریف کرتے تھے۔

حکیم کے عادات و اخلاق

دُنیا میں جو انسان خوبصورت اور پاکیزہ سیرت ہوتا ہے مخلوق میں اُس کی قدر ہوتی ہے۔ خوبصورتی کی بہار تو چند روز میں زایل ہو جاتی ہے۔ مگر حسن سیرت ایسی لازوال دولت ہے کہ اس کی بدولت آدمی ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ حکیم صاحب کو خداوند کریم نے فضل و کمال کا وہ شرف عنایت کیا تھا کہ ان کی ہر ہر صفت اس قابل ہے کہ بصراحت بیان کی جائے۔ لیکن طوالت کے خیال سے صرف چند صفات حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔

تحمل اس اعلیٰ پیمانے پر تھا کہ سب عادتوں پر غالب تھا۔ بارہا مشاہدہ ہوا کہ کسی نے آپ کے روبرو لاعلمی یا جہالت سے کوئی غلط یا بے موقع بات کہدی۔ اگرچہ خلاف مزاج ہوئی مگر آپ نے

شب وصل یار بھی ہمدمو شب غم کی طرح بسر ہوئی — دلِ مضطرب یہ کہا کیا وہ سحر ہوئی وہ سحر ہوئی

ملی ایسی لذتِ درد و غم ہوئے ایسے عادیِ درد ہم — کہ بتا نہ تھا ابھی درد دل جو تلاش دردِ جگر ہوئی

مجھے بھولیں غم کی حکایتیں وہ جفا کی تازہ شکایتیں — نہ ہی جو اس مرے بجا جو تمہاری ترچھی نظر ہوئی

نہ وہ قہقہے نہ وہ چہچہے نہ وہ لطف وسخن شررؔ — جو اودھ سے دیر میں آئے ہم کہیں کس طرح سے بسر ہوئی

افسوس کہ دیوان طبع ہو کر نہ شائع ہو سکا ورنہ کلام بقدر دیوان موجود تھا۔

کبھی سختی سے جواب نہ دیا۔ باوجود علم وعقل کے ایک قدرتی سادگی کی جھلک نمایاں تھی۔

سلیم الطبعی معمول تھا کہ ہر معاملہ میں اعتدال کا لحاظ رکھتے۔ کبھی کوئی بات قاعدے اور تہذیب سے تجاوز نہ کرتے ہر ملنے والے کو گمان تھا کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ انہیں اخلاق و عادات کے باعث وطن میں جو اعزاز تھا سب جانتے ہیں۔ باہر کے شہروں میں بھی بیسیوں معزز ملنے والے موجود تھے جن کے خطوط کے جوابات اکثر راقم سے لکھایا کرتے۔ حکام از راہ محبت مکان پر آتے اور نہایت قدر سے اپنے گھر بلایا کرتے۔ تعلقہ دار و والی ملک آپ کا نہایت احترام کرتے اور آپ کے علم وفضل و دینداری پر نہایت اعتماد رکھتے تھے جس کا ثبوت چشم دید واقعات اور مستند کاغذات سے جو موجود ہیں مل سکتا ہے۔ ولایت کے اخبارات میں شاہ آباد کی مردم خیزی کا تذکرہ چھپا۔ اور یہاں کے نامور اشخاص کے حالات حکیم صاحب ہی کے ذریعہ سے ان کو معلوم اور انگلستان میں شائع ہوئے۔

تدیّن راستبازی کا یہ عالم تھا کہ منفعت کے بڑے بڑے موقعے ہاتھ آئے مگر کبھی دیانت کو ہاتھ سے نہ دیا مزاج میں اتنی احتیاط نہ ہوتی تو شاید ورثا کے لئے بڑی دولت چھوڑ جاتے۔

طریقۂ علاج میں ہمیشہ امیر وغریب کا درجہ مساوی سمجھا اور جب تک زندہ رہے کسی نے کم کو بھی کی شکایت نہیں کی اگر کسی نے باصرار تمام کچھ نذر کیا سے لیا ورنہ جو مکان پر آیا اُس سے کبھی نہ طلب کیا اور برابر معالجات میں مصروف رہے۔ البتہ امرا کے یہاں بلائے جاتے تو فیس معینہ ضرور لیتے تھے۔

منکسر المزاجی مزاج میں اس درجہ فروتنی تھی کہ کبھی کسی شخص کو ان کی طرف تشخیص ونخوت کا وہم و گمان بھی ہوا۔ ہمیشہ نہایت خوش اخلاقی وتواضع سے پیش آتے اور اس کی ہر بات کا بے تصنع جواب دیتے۔ اکثر دیکھا کہ کسی نے خلاف مزاج گفتگو کی یا کسی مخالف نے حسد سے لغو اور بیجا اعتراض کر دیا۔ ممکن تھا کہ اس کی پوری تردید کرتے مگر ہمیشہ کسر نفسی سے کام لے کر خاموشی ہی اختیار کی۔

تہذیب کبھی اتفاقاً کسی دل آزار فقرے سے مزاج میں [illegible]

غصہ بھی آجاتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی فحش و سخت کلمہ زبان سے نکلے عالی ظرفی کسی دشمن نے بھی اگر اپنی ضرورت بیان کی تو جہاں تک بنا اُس کی خواہش پوری کرنے میں کمی نہیں کی بلکہ بعض پر جو احسان کیا اس کو مدۃ العمر زبان سے نہ نکالا۔ مثلاً مولوی عبدالحق صاحب سے جو سلوک کیا تھا وہ ان کے خاص دوستوں کو بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ بعد انتقال جب مولوی صاحب مبرور کے فرزند مولوی فضل حق صاحب مہاجر نے مکہ معظمہ سے لکھا تو لوگوں کو آگاہی ہوئی جس کی صراحت انشاء اللہ تذکرۂ احباب کے سلسلہ میں کی جائے گی۔ فی زمانا بعض جاہ پسند لوگوں کا معمول ہے کہ ذرا سی ثروت یا کسی معزز دربار میں رسائی ہو جاتی ہے تو غرباء سے ملتے وقت تکبر و تجبر آشکارا ہوتا ہے اور باتوں میں بوئے نخوت آنے لگتی ہے حکیم صاحب اس کے سخت مخالف تھے۔

صلح جوئی دو مسلمانوں کے فیمابین جب کوئی جھگڑا ہوا تو ہمیشہ آپ نے رفع شر کرایا۔ فہمائش نیک راہ بتانا آپ کے مسلک میں داخل تھا ایسے بعض فیصلے موجود ہیں جن سے آپ کے صلح کل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

سلوک کنبہ پروری اور احباب نوازی فطرت ثانیہ ہو گئی تھی۔ آپ نے حسن سعی سے بیسیوں آدمیوں کو ریاست بھوپال۔ نرسنگڈھ۔ ٹونک اور دیگر رؤسا کے یہاں نوکر رکھایا اور تا حصول ملازمت ان کو اپنے پاس مہمان رکھا۔ ان کے بہت سے ممنون احسان اب بھی باقی ہیں۔

پرہیزگاری کے متعلق صرف ایک واقعہ بیان کرنا کافی ہے ۱۸۵۷ء کے غدر میں جب بزن کا حکم صادر ہوا اور شاہ آباد میں چاروں طرف انگریزی فوج نے مارشلا جاری کی۔ باشندگانِ وطن اپنی اپنی جان لے کر بھاگ گئے نفسی نفسی پڑ گئی اور ہر طرف حشر بپا نظر آتا تھا۔ حکیم صاحب اور راقم الحروف کے والد مولوی منصب علی خاں صاحب کا ساتھ تھا۔ اُس پر آشوب وقت میں موضع سندر پور جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں کے زمیندار لالہ گلزاری لال نے چچا حافظ غلام علی خاں صاحب مرحوم کے دوستانہ

مراسم کی وجہ سے نہایت خاطر کی اور ہر طرح آرام پہونچایا۔ پہلے روز کھانے میں گوشت کے متعلق شک ہوا چنانچہ اِس گوشت کو نہ حکیم صاحب نے کھایا نہ ان کے کسی ہمراہی نے۔ حالاں کہ وہ ایسا پرخطر اور مصیبت ناک وقت تھا کہ نہ جائز نا جائز جانور کی احتیاط ہوسکتی اور نہ یہ دیکھا جاتا کہ ذبیحہ مسلم کے ہاتھ کا ہی یا غیر مسلم کے ہاتھ کا اور یہ گوشت کیوں کر ہاتھ آیا۔ کھانا ملجانا ہی غنیمت تھا بیسیوں آدمی قتل کرڈالے گئے۔ مگر حکیم صاحب نے اُس حالت میں بھی اتقا کو نہ چھوڑا۔ جس سے ان کی اعلیٰ درجہ کی دینداری ثابت ہوتی ہی۔

اُسی زمانہ کے ایک اور واقعہ سے حکیم صاحب کی اخلاقی جرأت کا پتہ چلتا ہی۔ اُس نے تسلّطی اور طوائف الملوکی کے زمانہ میں احمد اللہ شاہ جو ہر جگہ دھاوے کرتے پھرتے تھے شاہ آباد میں بھی آئے۔ ان کا نادری حکم مشہور تھا کہ جب کسی کو خلاف شرع پاتے فوراً تہدید شروع ہوجاتی شاہ آباد میں ایک روز ان کی محفل جمی ہوئی تھی عمایدِ شہر بیٹھے ہوئے تھے ایک صاحب کو جو یہاں کے باشندے تھے شاہ صاحب نے خلاف شرع پایا اور حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ جلاّد ملزم کی طرف بڑھنا چاہتا تھا اور شاہ صاحب کے رعب سے کسی کو بات کرنے کی ہمّت نہ تھی کہ حکیم صاحب اُٹھے اور بیدھڑ مدلّل تقریر کی جس میں عفو تقصیر کی فضیلت۔ درگذر سے ملزم کو توبہ کی توفیق ہونے۔ سزا کے ملتوی رہنے سے نیک نفسی کا ثبوت ملنے اور مجرم کے تلافی مافات سے محروم رہجانے کے مفصل دلائل پیش کرکے ملزم کو چھوڑا لیا۔

آداب مجلس و ذاتی معلومات کا اظہار ہر بڑے مجمع اور بڑی محفل میں ہوتا تھا۔ جس جگہ اہل علم و اُمرا تشریف فرما ہوتے یا کوئی ذی لیاقت ملنے کو آتا۔

حق پسندی و اتباع شرع۔ بعض مخالف ان کے طرز عمل میں زہد خشک کا اثر بتلاتے ہیں مگر بغور حقیقت یہ غلط ہی بلکہ نفسانیت کی راہ سے بیجا اعتراض کیا گیا ہی وجہ شریعت کے سخت پابند و غیر مشروع

رسوم کے سخت خلاف تھے۔ بزرگان دین سے ازحد محبت تھی خاصان خدا کے تذکرہ پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے اور اس رقت کا اثر دیر تک زایل نہ ہوتا تھا گھنٹوں اولیاء اللہ کی وہ کرامتیں اور اُن نفوس قدسیہ کے برکات بیان کرتے رہتے۔ جناب رسالت مآب صلعم کے فضایل اور اصحاب کبار کے مناقب اور آل اطہار کے محامد بیان کرنے کو دین و ایمان سمجھتے۔ حضور سرور عالم کی اولاد ہونے سے اُنھیں سیادت کا شرف حاصل تھا۔ خلاصہ یہ کہ حکیم صاحب فی الواقع خوش عقیدہ اور حنفی مذہب کے پختہ پیرو تھے۔ غیر محتاط ضعیف الاعتقادوں اور رسم پرستوں کے خلاف اُنھیں غیر مشروع افعال اور بدعات سے سخت نفرت تھی۔ جیسا کہ ہر ایک صاحب تحقیق عالم اور ذی علم فاضل کا شعار ہوتا ہے۔ عوام الناس اصول دین کو چھوڑ کر رسمی پابندیوں کو دینداری سمجھتے ہیں۔ جو صریح نادانی وجہالت ہے۔

حریف اطبا نے جب تشخیص و علاج میں اعتراض کی کوئی گنجایش نہ پائی تو مشہور کیا کہ حکیم صاحب میں دست شفا نہیں حالاں کہ یہ صرف مخالفین کا حسد تھا۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ مریضوں کی حالت جب ہلاکت کے قریب پہونچ جاتی تو آپ کے پاس آتے۔ اور جب مرض مہلک اور کہنہ ہوچکتا تو آخری اپیل کی طرح یہاں رجوع کیا جاتا۔ حکیم صاحب خدائی محکمے کے ذمہ دار تو تھے نہیں۔ نہ کارکنان قضا و قدر کے روبرو کسی کو چارہ ہوسکتا ہے۔ تا امکان باقاعدہ تدبیر کرنا انسان کا فرض ہوتا ہے جس اصول پر وہ بھی کاربند ہوتے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ یہ بات ان کی انتہائی مروت وخدا ترسی پر مبنی تھی کہ جب ابتدائی علاج کی بے عنوانیاں اور بدپرہیزیاں مریض کی حالت کو ابتر کرچکتیں اور آثار ردی پیدا ہوجاتے وہ صرف اس خیال سے کہ کسی بندہ خدا کی دلشکنی نہ ہو علاج سے دستکش نہ ہوتے اور اپنے یہاں سے مریض کو مایوس نہ پھیرتے۔ اس حالت میں بھی ان کے کمال تجربہ اور حذاقت کی خوبی تھی کہ بعض جاں بلب مریضوں کو غسل صحت کرادیا۔ جن کے نام معالجات کے باب میں لکھے گئے ہیں۔

بو دہم پیشہ باہم ہمیشہ دشمن کا مقولہ مشہور ہے اکثر علاجوں میں دیگر اطبا مقابلے پر آئے مگر بجز زبانی اعتراضات کے نفس علاج میں کبھی کسی کو امتیاز حاصل کرتے نہ دیکھا۔

ایک بار بابو گوپال رام صاحب ڈپٹی کلکٹر کسی مرض کو تشخیص کرانے کے لئے ہردوئی سے شاہ آباد تشریف لائے اور یہاں کے دیگر اطبا کو بھی بلوایا اُن میں ایک صاحب جو اپنے آپ کو شیخ الرئیس اور معلم ثانی سمجھتے تھے وہ ڈپٹی صاحب سے پوچھنے لگے کہ جناب مفاصل میں کس سواری پر جاتے ہیں، حکیم صاحب نے یہ سُن کر ڈپٹی صاحب نے پوچھا کہ ہاں جناب میں یہ نہیں سمجھا کہ نصیب اعدا آپ کو وجع المفاصل کی بھی کچھ شکایت ہے۔ وہ بولے نہیں تو اس پر حکیم صاحب نے کہا کہ اہا یہ مفاصل مفصلات کا بدل ہے جس پر ڈپٹی صاحب بیساختہ ہنس پڑے اور فریق ثانی کی لیاقت کا حال کھل گیا۔

حکیم صاحب کا انداز یہ تھا کہ ساکت وصامت رہتے اور اپنے علمی وقار کے مطابق بات کم کرتے مگر قوت بیانیہ کسی دوسرے سے کم نہ تھی جب گفتگو پر آجاتے تو دیر تک مسلسل تقریر کرتے رہتے جس سے سامعین کی بڑی دلچسپی ہوتی۔

ایک بار انجمن اسلامیہ جامع مسجد شاہ آباد میں امام کے تقرر و ترغیب چندۂ مصارف اور لوگوں کی عدم توجہی کی شکایت میں ایک کمیٹی تھی، حکیم صاحب نے اپنی ایک جامع و بلیغ تقریر لکھائی جس کا سرنامہ حافظ شیراز کا یہ شعر ہے

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ درو   یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

راقم کو اب تک یاد ہے جس وقت جلسہ میں حکیم صاحب تشریف لے گئے تو بہت سے معزز اصحاب جمع تھے حکیم صاحب نے اس خاکسار سے فرمایا کہ تم میری طرف سے کھڑے ہو کر یہ تقریر پڑھو چنانچہ اس ناچیز نے وہ تقریر باآواز بلند سب کو سُنا دی۔

پھر اُس تقریر کی تائید میں حکیم صاحب نے جو زبانی مدلل گفتگو کی وہ سب نے تسلیم کی کہ کمترین نے اس

پرجوش مکالمہ کا جو موازنہ کیا تو سب کے بیان پر غالب تھا۔

مستقل مزاجی قصبہ شاہ آباد میں قانون ٹیکہ پاس ہوا اور حکیم صاحب کو اس کی عام تکلیف ومضرت سے آگاہی ہوئی تو بخیال رفاہ عام ملازمان ٹیکہ کی رعایا کے ساتھ سختی اور نقص علاج میں بدیہی خرابی واقع ہونے کے متعلق ایک درخواست گورنمنٹ میں پیش کی جس پر باشندگان شاہ آباد کے دستخط تھے صاحبان بورڈ نے حاکم ضلع سے جواب طلب کیا اور صاحب ضلع نے تحصیلدار شاہ آباد سے کیفیت دریافت کی۔ بابو سانول داس صاحب ڈپٹی کلکٹر تحقیقات کو آئے بجز چند مستقل اشخاص کے اکثر خاص وعام نے برضا ورغبت دستخط کرنے سے انکار اور حکیم صاحب کی خواہش سے نام لکھنے کا اظہار کیا جس سے ایک تشویش کی صورت پیدا ہوگئی۔ مگر حکیم صاحب نے بلا خوف وخطر سینہ پر ہوکر عذرات معقول پیش کرکے وہ درخواست منظور کرالی۔ اور صدر سے مناسب ترمیم کا حکم صادر ہوگیا۔ اسی سلسلہ میں آپنے کارروائی کو اپنے چھوٹے بھائی منشی میر اولاد علی صاحب کے پاس ولایت میں بھیجا کہ وہ پارلیمنٹ میں پیش کریں بغرض کہ استقلال وثابت قدمی کو کسی مخدوش موقع پر بھی حکیم صاحب نے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ایسے صدہا علمی وعملی امور ہیں۔ مگر اُن سب کی تفصیل موجب طوالت ہے۔

حکیم صاحب کی ہر دلعزیزی

حکیم صاحب صرف علمی لیاقت یا طبی حذاقت سے نہیں مشہور ہوئے بلکہ خلقتہً نیک و مہذب تھے تحمل خوشخوئی بالطبع ان کے حرکات وسکنات سے نمایاں تھی۔ چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ اور بڑوں کا احترام کرتے۔ احباب کے ساتھ لطف ومحبت سے پیش آتے وضعداری ومستقل مزاجی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ چنانچہ لوگوں سے جو رسم ہوجاتا وہ ہمیشہ قایم رہتا۔ اور انھوں نے اپنی طرف سے تا زیست کسی سے بگاڑ نہیں کیا۔ انھیں وجوہ سے انھیں چھوٹوں اور بڑوں سب میں یکساں ہردلعزیزی حاصل تھی اس کے ثبوت میں ہم

ہر طبقہ کے لوگوں سے چند خطوط پیش کرتے ہیں جن میں خوردوں، بزرگوں، ہمسروں ہر ہر درجہ والوں کی تحریریں ہیں جو ان کے نام ہیں۔ ان کے ملاحظے سے ناظرین کو خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ ان سب کے دلوں میں حکیم صاحب کی کیسی محبت تھی۔ پہلے ہم صرف ان کے والد، پیر، اُستاد کے خطوط درج کرتے ہیں جو بزرگی کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کا ایک ایک خط نقل کر کے دوستوں کے خطوط پیش کریں گے۔ جن سے ان کی خوبیاں بخوبی آشکارا ہو جائیں گی۔

حکیم صاحب کے والد ماجد سیّد ضامن علی صاحب کا گرامی نامہ

برخوردار سید فرزند علی مدعمرہٗ۔ احوالم بخیریت ست وخیریت ایشاں مطلوب خط ایشاں اسمی میر اشرف علی صاحب بنام جواب خط ہنڈوی کہ سابق ازیں رسیدہ است ازاں حالات بدریافت رسید نوشتہ بودند کہ خط برخوردار سید اولاد علی در خط اینجانب فرستادند برخوردار من کدامی خط ایشاں نرسید معلوم نیست کہ کجا فرستادند۔ حالات اینجا بریں نوع ست کہ برخوردار نجف علی نواسی مستقیم خاں یعنی دختر حاجی معظم کہ ہمشیرزادی محمد حسین کہ در ٹیڑھی بازار بود شادی او ہم شدہ بود شوہر او فارغخطی داد برخوردار نجف علی بعقد خود آوروند و کسے را ازیں حال اطلاع نبود دریں روزہا از مردم خانہائے زوجہ برخوردار چیزے گفتگو میان آمدہ برخوردار ندکور نزد اینجانب آمدہ اظہار حالات نمودند ایں جانب بموجب درخواست اُورا سوار کردہ آوردچنانچہ یک پسر ہشت سالہ عمراہ است و یک ما ما و یک ضعیفہ کہ حرم مولوی نظام الدین ولد مولوی جمال الدین ساکن محلہ مولا گنج مضافات قصبہ شاہ آباد کہ در محلہ پیر جلیل واقع لکھنؤ سکونت میداشتند و جمال الدین او را گزاشتہ بکدامی طرف رفتند و ہم در خانہ برخوردار موجودات حالا خرچ چہار نفر موجود ست و حال آمد معلوم و خرچ کہ از نزد برخوردار اولاد علی آمدہ بود۔ ازانجملہ مبلغ دو صد روپیہ بایشاں رسیدند و مبلغ چہل روپیہ بدفعات بخرچ خود آمدند باقی مبلغان

ہر قدر کہ باقی بعد منہائی خرچ ماندہ اند حالاتش از خط میر اشرف علی صاحب بدریافت خواہد رسید وانچہ کہ مبلغان باقیماندہ اند بکوشش بسیار وصول خواہد شد چراکہ مہاجن نہایت مفسد و نادہند است اگر قدم میر اشرف علی صاحب درمیان نبودے وصولش خیلے دشوار بود. حالا وعدہ بعد عشرۂ محرم خواہد شد تاحال بہرطوریکہ باشد کارروائی خرچ برخوردار مذکور نمودم حالا مارا بخدا سپارند مگر خبرگیری خرچ برخوردار مذکور مناسب. آیندہ اختیار دوریں شہر ہیچ چنیں صورت قیام بنظر نمی آید عجب نسبت کہ برخوردار مذکور را ارادہ کدامی سمت نمایند ومبلغان محبوب علی صاحب انشاء اللہ عنقریب دریک دو روزہ وصول میشوند خواہیم رسانید ہمیں وعدۂ امروز فردا است۔ بہ بزرگان سلام و برخورداران دعوت رسانند۔

رقیمہ سید ضامن علی

افتخار نامہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن[1] صاحب پیر و مرشد حکیم صاحب

اللہ اکبر۔ از فضل الرحمٰن حکیم فرزند علی صاحب۔ سلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اما بعد الحمد للہ خیر اند انعام می آیند بدپیہ بگیرند و کشت مستی بگذارند ہمیں احسان شما بر ما است۔ ہمہ السلام والدعا

[1] مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی عالم باعمل اور درویش کامل تھے۔ آپ کی روشن ضمیری اور مکاشفہ کے چشم دید واقعات معتبر راویوں سے سنے ہیں حضرت شاہ آفاق علیہ الرحمۃ دہلوی کے مرید و خلیفہ اور مولانا شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی سے علم تحصیل کیا تھا۔ اور حدیث شریف کی اجازت بلا واسطہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے حاصل تھی۔ اس آخر زمانہ میں جب کہ خدا رسیدہ بزرگ عنقا صفت ہو گئے ہیں مولانا مخدوم کے لئے ایسے خدارسیدہ بزرگ کا موجود ہونا غنیمت تھا۔ آپ کی عظمت و شہرت محتاج بیان نہیں۔ آپ کی ذات مرجع انام تھی۔ انتہی دور دراز کے لوگ آپ کی پا بوسی اور برکات حاصل کرنے کو حاضر ہوتے کہ ان کی بجا لیاں انکسی خدا تعمیں ہندو مسلمان امیر غریب ہر ایک آپ کی خدمت سراپا فیض و برکت میں حاضر ہوتے

والانامہ جناب مفتی سعد اللہ[1] صاحب اُستاد حکیم صاحب

حکیم صاحب مشفق مکرم عنایت فرمائے بیکراں حکیم سید فرزند علی صاحب دام عنایتکم
بعد سلام مسنون الاسلام و شوق ملاقات بہجت آیات واضح رائے سامی باد۔ بعد مدت حال قیام سامی در سرکار بھوپال بدریافت رسید انبساط خاطر گردید۔ چوں کہ مقبول احمد منجملہ عزیزان و قریبان مخلص بلازمی سرکار بھوپال درانجا موجود است از اشفاق امید بہبودیش قوی گردید۔ مدام عنایات بزرگانہ برحالش مبذول مرہون منت فرمایند زیادہ بجز شوق چہ نوشتہ آید فقط المرقوم ۱۶ دسمبر ۱۸۷۴ء



بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ ہز آنر سر ٹوڈی میکڈانل لفٹننٹ گورنر بہادر بھی آئے تھے۔ حکیم صاحب کو بوجہ ان کے تشرع و تورع اور دیگر خوبیوں کے مولانا ممدوح بہت اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔ حکیم صاحب نے اس شقہ فیض کو جو مولانا کی خاص قلم کرامت کا لکھا ہی بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑا تھا۔ یقین ہے کہ اس کتاب میں شامل ہونے سے اس تعویذ عظمت کے مضامین کی دائمی حفاظت ہو جائیگی۔ افسوس کہ مولانا نے ۲۲ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ روز جمعہ کو اس سرائے فانی سے کنارہ کشی اختیار کرکے جوار الٰہی کو پسند فرمایا۔ تاریخ وفات مولانا حسب فرمایش استادی میر سرفراز علی صاحب خویش حکیم صاحب جو لکھی گئی تھی وہ یہ ہے ؎

فضل رحمن مورد فضل الٰہ — آیتِ از رحمتِ ربِّ ودود
شبلی دوران و بسطامی زماں — قدسیاں کرد آستانش را سجود
ناگہاں آں محوِ دیدارِ خدا — رخصتِ ایں عالمِ فانی نمود
بست و دو اوّل ربیع روزِ جمعہ — دست بر دنیائے دوں افشاندہ زود
از پئے تاریخ آں جنت مقام — بیکسِ کج مج زباں را فکر بود
گفت ہاتف از سرِ ایماں بگو — کعبۂ حاجات دیں رحلت نمود ۱۲۹۴ھ

[1] جناب مفتی صاحب کی ذات علمائے مشاہیر میں تھی کثیر التعداد تصنیفات آپکی موجود ہیں آپ اپنے شاگرد ولیکن

حکیم صاحب کے دوستانہ تعلقات

حکیم صاحب کے معزز احباب کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس میں اکثر ذی علم باکمال امراء و حکّام داخل ہیں۔ یہ نامی گرامی حضرات حکیم صاحب کو بڑی محبت و شوق سے اپنے یہاں بلاتے۔ اور خود ان کے مکان پر تشریف لاتے تھے۔ اور جب کبھی ملاقات کو زمانہ گذر جاتا تو نہایت اُلفت سے آپ کو خطوط بھیجتے۔ اس ثبوت میں ان حضرات کے چند عنایت نامجات جو حکیم صاحب کے نام ہیں ہم درج کریں گے اور جن احباب سے حکیم صاحب کو خصوصیت دلی حاصل تھی ان کے مختصر حالات بھی لکھیں گے۔ ان تذکرہ سے اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ ان کے دوستانہ تعلقات میں کیسے کیسے لایق نامور لوگ تھے۔ اور حکیم صاحب کو بالطبع کس قسم کے حضرات سے ملنے کا شوق تھا اور حکیم صاحب سے وہ کیسا خلوص اور کس درجہ کا قلبی اُنس رکھتے تھے

اس طبقہ میں سب سے اوّل نمبر مولوی محمد شاہ صاحب کا ہے۔ اُن سے اور حکیم صاحب سے زیادہ دوستانہ مراسم تھے جن کے باعث تعلقات دوستی کے درجہ سے گذر کر قرابت کے درجہ کو پہونچ گئے تھے اور فرط محبت سے ایک جان و دو قالب کے مصداق تھے زمانہ ہم مکتبی سے آخر حیات تک راہ و رسم ہونے کے باعث جن دوستوں پر یار غار ہونے کی مثال صادق آتی ہے وہ حکیم صاحب اور مولوی صاحب کی حالت تھی حکیم صاحب جب تک زندہ رہے مولوی صاحب کے مدّاح رہے اور اس میں شک نہیں کہ مولانا کی شان علمی و عملی اور قابلیت عقلی ایسی بلند تھی کہ وہ علّامۂ روزگار کا خطاب پانے کے مستحق تھے۔ ایسے ذہین و طباع لوگ کم دیکھنے میں آتے ہیں قدرتاً جوہر فرد تھے۔ ان کی خداداد خوبیوں کے جاننے والے خوب سمجھتے ہیں کہ اگر وہ مجلس علما میں صدر کی جگہ پانے کے مستحق تھے تو حلقۂ فقرا میں خرقہ پوشی کے شایاں۔ اور

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۶ ملاحظہ ہو۔ القاب و آداب میں دوستانہ الفاظ تحریر فرماتے تھے جناب مفتی صاحب کا تذکرہ حکیم صاحب کے باب تعلیم میں درج ہو چکا ہے جس کو دلچسپی ہو ملاحظہ کرے۔ حکیم صاحب نے اس خط کو بڑی احتیاط سے قلمدان میں تا زیست محفوظ رکھا۔

بزم شعرا میں امیر الشعرائی کا لقب پانے کے سزوار تھے۔ انشا پردازی میں وہ ملکہ تھا کہ ان کی قلم سے فصاحت و بلاغت کا دریا جوش و خروش کے ساتھ بہتا چلا آتا تھا۔ مگر افسوس کہ آپ کے کمالات احباب ہی کے دائرہ تک محدود رہے۔ اور آپ کی استغنائی نے ادھر توجہ نہ کی۔ ورنہ علم و فضل و دانشمندی اس امر کی مستحق تھی کہ عالمگیر شہرت حاصل کرتے۔ نہایت ضروری تھا کہ ایسے لایق بزرگ کی سوانح عمری ملک ملک میں شایع کر دی جائے۔ پوری سوانح عمری نہیں تو ہم چند واقعات ہی بسبیل تذکرہ اس جگہ تحریر کرتے ہیں۔ جن سے آپ کے مختصر اوصاف حیات دائمی پاکر قدر دان ناظرین کے دلوں میں جگہ پاسکتے ہیں۔

مولوی صاحب ممدوح کی قابلیت کی ادنی دلیل یہ ہے کہ سلطنت اودھ میں انقلاب عظیم ہو گیا صدہا ملازم و مصاحب علیحدہ کر دیے گئے مگر شاہ اودھ نے جب تک زندہ رہے انھیں جدا نہ کیا کبھی خاص محل کے منشی اور ڈیوڑھی کے منصرم تھے اور کسی وقت شاہزادہ فریدوں قدر کے وکیل مطلق اگر آج شاہزادہ موصوف کی اتالیقی و نگرانی کی ضرورت سے دہلی دربار جانے کے لئے ساتھ کیے جاتے ہیں تو بعد انتزاع سلطنت اودھ اپیل کے لیے خاندان شاہی کے ہمراہ لندن بھیجے جاتے ہیں۔ غرض کہ حکیم مطلق نے ان کے قوائے دماغی کو ہر قسم کی صلاحیت عطا کی تھی۔ جو کام سپرد ہوا وہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس لیاقت کے ساتھ ایمان داری و دیانت کے جوہر سے اس درجہ متصف تھے کہ اپنے آقائے نامدار کے ساتھ بھی کمال استغنا کا برتاؤ رہا۔ مجمل طور پر ان کے دو ایک واقعے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعد انتقال وزیر السلطان نواب امیر علی خاں بہادر کلکتہ میں جب امجد علی شاہ نے ایک مذہبی رسالہ لکھا اور اس میں حضرات صحابہ کی شان کے خلاف کچھ کلمات قلم سے نکل گئے تو اہل سنت میں جوش پیدا ہوا۔ اس پر آپ بھی ناخوش ہو کر سرکار شاہی سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر ساتھ ہی شاہزادہ جنرل فریدوں قدر میرزا محمد ہزبر علی بہادر نے آپ کو اپنی سرکار کے جملہ امور کا مختار بنا یا۔ اور مولوی صاحب نے اپنی خوش تدبیری سے وہ کام کیے کہ شاہزادہ صاحب کی ڈیوڑھی کی رونق دوبالا کر دی

شاہزادہ ممدوح کو حکام انگلشیہ سے ملوایا اور شاہ اودھ کی پنشن سے وضع کرکے پانچہزار روپیہ ماہانہ ان کی پنشن مقرر کروائی۔ واجد علی شاہ کے طرفداروں نے اس کے خلاف بہت کچھ کوشش کی مگر ایک نہ چلی۔ اسی طرح اور بہت سی ایسی باتیں اپنی دیانت و ذکاوت سے پیدا کیں کہ شاہزادہ صاحب کی سرکار نے بڑی رونق پائی۔ شاہزادہ صاحب کے دربار میں ان کا رسوخ جب حاسدین کو شاق ہوا تو اہل حسد نے مذہبی پیرایہ میں غلط اتہامات آپ پر عاید کرنا شروع کئے۔ لیکن شاہزادہ صاحب ان کو جدا کر دیتے تو ایسا دوسرا قابل و متدین منتظم کہاں سے لاتے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے مولوی صاحب کو شاہزادے صاحب کی گرانخاطری کے کچھ آثار محسوس ہوئے تو آپ بھی کشیدہ خاطر ہوگئے جس میں بجز اپنی خودداری کے اور کچھ مقصود نہ تھا۔ جب کوئی موقع ضرورت کا پیش آیا اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ استعفا دینے پر آمادہ ہوگئے لیکن جو کام بگڑ رہے تھے ان کو جب تک سلجھا نہ لیا اپنی علیحدگی عنداللہ موجب جواب دہی اُخروی سمجھے۔ آج کل ایسے ایماندار دیندار انسان عنقا ہیں۔ اس سلسلہ میں مولوی صاحب موصوف کے کچھ آبائی و ابتدائی تعلیم و بیت کے حالات بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ مولانا احمد علی صاحب کے خلف ارشد تھے۔ والد ماجد آخر عہد نصیر الدین حیدر شاہ اودھ میں اپنے وطن نگینہ ضلع بجنور سے لکھنؤ تشریف لائے۔ دو رپچاس روپیہ ماہانہ مکانات شاہی کے بندوبست کی خدمت پر ملازم ہوئے۔ بعد دفتر انشا میں مقرر کیئے گئے۔ اولاد میں دو صاحبزادے چھوڑے اور دو صاحبزادیاں۔ لڑکوں میں سے ایک مولوی محمد شاہ صاحب اور دوسرے مولوی عبدالحی صاحب۔ اور دونوں لڑکیاں خاص لکھنؤ میں پیدا ہوئیں مولوی احمد علی صاحب منشی بے بدل اور بڑے فیاض طبع بزرگ تھے۔ چنانچہ انشا پردازی کے فن میں مولوی محمد شاہ صاحب خاص اپنے والد ہی کے شاگرد ہوئے تھے۔ لکھنؤ میں مولوی محمد شاہ صاحب نے حکیم صاحب کے ساتھ مفتی سعد اللہ صاحب اور مُلا حکیم محمد نواب صاحب سے درسی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں

دہلی جاکر علم کلام اور بعض علوم کی تکمیل مفتی مولوی صدر الدین خاں صاحب صدر الصدور دہلی سے کی اس کے علاوہ تمام عمر ان کو ارباب علم وکمال سے صحبت رہی۔ جب واجد علی شاہ لکھنؤ سے کلکتہ تشریف لے گئے چوں کہ یہ بھی وابستہ دامن دولت تھے ساتھ ساتھ کلکتہ پہونچے اور وہاں سے جب ولیعہد سلطنت یعنی کیوان قدر قیصر حشم ابو النصرت میرزا محمد حامد علی صاحب بہادر لندن روانہ کیے گئے تو مولوی صاحب بھی ان کے ہمراہ گئے۔ اس سفر میں حکیم محمد مسیح صاحب فرزند حکیم محمد یعقوب لکھنوی۔ خاندان شاہی کے طبیب کی حیثیت سے اور منشی محمد قمر الدین صاحب مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کے حقیقی نانا میر منشی کی خدمت پر مامور ہو کے ساتھ گئے۔ اور مولوی مسیح الدین خاں صاحب کاکوروی بادشاہ کے مختار عام تھے۔ رزیڈنٹ لکھنؤ کرنل سلیمن صاحب کی بلو بک جس میں ایک سو دس الزامات انتظام مملکت کے متعلق شاہ اودھ پر عاید کیے گئے اس کا جواب لکھنا مولوی محمد شاہ صاحب کے ذمے کیا گیا۔ اس کو انھوں نے ایک کتاب کی صورت میں اس قابلیت سے مدلل موجہ تحریر فرمایا کہ ہندوستان سے ولایت تک کے بڑے بڑے قابل اشخاص اس کی خوبی کے قایل ہو گئے۔ اور اسی کی بنا پر ولایت کے بیرسٹروں نے موجبات اپیل قایم کر کے مسل مرتب کی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ شاہی خاندان کا قافلہ لندن پہونچا اور سفیر ایران نے مقدمہ سلطنت کے دیکھنے کی خواہش کی تو بخیال ہم مذہبی کہا کہ مقدمہ اودھ کی کارروائی کا ترجمہ اردو یا انگریزی سے فارسی زبان میں تحریر کر کے ہمیں دیا جائے تاکہ اس کو خود دیکھیں اور بعد ازاں اس کو شاہ ایران کے ملاحظے میں پیش کریں۔ یقین ہے کہ کجکلاہ ایران سفارش کر کے تمہارا ملک واپس دلا دیں گے۔ مگر ہمارے واپس جانے کو صرف دو دن باقی ہیں۔ کوئی ایسا شخص ہے کہ اس مختصر زمانے میں ساری مسل کا ترجمہ کر کے ہم کو دے۔ اس خدمت کے انجام دینے کے لئے مولوی محمد شاہ صاحب منتخب ہوئے اور انھوں نے قلم برداشتہ ایسا عمدہ فارسی ترجمہ کیا کہ سفیر ایران دیکھکر پھڑک گیا اور کہنے لگا مجھے حیرت ہے کہ

اس لیاقت کے لوگ شاہ اودھ کے دربار میں موجود تھے اور انتزاع سلطنت ہوگیا۔ اگر ہمارے شاہ کی خدمت میں یہ شخص چلے تو ہزار روپیہ سے کم ماہوار نہ مقرر ہو اور عزت و توقیر میں برابر اضافہ ہوتا رہے۔

زود نویسی اور ذہانت کی یہ حالت تھی کہ اتنی بڑی ضخیم کتاب اس قدر جلد تحریر کردی۔ مسودے میں کہیں کاٹ چھانٹ کی بھی نوبت نہ آئی۔ اور ہر طرف سے تحسین و آفریں ہونے لگی۔ کوئی دوسرا شخص صرف اس کتاب کی نقل بھی نہ کرسکتا۔

مولانا کی قابلیت کی ایک روشن دلیل کتاب وزیر نامہ بھی ہے جس کو انھوں نے منجانب وزیر السلطان نواب امیر علی خاں کے مرتب کیا تھا۔ بظاہر وہ کتاب وزیر السلطان کے نام سے شائع ہوئی ہے مگر در اصل مولوی محمد شاہ صاحب کے پُر زور قلم کا کرشمہ ہے۔ معمولی سا مسودہ نواب صاحب مدار المہام شاہ اودھ نے کلکتہ میں مولوی صاحب کو دیا تھا۔ انھوں نے اپنی معجز نگاری سے اس خاکہ میں جان ڈالدی۔ یہ کتاب جن حضرات کے سامنے تصنیف ہوئی خاص انھیں بزرگوں نے راقم سے بیان کیا ہے کہ ہم نے بچشم خود مولوی محمد شاہ صاحب کو وزیر نامہ تالیف کرتے دیکھا۔ اور مولوی صاحب خود اپنے مکتوب مرقومہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ میں اپنے ہم سبق دوست حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطباء کو اپنی عدیم الفرصتی کے عذرات میں لکھتے ہیں درستی و تصحیح کتاب کہ متعلق بمن بود بخانہ خود نشستہ سر انجامش میدہم۔

مولوی صاحب کی متعدد تصانیف کی نسبت ان کے بھتیجے مولوی فضل حق صاحب مہاجر نے راقم کو اپنے نوازشنامہ مورخہ ۲ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ میں مکہ معظمہ سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عم مکرم کو تخلص سے تنفر تھا جو اشعار تصنیف فرماتے وہ بغیر تخلص کے ہوتے۔ یا ان میں کسی دوسرے کا تخلص ہوتا جیسا کہ دیوان ہنر کہ منجانب شہزادہ ہنر بر علی بہادر تصنیف فرما کر انھیں کے تخلص سے طبع کرادیا۔ اسی طرح بہت سے دیگر تصانیف بھی دوسروں کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ برہان اللہ

فی تحقیق امر الذبائح کو اپنے برادر نسبتی مولوی سید قمر الدین صاحب کے نام سے اور تعلیم العبادت کو کشتاکے ایک علم دوست حج کے نام سے طبع کرایا ہے۔ خود بدولت افتخار و اظہار دنیاوی کو مطلق پسند نہ فرماتے تھے۔
القصہ بعد انتقال جناب عالیہ اور جرنیل صاحب یعنی شہزادہ مرزا سکندر حشمت کے مولوی محمد شاہ صاحب لندن سے حرمین شریفین میں تشریف لائے اور کہا جس قدر زنگ دنیا میرے سینہ پر جمگیا ہے اُسے بغیر چھوڑائے ہندوستان کی واپسی کا قصد نہیں کرسکتا چنانچہ بعد ادائے فرائض حج آپ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور روضہ نبوت پناہ پر جبہہ سائی کی۔ وہاں مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی نقشبندی کے مرید ہوئے جو شیخ کامل اور حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد امجاد میں تھے اور دہلی سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے۔ بعد بیعت ہمہ تن ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے اور رات دن ایسی ریاضت شاقہ کی کہ درجات سلوک کے طے ہوگئے اور خلافت حاصل کرلی۔ غرض کہ مولانا نے کامل تین سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور بعد اجازت پیر و مرشد وطن واپس آئے۔ اور پھر اپنی قدیمی جگہہ پر شاہ اودھ کی سرکار میں منسلک ہوگئے۔ مولوی صاحب کے تقوے کا یہ عالم تھا کہ لندن تشریف لے گئے اور ایک سال سے زاید وہاں قیام کا اتفاق ہوا تو ہر روز ایک مرغی خرید فرماکر ذبح کرتے اور بغیر روغن زرد کے یخنی بناکر نوش کرتے۔ یا میوجات کے سوا کوئی دوسری غذا نہ کھائی۔ چوں کہ وہ ملک سرد و خشک ہے لہذا اس غذا سے ضعف دماغ پیدا ہوگیا اور تمام عمر اس مرض کی شکایت میں مبتلا رہے کتاب مقامات سعیدیہ) جس کو مولانا شاہ محمد مظہر صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے والد مرحوم مولانا شاہ احمد سعید مجددی کے حالات میں تحریر فرمایا ہے۔ اُس میں ان کے خلفا کا حال درج کیا ہے۔ چنانچہ منجملہ دیگر خلفا کے مولوی محمد شاہ صاحب کا نام بھی اس میں درج ہے۔ مولوی صاحب ممدوح کی ذہانت فراست کے متعلق مولوی فضل حق صاحب مہاجر کا بیان ہے کہ عم مکرم ایسے اہل الرائے تھے کہ جب واجد علی شاہ پر کلکتہ میں قرضہ کا مقدمہ دائر ہوا تو اس کی بعض باتوں میں وکلا اور بیرسٹر عاجز ہوگئے تھے۔ صرف مولوی صاحب کی

اصابت رائے سے اُس مقدمہ میں کامیابی ہوئی اس واقعے کی تفصیلی حالت یہ ہی کہ منشی صفدر علی نام ایک کشمیری شخص نے جو نہایت تیز اور چالاک آدمی تھا کلکتہ میں حضرت بادشاہ کے مزاج میں ایسی رسائی پیدا کی کہ سرکار شاہی کے تمام محکمہ جات میں اختیارات کلی حاصل کرلئے اور اپنا اعتبار تقرب اتنا بڑھایا کہ لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد صفدر علی خاں بہادر کے خطاب سے سرفرازی پائی لکھنؤ کے چھٹنے کے بعد کلکتہ میں بادشاہ اکثر مغموم رہا کرتے تھے منشی صفدر علی نے عرض کیا کہ حضرت زیادہ رنجیدہ و غمگین نہ رہا کریں۔ بادشاہ نے کہا کیا کروں کسی وقت دل سے سلطنت کا خیال نہیں جاتا۔ اُس نے کہا عمارت دلکشا بنوائیے جانورخانہ پر فضا ترتیب دیجئے اُن چیزوں سے دل بہلے گا۔ اور عجیب و غریب جانوروں کو دیکھکر غم زائل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور اسی کشمیری صفدر علی کے زیر اہتمام جانورخانہ کی تعمیر و ترتیب دی گئی جس قدر جواہرات بادشاہ بیت السلطنت لکھنؤ سے لیگئے تھے سب فروخت ہوگئے۔ بعد ازاں صفدر علی نے سب چیزیں قرض خریدنا شروع کیں وقتاً فوقتاً حساب بنا کر پیش کرتا اور بادشاہ سے دستخط کرا لیتا۔ یوں ایک کرور روپیہ بادشاہ پر قرض ہوگیا۔ اتفاقاً منشی صفدر علی مذکور مر گیا جس کے دو برس بعد اس کے داماد طالب علم نے جو اس کا وارث قرار پایا تھا چالیس بیالیس لاکھ روپیہ کے قرضہ کا دعویٰ بادشاہ پر عدالت انگریزی میں دائر کر دیا جج نے وہ کاغذات واجد علی شاہ کے ملاحظہ میں بھیجے بادشاہ نے اپنے دستخط کرنے کا اقرار کیا اور حکام انگریزی کو تشویش ہوئی۔ اس لئے کہ بادشاہ کے قرض کا بار خود گورنمنٹ انگریزی پر عاید ہوتا تھا۔ جو ان کے ملک پر قابض تھی۔ بیرسٹروں کو اطلاع کی گئی کہ جو کوئی معقول وجوہ سے دعویٰ خارج کرائیگا۔ انعام و سند سے سرفرازی پائے گا۔ تمام وکلا رائے زنی کرنے لگے۔ آخر سب کی یہ رائے قرار پائی کہ بادشاہ اپنے دستخطوں سے انکار کر دیں۔ بادشاہ سے اس بارہ میں کہا گیا تو انھوں نے کہا میں عمر بھر جھوٹ نہیں بولا اب کیسے ہو سکتا ہی کہ دروغ بیانی کروں۔ یہ سُن کے سب پریشان ہوگئے۔ اور بادشاہ پر چہار طرف سے

غم و افکار کا ہجوم تھا۔ اوّل سلطنت کے مقدمہ میں سفر لندن کے مصارف برداشت کرنا پڑے۔ دوسرے جو کچھ جواہرات اور پرامیسری نوٹ اور طلائی سامان تھا اس کو جدید ملازم نے خورد برد کیا۔ تیسرے اس قرضہ کا دعویٰ علیحدہ بلائے جان ہوا۔ نواب امیر علی خاں مدار المہام نے تمام ارکان دولت کو جمع کیا اور کہا کہ اس بارے میں سب اپنی اپنی رائے دیں جس میں دستخط بھی باطل نہ ٹھیرائے جائیں اور دعوے خارج ہو جائے۔ جو جس کے خیال میں آیا اس نے بیان کیا۔ مولوی محمد شاہ صاحب کی باری آئی تو اپنی غیر معمولی ذہانت سے سب کی تردید کی اور ہر ایک کی رائے میں نقص نکالے۔ سب نے کہا آپ اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔ فرمایا کہ میں تو بادشاہ کے سوا کسی کے سامنے اپنی رائے نہ ظاہر کروں گا۔ ہر چند منشی امیر علی خاں بہادر اور نواب منصرم الدولہ نے اصرار کیا کہ ہمیں بتا دیجیے مگر آپ نے انکار ہی کیا۔ آخر بادشاہ نے اپنے پاس بلا کے پوچھا تو عرض کیا کہ آپ دستخطوں سے ہرگز انکار نہ کریں بلکہ یہ فرمائیں کہ جس سے سلطنت لے لی جائے اُس شخص کو کس قدر صدمہ ہوگا۔ اور وہ فرط الم سے کس درجہ منتشر خیال ہوگا۔ منشی صفدر علی میر مدار المہام تھا اور مجھ پر ہر طرح حاوی تھا۔ اُس کی رائے سے میں نے جانور خانہ تیار کرایا جانور فروخت کرنے والوں سے دریافت کیا جائے کہ اُس نے ہر چیز کی کس قدر قیمت لی ہے۔ بھلا معمولی کوّے کے دام سو سو اور پچاس پچاس روپیہ کہیں سنے گئے ہیں۔ جو حساب میں درج ہیں۔ دستخط میرے ضرور ہیں۔ مگر وہ جو دستخط کرا لیتا تھا میں بحالت پریشانی بے جا نچے اور بے سمجھے دستخط کر دیتا تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک مظلوم کو کسی مکان میں بند کر کے اس سے جو چاہے لکھوا لیجیے۔ یہ دستخط میری حرکت مذبوحی ہیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر اس کے خلاف کروں گا تو وہ مجھے زہر دیدیگا۔ مجبوراً دستخط کر دیا کرتا تھا۔ یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا میرے دل میں بھی یہی بات تھی (تو تو میرا شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد نواب امیر علی خاں وزیر السلطان نے وائسرائے گورنر جنرل پر یہی خیال ظاہر کیا۔ اور وائسرائے کشور ہند نے بادشاہ کا اظہار لینے جانے کا حکم دیا۔

حسب الحکم صاحب ایجنٹ بہادر نے میر منشی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اظہار قلبند کیا
حکام بالا نے یہ مضمون سنا تو بہت پسند فرمایا اور مقدمہ ہائیکورٹ سے خارج ہوگیا اور مولوی
صاحب کی رائے صائب کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا۔ بھوپال میں ایک بار مولوی محمد شاہ صاحب
کلکتہ سے کچھ کشیدہ خاطر ہوکر حکیم صاحب کے پاس چلے آئے تھے۔ اور حکیم صاحب نے باحسن وجوہ
نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کرکے ایک عمدہ منصب پر ملازم رکھوا دیا تھا۔ مگر
مولوی صاحب بضرورت علاج اور اپنے متعلقین کے لینے کو کلکتہ گئے تو بادشاہ اودھ نے روکا
اور بھوپال نہ آنے دیا۔ وزیر السلطان بھی مولوی صاحب کے کھٹر جانے کے درپے ہوگئے اور ایکسو
دس روپیہ ماہوار بلا شرط خدمت بطور پنشن تنخواہ پر اور اضافہ کرکے ان کو بصیغہ مشورت کلو لیا
اسی طرح ایک بار مولوی صاحب حیدرآباد دکن میں اپنے چچا زاد بھائی مولوی حسن صاحب سے
ملنے کو گئے جو مفتی عدالت خورد اور ممبر شوراتھے۔ اور نواب مختار الملک بہادران کی نہایت
توقیر کرتے تھے۔ انھوں نے نواب مختار الملک بہادر سے ملاکے تین سو روپیہ ماہوار پر مقرر کرا دیا
اور ایک معزز عہدہ پر سرفراز کیے گئے۔ مگر مولوی صاحب کو دکن کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔
مرض بواسیر میں شدت ہوئی اور ہلاکت کا اندیشہ ہوا۔ فوراً بلا اطلاع اور بغیر نواب سر سالار جنگ
مختار الملک سے ملے واپس چلے آئے۔ پھر جب مختار الملک بہادر نواب گورنر جنرل سے ملنے کو
کلکتہ گئے اور مولوی صاحب اُن سے ملے تو مختار الملک نے شکایت کی۔ مولوی صاحب نے نہایت
معقول عذرات پیش کیے۔ نواب صاحب پھر ساتھ لیجانا چاہتے تھے مگر ان سے سرکار اودھ کا تعلق
نہ چھوڑا گیا۔ اور نواب مختار الملک بہادران کے دوبارہ حیدرآباد نہ جانے پر نہایت متاسف ہوئے
مختار الملک بہادر مرحوم شناسی میں یکتائے روزگار تھے۔ مولوی صاحب کی علمی لیاقت اور دیگر
اوصاف کے مداح و معترف تھے۔ کلکتہ میں مولوی صاحب کے مکان پر آدھی رات تک اہل علم و کمال

کا مجمع رہا کرتا تھا اور ان کی سیر چشمی و قابلیت کے سبب سے اکثر ارباب علم و فضل تشریف لا کر ان کے مہمان ہوتے۔ چنانچہ مولوی صاحب کی مہمان نوازی اور ان کے خلق و مروّت کی لوگوں میں شہرت ہو گئی تھی۔

مولوی صدیق حسن خاں نے جب تذکرہ شمع انجمن تالیف کرنا شروع کیا تو مولوی محمد شاہ صاحب کو لکھا کہ شعرائے بنگالہ کے اشعار و حالات تلاش کر کے مجھے بھیجئے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے وہاں کے مشاہیر شعرا کے علاوہ خاندان سلطان ٹیپو اور نواب مرشد آباد و شاہ اودھ کے حالات و اشعار بھی بھیجے۔ مگر تذکرہ شمع انجمن اختتام کو پہونچ چکا تھا اس لئے دوسرا تذکرہ بنام نگارستان سخن مرتب کیا گیا جو نواب صدیق حسن خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے نواب نورالحسن خاں کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے دیباچہ میں وہ مولوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ بوساطت حق آگاہ فضیلت دستگاہ جناب مولوی محمد شاہ صاحب متوطن نگینہ نزیل کلکتہ متوسل شاہ اودھ سلمہ الصمد۔ فارسی شعرائے بنگالہ و ڈھاکہ کا جو کلام آیا ہے چونکہ شمع انجمن کے ختم ہونے کے بعد پہونچا اس لئے میں علیحدہ تذکرہ لکھتا ہوں اور اس میں اس کلام کو درج کرتا ہوں۔ اسی طرح دیوان شاہزادہ ہنر بر علی بہادر کے آخر میں مولوی صاحب کے نام نامی کے ساتھ فضائل و کمالات مآب مولانا مولوی محمد شاہ صاحب منیجر سرکار فیض آثار لکھا ہوا ہے۔ غرضکہ جس نے آپ کا ذکر کیا آپ کو نہایت باوقعت الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ اور آپ کی بزرگی و تقدس کا احترام کیا ہے۔ شاہزادہ صاحب بھی مولوی صاحب کا بہت پاس و لحاظ کرتے تھے۔ علاوہ تنخواہ سرکار شاہی کے سو روپیہ ماہوار اور باورچیخانہ مع مصارف مولوی صاحب کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ زندگی بھر مولوی صاحب نے اچھی شان استغنا سے بسر کی۔ راقم نے مولوی صاحب کے جو حالات لکھے ہیں وہ نہایت مستند ہیں۔ کچھ ثقہ راویوں کی زبانی

سنے۔ باقی بیچے واقفکاروں کی تحریرات سے حاصل کئے۔ حکیم صاحب کے بیانات اور مولوی صاحب کے دستخطی کاغذات سے بھی کام لیا گیا۔ مولوی فضل حق صاحب مہاجر نے جو آپ کے حقیقی بھتیجے تھے مکہ معظمہ سے خطوط میں واقعات لکھکر راقم کو بھیجے۔ مولانا سید عبداللہ صاحب مہاجر نے جنھوں نے حسب وصیت مولوی صاحب کو غسل جنازہ دیا تھا حالات لکھکر مکہ معظمہ سے ارسال فرمائے۔ انھیں کے ایک معزز عزیز معتمد الدولہ بخشی حافظ عبدالغنی صاحب جو لکھنؤ اور کلکتہ میں تا زیست شاہ اودھ کے بخشی رہے وہ بھی مولوی صاحب کے ہم مکتب تھے۔ اور ان کے دوسرے بھائی مخاطب بہ امانت الدولہ محمد عبدالعلی صاحب بھی مولوی صاحب کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔

حکمی منشی عبدالحلیم صاحب ڈپٹی کلکٹر کے والد منشی عبدالعلی صاحب نے راقم سے اپنے چشم دید واقعات بیان کئے۔ مولوی سید علی صاحب کے بعض بیانات کی تصدیق کی غرض کہ جملہ حالات بہ نہایت تحقیق سے تحریر کئے گئے ہیں۔

اس موقع پر مولوی صاحب کے بعض اردو اور فارسی خطوط کا نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے دیکھنے سے مولوی صاحب کی قابلیت اور حکیم صاحب کی خصوصیت کا اظہار ہو جائیگا۔

مولوی محمد شاہ صاحب کا خط حکیم صاحب کے نام

جناب اخوی صاحب قبلہ معظم مولانا حکیم سید فرزند علی صاحب مدظلہم۔ بعد عرض تسلیم الصمد کریم گذارش خدمت عالی یہ کہ آپ نے جو اس خاکسار کے مزاج میں نوابی کے آجانے کا گمان فرمایا ہے سو میری نوابی کی حقیقت سُنئے واقعی میں چند مہینوں سے کشور رنجوری کا بہت بڑا نواب عالیجناب ہو گیا ہوں اور یہ سہل انگاریاں اور سستیاں بھی میری مشقت تحریر خطوط وغیرہ میں اسی نوابی کے اقتضا سے ہیں کہ بالکل از خود رفتہ ہو رہا ہوں۔ آپ کا عنایت نامہ متضمن تحریر بشری کے

انتقال وارتحال جناب اخوی مولوی عبدالحلیم صاحب مبرور مغفور آیا تھا۔ اِس کا جواب مع تحریر اسی عزیز از جان مولوی عبدالغفور صاحب کے اسی وقت لکھا تھا اِس وقت تحریر گرامی سے نہ پہونچنا اُس جواب کا معلوم ہوا وجہ اس کی سوا اس کے اور کچھ نہیں ہو کہ میں حالت ضعف و پریشانی میں اُس جواب کو کہیں رکھکر بھول گیا اور خیال یہ رہا کہ وہ تحریر میں نے روانہ کردی ہو۔ حال میری پریشانی و بدحواسی کا آج کل کچھ ایسا ہی ہے اور شکایتیں میری کوتاہ قلمی کی ہر چہار طرف سے برابر ہورہی ہیں سستی مزاج کا یہ حال ہو کہ دو مہینہ سے برابر اپنے حالات علالت کے آپ کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ لیکن اِس وقت تک نوبت اس کی نہیں آئی۔ چوں کہ اس وقت لکھنا آپ کی تحریر کے جواب کا واجب و لازم ہوا لہٰذا اپنی علالت کا حال بھی اسی وقت حوالہ تحریر کرتا ہوں۔ یہ شکایت مجھکو اُسی قبیل سے لاحق ہورہی کہ جو آپ کے کلکتہ میں بار دوم تشریف لانے کے وقت مجھکو ہوگئی تھی لیکن آپ نے تشریف لاکر پرہیز وغیرہ سب چھوڑا دیا تھا۔

اس کے بعد اپنے مرض حرارت زکامی و دورۂ تبخیر اور اختلاج قلبی وغیرہ کی تفصیل اور پھر علاج کی مفصل کیفیت حکیم سید سجّاد صاحب طبیب شاہی کا معجون و بیدالور و دمروقین کا استعمال کرانا اور صحت نہونے کا حال تحریر کیا ہو۔

اِن سب حالات میں غور فرماکر کوئی نسخہ تجویز فرمائی تو استعمال کروں۔ باقی حالات یہاں کے یہ ہیں کہ دو حادثے یہاں بالفعل بہت بڑے ہوئے ہیں۔ ایک انتقال نواب امیر علی خاں دوسرے انتقال نواب معشوق محل صاحبہ ان دونوں حادثوں سے سرکار شاہی اور سرکار صاحب عالم بہادر دونوں میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوا۔ سرکار شاہی کی تو یہ کیفیت ہو کہ بجائے نواب صاحب کے عہدۂ مدار المہامی شاہی پر منصرم الدولہ منشی سید محمد حسین صاحب مقرر ہوئے اور کارندگان سابق میں اکثر انقلاب ہوا۔ ریحان الدولہ سید شجاع حسین جو کہ تمام کارخانجات شاہی کے کارگذار و منتظم تھے اُن سے

کل کارخانجات نکل گئے۔ اور منشی السلطان جن کے سپرد دواخانہ خوری عجائب خانہ کی تھی اور بھی چند خدمتیں تھیں اُن سے بھی خدمات بالکل نکل گئیں۔ بالفعل دو خدمت گار سرکار شاہی میں بہت پیش ہوئے ہیں ایک کا نام بھیکن خاں ہے اور دوسرے کا محمد علی کل کارخانجات اوروں سے نکل نکل کر انھیں دونوں کو سپرد ہوتے جاتے ہیں۔ منصرم الدولہ عمدہ مدار المہامی پر ابھی نئے ہیں پاؤں ان کا بخوبی جما نہیں ہے۔ بعد پاؤں جمنے کے البتہ بہت دخل واختیار اور احاطہ کلی حاصل کریں گے۔ اب سُنیئے حال راقم کی سرکار کا نواب معشوق محل صاحبہ کا دفعی انتقال ہوا۔ قریب لاکھ روپیہ کے قطعات نوٹ پرامیسری اور دو لاکھ یا کم و بیش کے اور اسباب از قسم جواہرات و زر و زیورات نقرہ وغیرہ اور پانچ چھ ہزار روپیہ سال کی جاگیر۔ یہ سب سامان بیگم صاحبہ نے وارثوں کے واسطے چھوڑا دو بیٹے ایک بیٹی تین وارث شرعی ہیں جن میں تقسیم اس کی ہوگی۔ صاحب ایجنٹ بہادر کی رائے پر جملہ تقسیم سپرد کی گئی ہے۔ کسی قدر متروکہ تو صاحب نے تقسیم کر دیا مگر تقسیم جواہرات و قطعات نوٹ وجاگیر ہنوز باقی ہے۔ عنقریب ظہور میں آئے گی۔

ہمارے ولی نعمت کی سرکار بکثرت قرضدار ہے۔ آٹھ نو مہینے تنخواہ ملازمین کے چڑھے ہیں۔ اس سبب سے کل ملازمین بھی نہایت پریشان ہیں اور قرضخواہوں کا نرغہ جس روز سے بیگم صاحبہ کے ترکہ کی

ان دونوں شخصوں کا اس قدر عروج ہوا کہ بھیکن کو دار وغہ معتبر علی خاں کا اور محمد علی کو عطا رد الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ یعنی شاہزادہ جنرل فریدو نقدر میرزا محمد ہزبر علی بہادر جو واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے فرزند تھے شاہزادہ موصوف بیت السلطنت لکھنؤ میں ۱۲۶۱ھ کو نواب معشوق محل بیگم صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے تاریخ ولادت (جوانِ اختر) ہے اُس زمانہ میں آپ کے والد نامدار ولیعہد اور جد بزرگوار امجد علی شاہ تخت نشین تھے۔ جب دو برس کے ہوئے مرشد زادگی سے شاہزادگی کو پہونچے یعنی آپ کے پدر عالی قدر تخت نشین ہوئے ۱۲۶۳ھ میں حسب آئین شہریاری آپ کو خطاب جرنیلی یعنی منصب سپہ سالاری کا

تقسیم کی خبر مشہور ہوئی برابر ہو رہا ہے۔ لاکھ روپیہ سے زیادہ بالفعل ان کے روک لینے ہی کے واسطے چاہیئے۔ ستر اسی ہزار کی نالشیں بھی دائر ہو چکی ہیں۔ صاحب عالم بہادر کا ارادہ نہ جواہرات کے بیچنے کا معلوم ہوتا ہے نہ نوٹوں کے جدا کرنے کا۔ جس روز سے بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا ہے ایک تو

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ پیشگاہ سلطنت سے مرحمت فرمایا گیا۔ اور سنہ ۱۲۷۱ھ میں چھوٹی صاحبزادی نواب مدار الدولہ منتظم الملک سید علی نقی خان بہادر سہراب جنگ وزیر اعظم سے آپ کی کتخدائی فرمائی گئی۔ جب سلطنت اودھ میں انقلاب پیدا ہوا تو سنہ ۱۲۷۲ھ میں اپنے والدین کے ہمراہ کلکتہ گئے اور وہیں تحصیل علمی و فضائل علمی میں مصروف ہوئے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں بعد انتقال مرزا محمد حامد علی بہادر ولیعہد جنت نشین کے آپ خلف اکبر اولاد شاہی قرار پائے اور بطور پرائیوٹ انڈری دربار گورنری میں آپ پرنس مقرر ہوئے سنہ ۱۲۹۲ھ میں جب دربار قیصری دہلی میں قرار پایا تو اہالیان گورنمنٹ نے آپ کو بھی مدعو کیا۔ آپ چہ بہ طور پر مولوی محمد شاہ صاحب کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور حکیم سید فرزند علی صاحب کے قریب ٹھیرے اور شریک دربار ہوئے۔ دہلی کے عمارات و مزارات کی سیر کر کے ۲۰ روز کے بعد کلکتہ واپس گئے۔ سنہ ۱۲۹۵ھ میں گورنمنٹ نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ ماہوار آپ کی سرکار کی مصارف کے واسطے مقرر فرمایا۔ اور بخیال حفظ مراتب حاضری عدالت سے بری کیا عنفوان شباب سے شاہزادہ صاحب کو اردو زبان میں غزلیات موزوں کرنے کا شوق تھا اکثر اصلاح کلام اپنے پدر والاگہر متخلص بہ اختر سے لیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۹۴ھ میں اپنا دیوان موسومہ بہ (جودت عشق) مرتب کیا جو سنہ ۱۲۹۶ھ میں زیر اہتمام مولوی محمد شاہ صاحب طبع ہوا۔ تاریخ طبع خود شاہزادہ کی طرف سے برج دیوان ہے:

ہنر بہر سال اتمام اینچنیں گفت ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بہ بیں لطف خیابان محبت

افسوس شاہزادہ ہنر بر علی بہادر نے ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۲ھ کو ۴۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ کلام آپ کا رنگین شگفتہ ہے جس میں بندش کی چستی زبان کی شستگی۔ شاہانہ محاورات اور دلکش بول چال کا خاص لطف آتا ہے اور فصاحت آپ کی مسلم ہے۔ شاہزادہ صاحب نے اپنا دیوان حکیم صاحب کو جو عنایت فرمایا اس کی

مجھکو شدت مرض جس کا بیان نہیں ہو سکتا اُس کے ساتھ ایسی ایسی تشویشیں برابر لاحق رہیں اور اب تک ہیں کہ کیا عرض کروں۔ گاڑی میں پڑا برابر گھسٹتا رہا گھنچکر ہو گیا ایک دن گھر پر ٹھہرنے کا

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ علت غائی بھی اشاعت تھی لہذا اس موانح عمری میں چند اشعار اس سے لے کر درج کئے جاتے ہیں جو قابل دید ہیں اکثر صاحبوں کی نظر سے یہ دیوان شاید گزرا بھی نہو۔ آپ کی تصویر تاجدار جس سے شان شاہزادگی نمایاں ہی راقم کو آپ کے برادر چچا زاد شہزادہ شہنشاہ بخت محمد اسرائیل علی میرزا صاحب یعنی نبیرہ حضرت سلطان عالم نے عنایت فرمائی ہی۔ انتخاب کلام ؎

ہوا ہی شوق مجھکو اس کے در پر جبہہ سائی کا
کہ شاہی سے ہی اعلیٰ مرتبہ جس کی گدائی کا

اٹھایا عشق میں ہر چند غم ساری خدائی کا
مگر اب ہم سے اُٹھ سکتا نہیں صدمہ جدائی کا

ملک عرش بریں پر دیکھکر حضرت کو کہتے تھے
یہ وہ بندہ ہی جو مختار ہے ساری خدائی کا

اُٹھا پردہ دوئی کا جب تو وہ یکتا نظر آیا
حجاب غیر مانع تھا مرے دل کی صفائی کا

نہوں گا میں کبھی مجبور اے دل کامیابی میں
غلام اُس کا ہوں جو مختار ہی ساری خدائی کا

علی کے نام پر مشکلکشائی ختم کی حق نے
کسے ایسا ہوا ہی حوصلہ مشکلکشائی کا

ایضاً

آنکھوں میں پھر رہا ہے جو سامان لکھنؤ
حسرت یہ کہہ رہی ہے کہ قربان لکھنؤ

تھا رشک خلد کو جسے ویران لکھنؤ
گلزار تھا ہر ایک بیابان لکھنؤ

رشک نعیم کہتے تھے کل تک جسے ملک
اُجڑا پڑا ہے آج وہ بستان لکھنؤ

آئے نظر گدا بھی وہاں کے دوشالہ پوش
رکھتا تھا کیا بہار زمستان لکھنؤ

ہر مور کو بھی اوج سلیماں نصیب تھا
تھے جم حشم تمام گدایان لکھنؤ

رنگین و دلفریب تھی ہر ایک کی زباں
سحباں تھا ایک ایک زباندان لکھنؤ

آرام نہیں۔ اوّل خوف نالش وفسادات شر کا دوسرے اہم معاملہ ترکہ کا تھا اس کو بجد وکد تمام دفع کیا پھر تقسیم متروکات کی تشویش دوڑ دھوپ پھر نرغہ قرضخواہوں کا ہر وقت اندیشہ اور

[illegible] یارب عروج اختر اوج شہی سے پھر — روشن ہو مثل روز شبستان لکھنؤ
تقدیر میں لکھا ہے تو اک روز لے ہنر بر — دیکھیں گے چل کے پھر وہی سامان لکھنؤ

[illegible] راحت شب فراق نہ پائی تمام رات — پہلو تھا اور درد جدائی تمام رات
کرتا گلہ وصال میں کیا درد ہجر کا — اک بات بھی تو یاد نہ آئی تمام رات
آفت میں جان شمع کی تھی شام وصل سے — میں نے بجھائی اس نے جلائی تمام رات
سوتے تھے ہم تو شام سے متوالے کی طرح — کیا سوچ تھا کہ نیند نہ آئی تمام رات
اے روز وصل چھوڑ کے تنہا نہ مجکو جا — کیوں کر سہوں گا رنج جدائی تمام رات
اک ہم ہیں جاگتے ہیں سحر تک جو شام سے — سوتی ہے ورنہ ساری خدائی تمام رات
آرام وہ کیا کیے تا صبح چین سے — ایذائے ہجر ہم نے اُٹھائے تمام رات
نکلی جو وہ تلاش میں روز وصال کے — پھر کر بدن میں روح نہ آئی تمام رات
مژدہ دیا صبا نے جو صبح بہار کا — بلبل نے کی ہے نغمہ سرائی تمام رات
کچھ شام سے وہ ایسے مکدر ہوئے ہنر بر — تا صبح پھر ہوئی نہ صفائی تمام رات

جلایا تپ غم نے ہم کو یہاں تک — کہ جل جل کے چونا ہوئیں ہڈیاں تک
مٹایا مٹانا تھا تجھکو جہاں تک — فلک باز آ اب بھی آخر کہاں تک
خدا کے لئے اے صبا تو ہی جا کر — مرا نامہ پہونچا مرے مہرباں تک
بلا ہیں لب سبز فنا بھی نہ ہم کو — چبالیں سگ یار بھی ہڈیاں تک
بیٹھیں ضبط دیکھو مرے سوز غم کا — ہوا خاک جل کر نہ نکلا دھواں تک

فکر و تدبیر میں دوڑتا اسی کے علاوہ مقدمہ اجرائے تنخواہ بیگم صاحبہ مرحومہ جو کہ لڑ رہا ہوں بادشاہ اپنی طرف اس جائداد کو کھینچنا چاہتے ہیں اور اس طرف سے میں برابر کوشش کر رہا ہوں کہ ورثہ

[illegible]

مرے دستخط کو پڑھا دل ہی دل میں — نہ آیا مرا نام اُس کی زباں تک

ہجر برلب دُعا کر کہ اختر سلامت — مزا شعرگوئی کا ہے قدرداں تک

[illegible]

نہ تم سا ہوشربا ہے نہ مجھ سا دیوانہ — بیان لیلی و مجنوں ہے صرف افسانہ

ہمارے دل کو کیا ضبط لے شۂ خوبی — ہوا ہے کونسی تقصیر پہ یہ جرمانہ

یہ رمز کیا ہے وہی خوب اس سے واقف ہے — بڑھایا عید سے معبود نے جو یارانہ

کیا ہے تجدد ورنگی نے تیرے گلشن کو — جہاں پہ باغ کھلا ہے وہاں ہے ویرانہ

تمہاری دھیان میں رہتا ہوں رات دن خاموش — نہ خود غلط ہوں نہ مدہوش ہوں نہ دیوانہ

سمجھ کے وصل کی شب کو ہجر نے شب قدر — تمام رات پڑھی ہے نماز شکرانہ

جو خود نقش پا کی طرح مٹ چکا ہو — اُسے آپ برباد کیا کیجئے گا

سر شام کاکل پریشان کیوں ہے — بلا میں کسے مبتلا کیجئے گا

ہے جب تک مری خاک اُڑا لیجئے بس — پھر آئندہ برباد کیا کیجئے گا

اِک ابرو کی جنبش میں بس فیصلہ ہے — بھلا کھینچکر تیغ کیا کیجئے گا

نظر پڑ رہی ہے جو زنداں کی جانب — کسے قید کس کو رہا کیجئے گا

ہجر اب اسیری سے گھبرا گئے ہیں — انھیں آپ کس دن رہا کیجئے گا

نہ بیتابی نہ باقی ناز معشوقانہ رہتا ہے — جہاں میں عاشق و معشوق کا افسانہ رہتا ہے

شرابیں ڈھلتی ہیں ہر دم پری رو جمع ہیں ساقی — عجب گلزار روز و شب ترا میخانہ رہتا ہے

قیامت عشق کی لو ہے بجھانے سے نہیں بجھتی — کہ دل اس شمع رو پہ جل کے بھی پروانہ رہتا ہے

بیگم صاحبہ کے نام جاری ہو گو وجوہ دلایل ہماری طرف کے بہت سست ہیں اور اُمید کامیابی
مقدمہ میں اوّل ہی سے بہت کم ہی لیکن کوشش برابر ہو رہی ہے۔ جاگیر بیگم صاحبہ جو لکھنؤ میں ہے

نہیں معلوم ہی ملکِ عدم کو بد تا کس کی — ہزاروں بستیاں بستی ہیں پر ویرانہ رہتا ہے
پریشانی دلِ صد چاک پر کیا کیا گذرتی ہے — وہاں اُلجھا ہوا شانوں میں جب تک شانہ رہتا ہے
دل اپنا خوش وہ کر لیتے ہیں خود بینی سے خلوت میں — نکھرنے کے لیئے آئینہ سے یارانہ رہتا ہے
گریباں پھٹتے ہیں غنچوں کے بلبل سنکے چلتی ہے — ہمیشہ موسمِ گل میں یہی افسانہ رہتا ہے
محبت کے بہانہ سے لگاوٹ لاکھ پیدا کی — دلِ آشنا پھر اگر نا آشنا رہتا ہے
نکر جوشِ محبت میں نصیحت باز آنے کی — کہیں قابو میں ای ناصح دلِ دیوانہ رہتا ہے
وہ ہر شب جلوہ افروز کے ہوتے ہیں بحمد اللہ — چراغِ حسن سے روشن میرا کاشانہ رہتا ہے
ارادہ ہی کروں اس رشکِ لیلیٰ کی خریداری — ہمیشہ نقدِ دل کا ہاتھ میں بیعانہ رہتا ہے
یہ کیفیت ہی شوقِ میکشی میں ای ہنر میرا اپنی — بغل میں شیشۂ مے ہاتھ میں پیمانہ رہتا ہے

ایضاً

نقاب رُخ سے جو وہ ماہرو اُٹھا دے گا — یقیں ہی جلوۂ خورشید کو مٹا دے گا
کرے گا خوابِ عدم سے وہ فتنۂ خود بیدار — سُلا گیا ہے جو ہم کو وہی جگا دے گا
وہاں قبر سے کہتے ہیں ساکنانِ عدم — کہ سب کو خاک میں اک دن فلک ملا دے گا
کسے خبر تھی کہ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں نے — پڑھا لکھا ہی جو مکتب میں سب بھلا دے گا

ایضاً

وہ گل ہوں رنجِ چمن چھوٹ کر چمن سے ہوا — وطن کا داغ نکل کر مجھے وطن سے ہوا
چمن میں غنچے نہ واقف تھے مسکرانے سے — نصیبِ حسن تبسم ترے دہن سے ہوا

اس کے معاملات جدا درپیش ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس وقت میں باوجود بیماری کے افکار بھی اس قدر پیش رہے اور ہر انبار ہیں جن کا بیان نہیں ہوسکتا ان سب کے وجود سے جس قدر بیہوشی اور خود فراموشی مجکو ہو

چھڑایا نزع کے عالم نے درد ہجراں سے
الٰہی شکر کہ فارغ غم و محن سے ہوا

گلِ امید سے بھرنے کو تھا دامن میرا
مجھ سے چھوٹا ہی عجب وقت میں گلشن میرا

آشیاں نوچ کے صیّاد چنیں گے تنکے
باغباں دیکھ کے روئیں گے نشیمن میرا

جامۂ مس در پہ فقیری کا جو پہنا ہے ہزبر
بادشہ ڈھونڈھتے ہیں گوشۂ دامن میرا

ایضاً

کس لئے نفس کے پھندے میں گرفتار ہے دل
کیوں پھنسا دیو کے پنجہ میں سلیماں ہوکر

آرزو ہے کہ رہوں تیرے درِ دولت پر
زندگی بھر میں کروں چوکسی درباں ہوکر

حسرت و یاس و تأسف نے کیا دل میں ہجوم
ہم جو نکلے طرفِ گورِ غریباں ہوکر

ساتھ ہی سوچ کے انجام کو شبنم روئی
گل شگفتہ جو ہوئے صبح کو خنداں ہوکر

دم ہی مہمان دمِ چند نفس ہے ہستی
بوریا ڈھونڈ نکر تخت سلیماں کی ہوس

لکھنؤ جس نے کہ دیکھا ہے بچشمِ انصاف
ہے یقیں وہ نکرے ملک سلیماں کی ہوس

درد آمیز یہ اشعار جو ہوں گے مشہور
اہلِ دل دل سے کریں گے مری دیواں کی ہوس

افلاک و عرش زیرِ قدم سرنگوں ہوئے
اعزاز بخش آئے پیمبر کہاں کہاں

نکلا میں جا کے خاک اڑاتا جو سوئے نجد
مجنوں نے دی صدا کہ برادر کہاں کہاں

برہم وہ ہوکے اٹھ تو گئے میرے پاس سے
ثابت ہوئی نہ وجہ مگر کچھ عتاب کی

دونوں جہاں میں ہم کو نہ رکھا کہیں کا بھی
مٹی ہماری عشق نے ایسی خراب کی

نزدیک ہی خزاں کا زمانہ بھی اے گلو
یاد آئیں گی حکایتیں حسن و شباب کی

عجب نہیں۔ جواب اس عریضہ کا معہ نسخوں کے جلد عنایت فرمایئے اور عزیز از جان مولوی عبد الغفور صاحب کا حال لکھئے کہ کہاں ہیں اور ان کے دادا صاحب اور اعزہ اور بزرگ تو مع الخیر ہیں جناب اخوی صاحب

اکسیر کیمیا سے زیادہ ہے اے ہنر بر — آئے جو ہاتھ خاک در بو تراب کی

دل ہی نہیں ہے شاخ تمنا ہری ہو کیا — جڑ جس کی کاٹ ڈالی ہو یہ وہ درخت ہو

اس کے گلی میں خاک نشینی ہو سلطنت — دیہیم کی ہوس نہ تمنائے تخت ہو

ارباب مایہ کا ہے تواضع ہی وزن قدر — جھکتی ہے بار دار جو شاخ درخت ہو

پھولا پھلا نہال تمنا نہ عمر بھر — باغ جہاں میں سمجھا کوئی سبز بخت ہو

برسوں کے بعد مجھکو ہوا ہو یہ دن نصیب — پہلو میں وہ جو سوئے ہیں بیدار بخت ہو

نہیں کچھ اعتبار اس دولت فانی کا دنیا میں — خزانہ ہو نہ لشکر ہو سکندر ہو نہ دارا ہو

ہنر ور اہل زباں نے ہم سے سیکھی ہو زباں دانی — فقط یہ فیض اختر ہے جو یہ رتبہ ہمارا ہے

مقصود جب وہ ٹھہرا پھر غیر سے غرض کیا — دنیا کی کچھ ہے پروا ہم کو نہ فکر دیں کی

گر غیر دان نامی شاہی سے ہیں گرامی — ہے فخر یاں غلامی سلطان مرسلیں کی

کام ہر دم ہو حکایات ملال آمیز سے — شغل اپنا ہو گیا ہے دفتر غم دیکھنا

ہو دعا اختر نگر میں ہو مبارک لے ہنر بر — خلق کو شان جلوس جانعالم دیکھنا

کوئی افسانہ نہیں تیرے فسانہ کی طرح — سب تواریخیں پڑھیں سیکڑوں دفتر لیے

کیا کہوں دل کی کسی طرح رنگ سے وحشت نہ گئی — لاکھ گلشن میں پھرا دل کے بہلنے کے لئے

زر کی طمع نے سب کا لہو کر دیا سفید — کچھ آج کل عجیب زمانہ کا رنگ ہے

کلکتہ سے خدا ہی مسافر کو دے نجات — اس جا کی بود و باش تو قید فرنگ ہے

بیخودی سے وجد میں آتا ہے ہو کر مست ذوق — جس کو ہم دیتے ہیں غزلیں اپنی گانے کے لئے

قبلہ سید نجف علی صاحب کی خدمت میں بہت بہت تسلیم عرض کرتا ہوں۔ لایق الدولہ اور سید امیر حسن دونوں صاحب مع الخیر ہیں اور آپ کی خدمت میں بہت بہت تسلیم گذارش کرتے ہیں والسلام خیر ختام مرسلہ نامہ سیاہ محمد شاد عفی عنہ از کلکتہ سنی بازار ۲۶ صفر ۱۲۹۶ھ

ایضاً

جناب اخوی صاحب قبلہ معظم اخوان مستجمع محامد بیکراں مولوی حکیم سید فرزند علی صاحب ظلہ سلمہ بعد تسلیم و تعظیم گذارش خدمت سراپا برکت یہ کہ دیر سے کوئی شفقت نامہ آپ کا شرف ورود نہیں لایا نہ اس کمترین کو اتفاق عریضہ لکھنے کا آپ کی خدمت باعظمت میں ہوا۔ میری تقصیر تحریر کے اصل دو سبب تھے اولاً یہ کہ آپ نے جو کچھ اپنے بارہ میں تحریر فرمایا تھا اُس کا جواب بے ٹھکانے ابلاغ خدمت نہیں کر سکا بندوبست و فکر میں البتہ برابر مصروف رہا گو اس وقت تک کوئی فکر کارگر نہیں ہوئی لیکن اس وقت بسبب اس کے کہ آپ کی خیر و عافیت دیر سے نہیں معلوم ہوئی اور میری قصور داری کو مدت مدید ہو چکی ہے ارسال کرنا عریضہ کا آپ کی خدمت باعظمت میں واجب و لازم جانا۔ سبب دوم تقصیر تحریر یہ کہ میں اس زمانہ میں روز انتقال نواب معشوق محل صاحبہ سے اس وقت تک انواع افکار و تردد و انتشار میں مبتلا ہوا اور اس وقت بھی برابر مبتلا ہوں۔ اوّل سبب کی تھوڑی سی کیفیت سنئے الہ آباد کے بعض عمائد میر منشی لفٹنٹ گورنر وغیرہ کے نام جو آپ نے طلب فرمائے تھے اُس کی فکر بہت کچھ کی

اعتبار ہیچ ہی کچھ ہے نہ راحت کو قیام — ہیں تغیرات و دن اے دل زمانہ کے لئے

پژمردگی شگفتہ دلوں کو ہوئی نصیب — بگڑا ہے رنگ کچھ کیا چمن روزگار کا

اپنے دل میں ہے کہ پرچۂ اخبار دیکھئے — لکھی جو ہو تو کچھ خبر یار دیکھئے

آبرو حق نے مجھکو بہت بخشی — بحر شاہی کا میں بھی گوہر ہوں

عہد پیری میں بکھرا کرتے ہیں ٹھنڈی سانسیں — صبح ہے ہنگام سحر سرد ہوا ہوتی ہے

لیکن حقیقت یہ ہی کہ ملک بنگالہ گویا ملک ہی جُدا ہے اُن اضلاع کے عملہاے ہندوستانی سے یہاں کے عمائد و مشاہیر کو راہ و رسم بلکہ واقفیت ہی نہیں ہی ہر چند تلاش کیا اور چاہا کہ کوئی ایسا سلسلہ معلوم ہوا اور نکلے لیکن کہیں کوئی صورت نہیں معلوم ہوئی علی الخصوص اس وقت میں کہ نواب گورنر جنرل شملہ پر ہیں ان کے عملہ معززین بھی کوئی صاحب یہاں موجود نہیں ہیں جب اس طرف سے مجھکو ناکامی معلوم ہوئی تو حیدرآباد کو ایک تحریر خدمت جناب اخوی صاحب میں مشعر بعض مشورت و تدابیر اس بارہ میں روانہ کی اور جناب معظمی حکیم میر سید علی صاحب کو بھی اطلاع اس کی دی حکیم صاحب اور اخوی صاحب نے دو تین تحریریں متواتر اس بارہ میں روانہ فرمائیں اور جو ایک مقدمہ مشترک خاندان نواب شمس الامرا بہادر میں بالفعل واقع ہی اور ہائیکورٹ کلکتہ میں دوران اُس کا ہوا ہی اس کے بعض امور میں لکھا اور تحریک و سلسلہ جنبانی چاہی اور فرمایا کہ اگر اس بارہ میں کچھ اعانت و تدبیر بھی ممکن ہو سکے تو جناب حکیم صاحب کے واسطے نہایت عمدہ صورت ملازمت کی حیدرآباد میں فی الفور ممکن ہی کئی مہینہ سے تحریک اور کوشش بموجب تحریر جناب حکیم صاحب اور مشورہ جناب اخوی صاحب کے ہو رہی ہے۔ لیکن چوں کہ معاملہ نہایت رازداری کا ہی اور حکام وقت یہاں موجود نہیں ہیں اور دور سے سعی و تدبیر کرنے میں نہایت دقتیں ہوتی ہیں اس سبب سے تاخیر کثیر ظہور نتیجہ میں واقع ہوئی اور ہو رہی ہے اگر خواستہ خدا ہی اور یہ تدبیر کارگر ہو گئی تو صورت برآمد مدعا کی البتہ باحسن وجہ نکل سکے گی اور اطلاع اُس کی آپ کی خدمت میں فی الفور کی جائے گی۔ باقی اصل مشقت اور تدبیر تو میری آپ کے بارہ میں روز تعلق سرکار حضور پرنور شاہزادہ صاحب دام اقبالہ سے یہ تھی کہ اپنی سرکار ہی میں صورت آپ کے تعلق مناسب کی نکلے گی۔ لیکن بسبب اتفاقات تقدیری اور مقروضی و زیرباری سرکار کے اس تدبیر میں بھی آج تک کامیابی اس عاجز کم نصیب کو نہیں ہوئی یہاں تک بیان مجمل سبب اوّل کا تھا۔ اب سُنئے حال سبب دوم کا کیفیت اُس کی یہ ہی

نہ روز انتقال نواب معشوق محل صاحبہ سے جو تردد دات اُن مرحومہ کی جائداد کے تقسیم کرانے میں
اور عدالت کے جھگڑوں سے ورثہ اور متروکہ دونوں کو بچانے میں واقع ہوئے وہ تو واقع ہوئے
بہت بڑا تردد یہ ہوا کہ چوں کہ سرکار جدید میں میرے حاسد بہت ہیں بلکہ بھرے ہوئے ہیں اور بعض
موقع پا کر صاحب عالم بہادر کو میری جانب سے برہم کرنا چاہتے ہیں میں نے سرکار میں جانا تک موقوف
کر دیا جانا آنا صرف اشد ضرورت پر موقوف و منحصر رکھا اور غصہ اپنی طبیعت کا ولی النعم پر اُن کی
بے اعتنائی اور ناراضی سے بڑھکر ظاہر کر دکھلایا۔ اکثر بار اس ما بین میں روزگار سے کنارہ کش
ہو جانا بھی دل میں آیا مگر فقط اس خیال سے کہ دو کام سرکار کے بہت بڑے ناتمام محض تھے علی الخصوص
معاملہ تدبیر و بندوبست ادائے قرضہ کا جس کی تعداد اس وقت بھی قریب سوا لاکھ روپیہ کے ہی ناتمام
پڑا تھا اُن معاملات کو ناتمام چھوڑکر جدا ہو جانے میں دو قباحتیں بہت بڑی نظر آئیں ایک یہ کہ مقدمات
معلومہ غالباً اِس وقت میرے علیحدہ ہو جانے سے خراب ہو جائیں گے اور نہایت نقصان حضور کا
ہوگا۔ دوم یہ کہ تمام عوام یہی خیال کریں گے اور کہیں گے کہ جب بندوبست قرضہ وغیرہ کا نہو سکا تو
مجبور ہوکر علیحدہ ہوگئے اور آقا کو مخمصہ میں پھنسا ہوا چھوڑکر کنارہ کر گئے انھیں خیالات سے صرف
میں نے استعفا دینا نوکری سے مناسب نہیں جانا۔ رہا امر کشیدگی بلا ضرورت ڈیوڑھی پر جانا بالکل
ترک کر دیا اگر کوئی ضرورت مہینہ مہینہ تک پیش نہ آئی تو مہینہ دو مہینہ بھی خبر نہوا کہ ڈیوڑھی کہاں ہے
اور غصہ میں آکر جو گاڑی گھوڑا کوچبان سائیس خاصۃً میری سواری کے واسطے ابتدا سے مقرر تھا اُس سے
بھی خود بخود کنارہ کیا۔ باوجود کثرت مصارف وعدہ کفایت مداخل جداگانہ گاڑی گھوڑا خرید کیا اور
کوچبان سائیس بھی اپنا جداگانہ رکھا کس واسطے کہ جانا آنا کلکتہ وغیرہ کا جو بضرورت کارہائے سرکار
برابر لگا رہتا ہی۔ سرکاری گاڑی گھوڑے کو جب غصہ میں آکر موقوف کیا اور ایک مدت تک اپنے
پاس سے صرف کرایہ کرکے گاڑی کرایہ جانا آنا رہا تو ایک عرصہ کے بعد کئی سو روپیہ کی زیر باری

اُس کرایہ کے سبب معلوم ہوئی آخر مجبوری کیا کرتا خود گاڑی گھوڑا خرید کرنا واجب و لازم جانا اور
کوئی صورت برآمد کار کی معلوم ہی نہوئی۔ کیفیت میرے اس ملال اور حضور آقا کے درمیان اس
نوع پر ہی۔ جو کام سرکار کے کہ اُن کا سرانجام دینا قبل اپنی علیحدگی یا صفائی کے واجب و لازم جانتا
ہوں رات دن اُنھیں کاموں کی دردسری میں لگا رہتا ہوں خداوند تعالی انجام جملہ امور کا بخیر
کرے۔ از خ معظم سے امیدوار توجہ اور دُعا کا ہوں۔ قبل اس کے کئی مہینے ہوئے کہ حضرت مولانا
و مقتدانا مولانا محمد عمر صاحب ہمارے حضرت پیر و مرشد قدس اللہ سرہ العزیز کے منجھلے صاحبزادہ بقصد رامپور
حرمین سے براہ کلکتہ تشریف لائے تھوڑی مدت یہاں مقیم بھی رہے جناب ممدوح میاں ابوالخیر صاحب
صاحبزادہ والا قدر کی شادی کرنے کے واسطے تشریف لائے ہیں۔ جناب صاحبزادہ مولانا حافظ
محمد معصوم صاحب کی صاحبزادی سے عقد نکاح صاحبزادہ مولانا ابوالخیر صاحب کا قرار پایا ہے
اور بعد فراغ حرمین شریفین کو مراجعت فرمائیں گے بالفعل حضرت ممدوح رونق افروز رامپور ہیں
برخوردار محمد فضل حق لکھنؤ میں بخیریت ہی پہنچا تھا کہ رامپور رہکر چند سال میں کچھ آدمی ہو جائے گا
مگر ماہ مبارک گذشتہ سے جو وہ رامپور سے بہ بہانہ ملاقات مادر رخصت لے کر آیا اور لکھنؤ آکر بیمار
ہوا اُس روز سے پھر اس کی ہمت رامپور کی طرف ہرگز متوجہ نہوئی باقی حالات یہاں کے بدستور
ہیں آپ وہاں کے حالات سے مطلع فرمائیے۔ اور ایک عرض آپ کی خدمت میں یہ ہے کہ ایک
عنایت فرما میرے رسالہ مفردات یا مرکبات ادویہ انگریزی تصنیف حکیم اصغر حسین صاحب جس کو
آپ کی فرمایش کے بموجب تالیف کیا تھا چاہتے ہیں اور اگر کوئی کتاب مفردات یا مرکبات میں
بموجب وعدہ حکیم صاحب نے تالیف فرمائی ہو تو اس کو بھی چاہتے ہیں مہینہ بھر کے قریب ہوا آپ کی
خدمت میں اس بارہ میں تحریر روانہ کرنے کے واسطے مجھ سے فرمایش کی تھی اب مجھ پر برابر تاکید
ہے اگر کوئی نسخہ اس رسالہ کا مکرر آپ کی خدمت میں پڑا ہو تو عنایت فرمائیے یا حکیم اصغر حسین صاحب کو

تحریر لکھکر منگوا لیئے جواب اس بارہ میں ایسا تحریر فرمایئے کہ میں اپنے اُن عنایت فرماکو دکھلا سکوں اور اگر کوئی دوسرا رسالہ مرکبات وغیرہ میں بھی حکیم صاحب نے تالیف کیا ہو اور وہ بھی چھپا ہو تو اُس کے دستیاب ہونے کی صورت بھی بتلایئے۔ بالفعل لندن سے ایک شخص تحصیل علم کر کے اور سارٹیفکٹ کونسلی ہونے کا لے کے یہاں پہونچے ہیں اُن سے مجھ سے بمکان عبداللطیف خاں جو چندے بحکم گورنمنٹ مخاطب بخطاب نواب عبداللطیف خاں بہادر ہوئے ہیں ملاقات ہوئی تھی برادر منشی سید اولاد علی صاحب کی خیر و عافیت بھی اُن کی زبانی معلوم ہوئی معلوم نہیں کہ آپ کے پاس تحریرات برادر موصوف برابر آیا کرتی ہیں یا نہیں اور کبھی خرچ ورچ بھی جناب والدہ صاحبہ قبلہ کی خدمت میں وہ بھیجتے ہیں یا نہیں۔ جناب معظمی مولانا حکیم امین الدین صاحب کے حالات اور عزیز از جان مولوی عبدالغفور صاحب خلف مولوی عبدالحلیم صاحب مبرور کے حالات سے بھی کچھ اطلاع نہیں ہی اُمید کہ اگر آپ اس عریضہ کا جواب تحریر فرمائیں تو ان سب حالات سے بھی ضرور ہی مطلع فرمایئے بلکہ مولوی علی بخش صاحب مرحوم کے تو جملہ عزیزوں اور متعلقوں کی صحت و سلامتی اور احوال سے نام بنام مطلع فرمایئے تو کمال عنایت ہوگی جناب مستطاب حضرت مولوی شاہ سعید اللہ صاحب کا انتقال ہوا۔ ایسے بزرگ دُنیا میں کاہیکو پیدا ہوں گے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ برادر عزیز مولوی سید قمر الدین احمد صاحب بہت بہت تسلیم گذارش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عرق کا نسخہ گھر میں کا مجوزہ آپ کا ہمیشہ بنا کرتا ہی اور اب مدار ان کے علاج کا کئی برس سے گویا اُسی پر ہے لیکن بسبب غلبۂ ضعف مریضہ وہ چاہتے ہیں کہ ماء اللحم کی ترکیب بھی اس پر اگر دیدی جائے تو ضعف کو بھی نہایت مفید ہو اس کی تجویز کے آپ سے اُمیدوار ہیں اور ایک مرض گھر میں بسبب کمال مس مزاج کے ایسا لاحق ہوا ہی کہ تمام پیر میں غلبہ خارش کا ہوتا ہی اس کا علاج بھی ضرور ہی ارشاد ہو۔ والتسلیم جملہ عزیزوں اور بزرگوں کی خدمت میں مراتب تسلیم و آداب

واضح ہو۔ مرسلہ محمد شاہ از کلکتہ۔

ایضاً خط فارسی

جناب اخوی صاحب معظم محترم مستجمع اخلاق جناب اخوی مولوی حکیم فرزند علی صاحب عفنا دام افضالہم
بعد سلام مسنون تمنا مشحون گذارش سامی خدمت اخوت درجت آنکہ جناب خان صاحب ذوی المناقب
نواب محمد وارث علی خان صاحب عالی جناب نواب علی اصغر خان صاحب مبرور و مغفور کہ بالفعل
باقتضائے ادوار فلکی عازم آن طرف ہستند عظمت و جلالت خاندان محتشم الیہ از ان برادر والاقدر
مخفی و مستتر نخواہد بود ہمین دودمان عالیشان محتشم الیہ ست کہ روزے در لکھنؤ مرجع اہل روزگار
وامیدوار ہزاران ہزار بود و ہرانچہ رونق و ترقی اہلسنت وجماعت کہ در لکھنؤ بود بعہد وزارت
نواب ظہیر الدولہ بہادر مغفور و نواب شرف الدولہ بہادر مبرور ازیں دودمان عالیشان بمنصہ ظہور
جلوہ گر آمد بر عالمے ظاہر و باہر علاوہ بریں کمال لیاقت و حسن قابلیت جملہ صاحبان از دودمان
عالیشان چنان کہ از ازمنہ سابقہ مذکور و مسطور ست برادر والاقدر را نیکو معلوم و مفہوم محتشم الیہ
اندران فضایل و کمالات ومحاسن صفات یادگار اسلاف و بزرگان نشین زمان خود اند معہذا
بلباس تقوی وصلاحیت بغایت درجہ متحلی میباشند از انجا کہ احقر را بخدمت جناب خان صاحب
محتشم الیہ روابط وخصوصیات دیرینہ ست چشم از مبانی محبت و اخلاق و اشفاق برادرانہ آن دارم
کہ ہر گونہ اعانت و تائید خان صاحب محتشم الیہ از ان برادر والاقدر ممکن باشد دریغ توجہ وعنایت
اندران بوجہے نخواہند فرمود و بیقین متصور خاطر اخوت مظاہر باشد کہ ہر قدر لطف ومحبت کہ از ان
برادر والاقدر با خان صاحب محتشم الیہ بظہور خواہد رسید ہمانا آن ہمہ لطف ومحبت برحال این نیاز
اشتمال خواہد بود و ہیچمیرز کہ ممنون بنہایت برادرانہ سامی برادر از قدیم ست بظہور این اشفاق
جدید بیشتر از بیشتر ممنون و مرہون خواہد گردید زیادہ خیر کمال اشتیاق چہ بزنگارد و بعالی خدمت

جناب اخوی صاحب قبلہ حکیم سید عزیز اللہ صاحب تسلیم تبکریم معروض است المرقوم ۹ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ محمد شاہ عفی عنہ۔

حکیم صاحب نے اپنے بعض خطوں میں مولوی محمد شاہ صاحب کا حال تحریر کیا ہے اور مولوی محمد شاہ صاحب کے اور فارسی خطوط بھی حکیم صاحب کے نام موجود ہیں جو درحقیقت نہایت قابلیت سے مثل اہل زبان کے فصیح محاورات میں لکھے گئے ہیں اور نہایت دلچسپ مضامین سے مملو ہیں۔ مگر بخوف طوالت نہیں نقل کیے گئے۔ کسی خط میں تحریر ہے کہ میں آپ کے پاس سے یعنی بھوپال سے کلکتہ کو بغرض علاج اور متعلقین کے لانے کے چلا آیا یہاں مقدمات شاہی کی وجہ سے کہ یہ بندہ سلطنت کے مقدمات سے جو اودھ اور ولایت کے معاملات سے تعلق رکھتے ہیں پورا واقف ہے اس لئے شرکت و اعانت میری ضروری سمجھی جاتی ہے۔ مجھے شاہ اودھ نہیں چھوڑتے اور کلکتہ سے آپ کے پاس آنے نہیں دیتے۔ آج کل نواب مختار الملک بہادر دکن سے کلکتہ آئے تھے ملاقات کے وقت اُن سے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا تذکرہ آیا میں نے سرکار عالیہ کی نہایت توصیف بیان کی کہنے لگے کہ میں نے بھی نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے ایسے ہی اوصاف سُنے تھے[۱]۔ میں نے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے لئے مُربّجات اور دوپٹے وغیرہ اس ملک کی دستکاری کے تیار کرائے۔ میرا ارادہ حسب الطلب بھوپال

[۱] لیکن نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ ان بیگم صاحبہ رئیسہ حال سے زیادہ نیکنام و ممدوح روزگار تھیں میں نے کہا کہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ اپنی والدہ سکندر بیگم صاحبہ سے بھی زیادہ نامور و ممدوح زمانہ ہیں بلکہ اکثر اوصاف میں اپنی والدہ سے ترجیح رکھتی ہیں۔ ان باتوں کو سُن کر نواب صاحب متعجب اور بہت خوش ہوئے۔ اور میں نے جس اخبار میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی تعریف چھپوائی تھی وہ بھی دیدیا جب اثنائے راہ میں وہ اخبار نواب صاحب نے ملاحظہ کیا تو فرمایا کہ اس مضمون سے مولوی محمد شاہ صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے عجب نہیں کہ مولوی صاحب ہی کا یہ مضمون اور اخبار طبع کرایا ہوا ہو کیوں کہ اس میں مولوی محمد شاہ صاحب کا تذکرہ بھی ہے یہ خبر مجھے ایک مقرب شخص نے جو میرے دوست اُس وقت موجود تھے خط میں لکھی ہے۔

آنے کا ضرور ہی کلکتہ میں بعض متعصّب بڑی بدعتیں برپا کرتے ہیں۔ عہدۂ نظامیت بوجہ قیام بیرونجات اور جُدائی آں برادر کے مجھے پسند نہیں۔ آپ میرے لئے کون منصب پسند کرتے ہیں اور نواب وارث علی خاں کے متعلق تحریر فرمایئے کہ وہ جو ملازم ہوئے صرف آپ کی سفارش سے یا کوئی اُن کا اور بھی مددگار ہوگیا تھا۔ خطوط مسطورۂ بالا سے مولوی صاحب کے نثر کا اندازہ ہوگیا ہے۔ چند شعر اُن کے ایک مثنوی سے لے کر جو انھوں نے لکھی تھی درج کیے جاتے ہیں تاکہ ان کے نظم کا حال بھی واضح ہوجائے۔

حمد

بنامِ خداوندِ نعم المعید — پدید آور ہر چہ شد ناپدید
گہے نو یزیدے پدید آورد — حسینے پئے آں یزید آورد
گہے تازہ فرعون پیدا کند — بر و موسیِ نو ہویدا کند
خدائے کہ در عرصۂ امتحاں — بر و تیغ حکمش سپر دوستاں
حلیمے کہ بیند بس ظلم و جور — جفاکار گاں را نگیرد بفور
خدائے توانا خدائے قدیر — خدائے سمیع و خدائے بصیر
بسا دوستاں را کشد بے گناہ — بسا دشمناں را دہد مال و جاہ
خجستہ نصیبے ز اہلِ شعور — کہ آید ز قہر و بلایش صبور

نعت

پس از حمدِ حق ہست نعتِ رسول — شود تا کلامم قرینِ قبول
امامِ رسل خاتم الانبیا — شہِ ہر دو عالم وزیرِ خدا
رسولِ امم پیشوائے سبل — حبیبِ خدا باعثِ جزو کل

زہی عبد مقبول خاص خدا — کزاں بندگی شد خداوند ما
رسولیکہ قرآن اعجاز اوست — امینیکہ جبریل ہمراز اوست
رسولیکہ اصحاب آتش تمام — بود خلق را مقتدا را نام

افسوس کہ مولوی صاحب موصوف اگرچہ اپنے خط مؤرخہ ۶ ماہ صفر ۱۲۹۰ھ کے زمانے سے علیل تھے مگر اس کے دو برس کے بعد بعارضۂ اسہال کبدی و زیادتی بواسیر دو شنبہ کے دن ۱۱ صفر ۱۲۹۲ھ میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر گئے ان کے انتقال پُرملال کے مرثیے لکھے گئے۔ اخباروں نے تعزیت کے حسرتناک مضامین شائع کئے لیسے مدت مقدس قابل بزرگ کا فی زمانہ نا دیکھنا سُننا دشوار ہے۔ قبر شریف مولوی صاحب مرحوم کی کلکتہ میں بمقام مٹیابرج متصل دروازۂ مسجد حبیب دار خاں کے واقع ہے۔ اولاد میں کوئی نہیں۔ دو فرزند پیدا ہوئے تھے جو چند روز زندہ رہکر مر گئے ایک تاریخی مرثیہ اور ایک قطعہ مولوی صوفی فتح علی[1] صاحب کا جو آپ کی وفات کے متعلق ہے درج کیا جاتا ہے اور یہ اشعار مطبع نظامی واقع کانپور میں طبع بھی ہوئے ہیں۔

قصیدہ در مرثیہ و تاریخ وفات جناب مولانا مولوی محمد شاہ صاحب مرحوم
از نتائج طبع عالم باعمل فاضل بے بدل مستجمع فضائل و کمالات خفی و جلی
جناب مولانا مولوی صوفی فتح علی صاحب

شادی مخواہش انچہ کہ انجام آں غم است — شورش مگوئے انچہ کہ پایانش ماتم است
خورم مشو بعمر دو روزہ کہ بگذرد — نقل تو زیں سرا چہ بعبرت ملازم است

---

[1] مولوی فتح علی صاحب کی پیدایش چاٹگام میں ہوئی تھی اور کلکتہ کے باشندہ بڑے فاضل اور عالم باعمل تھے۔ علم مناظرہ میں شہرۂ آفاق اور نعت گوئی میں فرد و طاق تھے۔ محکمۂ اجنبی کے میر منشی رہے اور بڑے متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ نعتیہ قصائد ایسے ذوق و شوق سے پڑھتے کہ عاشق رسول اللہ کہلاتے۔

ایمن مزی که دورِ فلک با تو ساخته است — این چرخ کوژه پشت بکینِ تو محکم است
هرکس که زنده آمده چون مردنش ضرور — خوش زندگیست آنکه معرا ز ماتم است
این خاک نیست آنچه که پامال زیر پاست — رخسار و چشم و قامتِ شاهانِ عالم است
آخر بخاک میکشد این دهرِ پیرزال — گر گیو و زال و بیژن و گودرز و رستم است
چون مردنست به که به نیکی کنی گذر — در ابتدا نگاه به پایان مقدم است
گر زندگی بخیر و عبادت کنی بسر — موتِ تو بهر فوز کمالِ تو سلّم است
گردون که سفله پروریِ او مقرر است — با اهل خیر بر سر پرخاش هر دم است
آنکس که اعظم است ز کارش بود ذلیل — وانکس که سفله است برش شخص اعظم است
بر خود مَتَن که مالک دینار و درهمی — بر خود گری که آخرِ کار تو درهم است
غرّه مشو که گردشِ گردون بکامِ تست — از ره مرو که نفس تو کلبِ معلم است
آن دم دهد ترا و کند عاقبت هلاک — این در خیال بُردنِ ایمانت هر دم است
شادی مکن که نعمتِ دنیا نصیب تست — خوشدل مشو که دولت و دینار و درهم است
روزی بدل بغم شود این شادیت یقین — انجام خوشدلی تو رنج مداوم است
این چرخ و گردشش همه آفات را محل — این دهر و دَوْر او همه آزار آدم است
انجم مگوی آنچه چو قندیل روشن است — هم کهکشان مخوانش که بر سبز طارم است
تابنده روشنان فلک جمله عقرب اند — رخشیده کهکشانِ سما مار ارقم است
دیوانه آنکه خرمی از چرخ چشم داشت — فرزانه آنکه از الم او نه خرم است
رنج و بلا نصیب عزیزانست در جهان — یعنی جهان ز بهرِ عزیزان جهنم است
هر جا ز جور چرخ ستم پیشه ناله هاست — هرکس ز جور و هر نفس بادِ و ماتم است

نادان گمان مبر که بنائے جهان تو نیست — دانا یقین کن که اساسش نه محکم است
گیتی چو بوته ایست که جز ویش تمام تلخ — عالم چو شجره ایست که بارش همه سم است
این راحت و تنعم دنیاے بیوفا — شیرین نماید ار چه ولے سر بسر سم است
با هر که ساخت و هر نمود آخرش هلاک — این نقل نیست شرح و بیان انچه مبهم است
این سوز را اگر یقینت نه شد انچه گفته‌ات — روزے یقین کنی که صحیح انچه گفتم است
بر شهد او مبین که آن سم قاتل است — بر شکرش مپیچ در روز هر منضم است
بر نعمتش منال که نقمت درو نهان است — بر دولتش مناز که نکبت درو ضم است
عبرت پذیر شو ز سلاطین باستان — دارا کجا و نوذر و کیخسرو و جم است
دیدے که رفت یار عزیز و قریب تو — چه مردنت هنوز ترا نامسلم است
موتت قریب تر شده هر لحظه و ترا — عزم دوام بر سر این پل مصمم است
مغرور مال و جاه که داری مکن غرور — ای دل بهوش باش که انجام مبهم است
محکم بنائے خانه چه سود است جان من — بنیاد عمر خویش تنت چون نه محکم است
از دیدن و شنیدن احوال روزگار — عبرت پذیر آنکه ورا عقل همدم است
این چرخ نیست اینکه محیط زمین شده — این دود آه پر شده خلق عالم است
این چرخ این همه ستم و جور بهر چیست — خواری کشد بدر تو هر کو مکرم است
مردم ز جور و ظلم تو ناشاد هر زمانست — وانکس که از تو شاد بود دیو مردم است
یارب چرا در اهل زمین شور و شیون است — یارب ز بهر چه که پشت فلک خم است
یارب چرا دل همه مخلوق پر الم — یارب چرا فغان به لب خلق و عالم است
یارب کبود پوش چرا گشته است آسمان — وز فوت که برنج و غم اولاد آدم است

امروز از چه شعله‌فشان آفتاب شد — هم چاک کرده جامه چرا صبح دوم است
هر دل به آه و ناله چرا گشته همنفس — هر دیده در فراق لقائے که پرنم است
هر کس ز عمر خویش چرا سیر گشته است — هر شخص از در طلب مرگ هردم است
هر شام از چه بهر زند بر زمین کلاه — هر صبح از چه روئے قمر گشته مظلم است
این تهلکه ز فوت عزیزیست در جهان — از فوت او صفر شده ماه محرم است
یعنی عزیز و بهر محمد بشیر وحید — کز مدح او زبان و خرد لال و ابکم است
دامنکشان بدار جنان رفت از جهان — او شاد رفت خلق ز فوتش بماتم است
تاریخ این مصیبت کبری مه صفر — روز دوشنبه یازدهم صبح دویم است
سال وفات او غم و رنج آمده از آن ۱۲۹۹ھ — کز فوت او دل همه در رنج و در غم است
هیهات اے فلک چه جفا داشتی روا — آنکس که از جفات بنالید بس کم است
یارب چه زخم بر دل ما جرح میزده است — این زخم صعب را نه علاج و نه مرهم است
زین سخن ترچه زخم بود مهر و آنکه مرد — علم و کمال و فضل ز فوتش مسلم است
عالم بگفتگوے که بعلم از جهان برفت — زاهد بغم که سلسلهٔ زهد برهم است
اے علم خون گری که ترا آبرو نماند — شے فضل اشک ریز ترا قدر برهم است
در هر دهن سخن نشنیدم جز او دگر — بر هر زبان کلام ز اندیشش ندیدم است
از مرگ دوستان و تغیر زروزگار — از جانب اجل بتو پیغام پیهم است
غافل مزی که شیر اجل در کمینگه است — بر زنده صید پنجهٔ اینست ضیغم است

دلیسی مدام در غم او خون دل بخور
کز دور چرخ بهر تو جام دمادم است

ایضاً تاریخ وفات

خلد آرامگاہ محمد شاہ — سید و عارف و خجستہ آگاہ
شاعر و منشی و چنیں ندیدہ — عالم و متقی و بے اشتباہ
حاجی و زاہد و خلیق و کریم — کامل و عاشق رسول کریم
کرد رحلت ازیں سرای دو دو — روز دوشنبہ بود وقت پگاہ
بود تاریخ یازدہ ز صفر — گشت ہیہات منخسف آں ماہ
ہر کہ بشنید ایں خبر بگریست — بر کشید از غم و تحسر آہ
یا زخواں سال فوت اوویسی — خلد آرامگاہ محمد شاہ
۱۲۹۹ھ

خط نواب منصرم الدولہ[1] بہادر بنام مولوی سید قمر الدین صاحب اور نسبتی مولوی محمد شاہ صاحب متضمن بہ توصیف حکیم صاحب

برادر صاحب والا قدر مولوی سید قمر الدین احمد صاحب سلمہٗ۔ سلام و دعا ہا۔ دربارہ قرابت نور چشمی با فرزند ارجمند مولوی سید علی صاحب چند بار آں عزیز والقدر چشمی تذکرہ نمودہ منتظر لاؤ نعم

---

[1] نواب منصرم الدولہ بہادر کا نام نامی منشی سید محمد حسین خاں بہادر ہے آپ بڑے ذہین لایق مدبر انسان تھے واجد علی شاہ تاجدار آخری اودھ کی آخری مدار المہامی آپ کی ذات پر ختم ہوئی جب شاہ اودھ پر چالیس بیالیس لاکھ روپیہ کا دعویٰ دائر ہوا اور اُس مقدمہ میں چھتیس سوالات کے جوابات بادشاہ سے طلب ہوئے اور صاحب ایجنٹ بہادر مع مولوی فتح علی صاحب میر منشی ایجنسی بیانات لکھنے کے لئے آئے تو اُس وقت بادشاہ کے پاس کسی کو آنے کا حکم نہ تھا مگر حضرت نواب منصرم الدولہ بہادر بادشاہ کے پاس بغرض نگہداشت خاطر باریاب رہے بعد انتقال نواب امیر علی خاں وزیر سلطان مرحوم کے نواب منصرم الدولہ وزیر اعظم مقرر ہوئے اور آپ نے

از زبان و قلم راقم شد حقیقت اینست که اتحاد دلی حکیم صاحب معظم حکیم فرزند علی صاحب و حقوق محبت ہائے قدیمی مفتخر الیہ مقتضی این امر نیست کہ بجز تسلیم چارہ دگر باشد تعہد شفیقی مولوی سید علی صاحب باخلاق عزیزانہ بہ نیکوترین مراسم ارتباط و اخلاص دلی ظاہر مردانہ تکلیف کہ راقم امتحان این نماید بسر و چشم منظور دارم۔

خط راجہ ہردیو بخش بہادر سی ایس آئی تعلقہ دار کٹیاری

حکیم صاحب مہربان حکیم فرزند علی خاں صاحب زید الطافکم۔ بندگی۔ مزاج عالی بسبب قربت وطن کے امید کیجاتی ہے کہ اگر کسی بارہ میں آپ کو تکلیف دی جائے گی تو آپ براہ مہربانی منظور کریں گے۔ ان ایام میں عموی کنور لالتا بخش صاحب کی طبیعت بعارضہ شور بیرونی واندرونی علت دم علیل ہے۔ چوں کہ آپ کی حذاقت علم طب و تجربہ میں مشہور عالم ہے لہٰذا تکلیف دی جاتی ہے کہ براہ عنایت قدم رنجہ فرما کر ملاحظہ فرمایئے اور معالجہ ان کا کیجئے۔ یہ امر موجب منت کشی کا ہوگا۔ راقم نیاز

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ نہایت لیاقت سے کام کیا جس سے شاہ اودھ اور گورنمنٹ دونوں سرکاریں خوش رہیں اور ۱۸۸۷ء میں جب واجد علی شاہ کا انتقال ہوگیا تو سرکار گورنمنٹ نے پانسو روپیہ ماہوار پنشن آپ کی مقرر کردی اور کلکتہ سے آپ چلے آئے اور لکھنؤ میں سکونت پذیر ہوئے۔ چند سال ہوئے کہ انھوں نے بہت کبر سنی میں سفر آخرت کیا۔ نواب منصرم الدولہ حکیم صاحب پر بڑی عنایت فرماتے تھے جیسا کہ مضمون ہذا سے ثابت ہے آپ کی صاحبزادی مولوی محمد شاہ صاحب کے بھتیجے مولوی فضل حق صاحب کو منسوب تھیں جب مولوی فضل حق صاحب ہندوستان سے ترک تعلق کرکے مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تو ان کی بیوی اور ایک لڑکی رہ گئی۔ بیوی سے مولوی قمر الدین صاحب نے عقد کیا اور جب لڑکی کا پیام حکیم صاحب کے بھتیجے محمد حسین ابن مولوی سید علی صاحب کا کیا گیا تو نواب منصرم الدولہ نے نواہی کے بارہ میں یہ خط لکھا تھا۔ مگر لکھنؤ میں محمد حسین کی جوانمرگی سے یہ نسبت انجام کو نہ پہونچی۔

راجہ ہردیو بخش بہادر سی ایس آئی رئیس کٹیاری از مقام دھرم پور ضلع ہردوئی، ۱۷ر جولائی ۱۸۹۲ء

خط تعلقہ دار[1] پیا گپور

حکیم صاحب مشفق مہربان دوستان توجہ فرمائے بیکراں حکیم سید فرزند علی صاحب ادام الطافہٗ

بعد ابراز مراسم نیاز و شوق ملاقات بہجت آیات مدعا یہ ہے کہ یہاں آج کل طبیعت رانی صاحبہ کی

---

[1] تعلقہ دار کٹیاری کے مکان واقع دھرم پور میں حکیم صاحب کی بڑی خصوصیت سے آمد و رفت رہی ضلع ہردوئی میں یہ ہی علاقہ اوّل نمبر کا ہے۔ راجہ صاحب موصوف باوضع ذی اخلاق انسان تھے۔ ہردوئی میں جب ایما رحکام راجہ ہردیو بخش صاحب نے سر لئے پختہ بنوائی دربار قیصری دہلی میں بھی آپ عزت کے ساتھ شریک کئے گئے گورنمنٹ میں آپ کی بہت توقیر کی جاتی تھی۔ ایک بار حکیم صاحب کو دھرم پور میں زیادہ عرصہ ہو گیا تو حکیم صاحب اپنے مکان کو جواباً خط بنام میر حبیب اللہ صاحب لکھتے ہیں جس سے وہاں کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ عنایت نامہ والا مصحوب خان علی خان شرف ورود لایا کاشف حالات ہوا دریافت سینہ زوری چوروں سے کمال تشویش ہوئی حافظ حقیقی کے سب کی جان و عزت و مال و اسباب سپرد ہے۔ اپنی طرف سے شرائط احتیاط پورے کرنا چاہیئے اور اعتماد حافظ حقیقی پر ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ العزیز آخر شعبان تک میرا بھی قصد حاضر ہونے کا ہے۔ علاج بیمار کا یہاں بمشورہ میرے اور حکیم یعقوب صاحب بلگرامی طبیب قدیم ان کے ہوتا ہے۔ اوّل تو مرض مہلک ہے۔ دوسرے علاج پورا پورا ہونے نہیں پاتا۔ میں نے یہ حال صاف صاف راجہ صاحب سے کہدیا ہے مگر رخصت نہیں کرتے اس عرصہ میں برادر عزیز سید اولاد علی کے دو خط اودھ اخبار میں چھپے ہیں عمدۃ الاخبار نے بھی ان کی نقل چھاپی ہے۔ ان کو ارسال خدمت کروں گا۔ معروضہ ۱۵ر شعبان المعظم عریضۂ نیاز فرزند علی عفی عنہ از مقام دھرم پور علاقہ کٹیاری۔

ایک بار حکیم صاحب خان بہادر منشی تاج الدین صاحب جج کے یہاں ہردوئی جارہے تھے راقم ہمراہ تھا رانی صاحبہ کٹیاری کی سواری جارہی تھی بھیڑ سے سڑک رک گئی تھی جب ان کے ایک قدیمی سوار نے حکیم صاحب کو دیکھا نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا اور سب کو ہٹا کر حکیم صاحب کی گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ اس سے حکیم صاحب کی رفعت کا جو وہاں تھی اظہار ہوا تھا۔

بہت بے لطف ہی۔ آپ کے اوصاف و ثنا زبانی منشی نیاز احمد صاحب کے معلوم ہوئے لہذا منشی صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں مفصل شرح و حالات زبانی ظاہر کریں گے۔ آپ براہ مہربانی و توجہ یہاں تشریف لاکر رانی صاحبہ کا علاج کریں تاکہ بافضال خدا برطبق استعمال ادویہ آپ کے طبیعت رانی صاحبہ کی صحت پذیر ہو اور ان کو جلد تندرستی و عافیت حاصل ہو۔ امید کہ آپ ضرور الطاف و اعطاف فرماکر تشریف لائیں گے۔ اور یہ نہایت آپ کی مہربانی و عطوفت ہوگی اور میں نہایت ممنون ہوں گا۔ زیادہ نیاز و بس ۱۴ ار فروری ۱۹۰۱ء راجہ بھوپ اندر بکرم سنگھ سی آئی ای تعلقہ دار پیاگپور

خط حافظ صمصام علی صاحب[1] تعلقہ دار گنڈارہ

جناب حکیم صاحب اکرم بندہ زاد محبتہ۔ السّلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ صد شکر ایزدی کہ در اینجا ہمہ وجوہ خیریت و مژدہ صحت و عافیت آنجناب مستدعی۔ زیادہ از دو ہفتہ میشود کہ ظہر خط عنایت اللہ خاں صاحب الفاظے چند دستخطی آنجناب بنام احقر معاینہ نمودم مفاخرتے فراواں حاصل نمودہ یاد یاد مراتب دنیاوی و اُخروی آنجناب مصروف شدم۔ کیفیت اینجا بدستور ہست نور چشمی المخاطب نورچشم محمد مظفر علی سلمہٗ و زاد عمرہٗ بہ نہجیکہ بود بہ طور و حسب عطیہ آنجناب بنا بر

[1] حافظ صمصام علی صاحب ایک نہایت وضعدار خوش اخلاق دیندار رئیس تھے۔ حکیم صاحب کو وہ نہایت لطف صحبت سے یاد کرتے اور حکیم صاحب حسب الطلب ان کے یہاں گنڈارہ ضلع بہرائچ کو تشریف لے جاتے تھے۔ ایک بار جب کہ ان کے اعضا میں پھوڑا یا زخم پیدا ہوگیا تھا حکیم صاحب نے بڑی حذاقت و قابلیت سے علاج کیا تھا وہ اکثر حکیم صاحب کو نوازش نامے لکھتے۔ ایک خط میں انھوں نے ایک اراضی بنا بر باغ خرید کر دینے کی خواہش تحریر کی تھی اور اس کے بابت یہ بھی لکھا تھا کہ شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار گدیا جو اس زمانہ میں بمقام ضلع ہردوئی ڈپٹی کلکٹر تھے یہ معاملہ مخفی رکھا جائے۔ ان کے فرزند شیخ اصغر علی صاحب تعلقہ دار خوش اور ذی لیاقت تھے راقم کو دو بار ان سے

صحت عارضہ معلومہ زاید یک نیم چلہ استعمال نمودہ۔ بندہ تحریر نیاز نامجات از دو وجہ متعذر ماندہ
اولاً بتقریب شادی بریلی رفتم زاید از یکہفتہ از انجا ماندہ روزیکہ بانجا نہ آمدم بروز دوم خبر وحشت اثر
حادثہ جانکاہ برادر رزاق بخش صاحب مرحوم شنفتہ رہگرائے رسولی شدم زاں بعد بگذارہ آمدم
و تو خویشان از گذارہ برسولی بوجہ حادثہ رفتہ اطلاعاً سمع خراشی نمودہ شد و انچہ نسخہ چٹنی بنابر
برخوردار اصغر علی سلمہ آنجناب تیار نمودہ بودند و نقلش و نسخہ خطی در مجموعہ بقائی مندرجہ فرمودہ بودند
در آن نسخہ سماق تحریر است بنابر دران استعمال گرد سماق نمودہ اند و یا سماق معہ تخم براہ
عنایت اطلاع فرمایند و بفضل خداوندی و بدعائے آنجناب صمصام علی از نزلہ نجات یافتہ و دیگر
حالات اینجا بہمچنیکہ دارندہ جہان میدارد شکر اوست۔ و عنایت اللہ خاں دربارہ حسب الخط
کرامت خاں صاحب نوشتہ بودند اگر آنجناب ملاحظہ کنانیدہ باشند پس براہ عنایت از کرامت خاں
بعد استخارہ معلوم بودند مقدمہ بعد سطے معاملہ روانہ گذارہ فرمایند کہ روبرو خود تدبیر کردہ دہند
و یا دیگرے تدبیر و یا شخص کہ دریں فن مہارتے داشتہ ضرور تلاش فرمایند کہ آنجناب را
بزرگ خود میدانم از ذکر خیر غفلت نفرمایند تا زندہ ام بندہ احسانم۔ و بخدمت جناب محمد حسین
خاں صاحب تسلیم۔ و عزیزان آنجا بادعا و از طرف اصغر علی و مظفر علی تسلیم پذیرا باد۔ راقم
صمصام علی نوازش علی عفی عنہ۔

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ لکھنؤ میں ملنے کا اتفاق ہوا نہایت خلق سے پیش آتے تھے وہ بھی حکیم صاحب کی خدمت میں خطوط منشیانہ عبارت سے بخط شفیعہ لکھا کرتے تھے۔ ان کے ایک خط کا زمانہ دراز ہوا اب تک یاد ہے جو دربارہ بلانے حکیم صاحب کے انھوں نے تحریر کیا تھا اور وہ خواجہ حافظ شیراز کا یہ شعر تھا ؎

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست — کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

چند سال ہوئے افسوس کہ یہ باپ بیٹے دونوں لائق رئیس تھے انتقال کر گئے۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا

خط جناب سیدنا شاہ غلام جیلانی میاں صاحب سجادہ نشین بانسہ شریف

جناب حکیم صاحب محبّ الفقرا مجمع المحاسن منبع الفواضل مکرم خاکساران حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبائے بھوپال زاد مجدہم از فقیر غلام جیلانی رزاقی عفی عنہ سلام مسنون عجز مشحون قبول باد عرس شریف میں مکرمی جناب سید فضل احمد میاں صاحب[1] آبادی سے مزاج مبارک کی علالت

---

[1] جناب میاں صاحب نہایت نیک نفس اور بڑے متشرع بزرگ تھے فی زمانا ایسے برگزیدہ خلیق بزرگ دیکھنے میں نہیں آتے راقم پر حضرت موصوف شفقت بزرگانہ فرماتے۔ ردولی شریف اور کلیر شریف کے عرس میں جب خاکسار کا اتفاق حاضری کا ہوا اور جناب میاں صاحب بھی وہاں تشریف فرماتے کمال عنایت سے اپنے پاس ٹھیرایا اور بانسہ شریف ہمراہ لیجاکر بعید دلجوئی کی جس بارہ میں کہ جناب میاں صاحب نے حکیم صاحب کو نوازشنامہ تحریر فرمایا اس معاملہ میں جناب مولانا عین القضاۃ صاحب مقیم لکھنؤ نے بھی حکیم صاحب کو لکھا تھا۔ کیوں کہ ایک عرصہ تک غلام حسین میاں صاحب کا وظیفہ ریاست کی طرف سے روک دیا گیا تھا اور ایک ہزار سے زاید رقم جمع ہو گئی تھی۔ غلام حسین میاں صاحب عین القضاۃ صاحب کے مرشدزادہ ہیں حضرت موسی جی مجددی سورتی کے فرزند ہیں اور اب مکہ معظمہ ہجرت کر گئے ہیں افسوس کہ مولانا حاجی شاہ غلام جیلانی میاں صاحب نے ۱۳۲۵ھ میں سفر آخرت اختیار فرمایا۔ راقم نے متعدد قطعات تاریخ لکھے منجملہ ان کے ایک یہاں پر لکھا جاتا ہے

شفق بیکساں گردید پنہاں ۔ زفرط رنج و غم دل میشود شق

مظفر از پئے تاریخ رحلت ۔ بگو قطب المشائخ واصل حق

میاں صاحب کے مورث اعلی حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب بانسوی اکمل روزگار اور عبد الصمد خدانما کے خلیفہ تھے مولوی نظام الدین صاحب فرنگی محلی نے مناقب رزاقیہ آپ کے کرامات میں جو کتاب لکھی ہے اسی کے دیکھنے سے آپ کے فضایل کا کمال معلوم ہوتا ہے بانسہ شریف سے جو تصرفات آج تک جاری ہیں ان سے مخلوق فیضیاب ہو رہی ہے۔ دہلی میں آپ سید حسن رسول نما سے بھی ملے تھے

معلوم ہو کر سخت تردد ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ جناب حکیم محمد عبد الغنی صاحب نے نوید صحت سنائی اور خوشی حاصل ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک بمعاملہ وظیفہ جناب میاں غلام حسین صاحب سابقاً عرض ہمایوں خدمت کیا گیا تھا اور جناب حکیم صاحب موصوف بھی بوقت ملازمت عرض کر چکے ہیں اس معاملہ کے متعلق جو کوشش مولطور مناسب فرماویں انشاء اللہ بحسن سعی جناب وہ کامیاب ہو جائیں گے یہ معاملہ بھوپال کی ریاست کے متعلق ہے اور تفصیل کیفیت تحریر عزیزی منشی محمد صدیق صاحب سے واضح رائے شریف ہوگی زیادہ خیریت والسلام از بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی ۱۴ شوال ۱۳۱۹ھ

خط ملا عبد القیوم صاحب صدر انجمن چندہ حجاز ریلوے

عالیجناب مولوی حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطباء۔ السّلام علیکم۔ مولوی مسیح الزماں خاں کے ذریعہ آج ایکسو چوالیس ۱۴۴ روپیہ موصول ہوئے جس میں جناب کا سو روپیہ اور ملازم جناب کے تین آنہیں ملازم جناب کی رسید دستخطی ملفوف ہیں جناب کے رسانیدس سے لئے نہیں گذرانے کہ جناب کی رقم تمغہ کے مقدار میں ہے اس لئے جناب کا نام اہل تمغات میں درج کرا دیا گیا ہے۔ ڈھائی تین مہینہ کے بعد جناب کا تمغہ گذرانا جائے گا اس لئے کہ صدر مجلس کو اطلاع ہونے پر وہ سلطان سے اجازت حاصل کرتی ہے اور بعد صدور اجازت تمغہ مرحمت کرتی ہے خط کے جانے اور آنے کے لئے ایک مہینہ لگتا ہے۔ اس لئے میں نے تین مہینہ کی مہلت آپ سے لی ہے بھوپال میں ایک مجلس قایم ہے اور ایک ہزار روپیہ کی رسیدیں بھی قاضی عبد الحق کے پاس بھیجدی گئی ہیں جن کے اہتمام میں چندہ وصول ہو رہا ہے قاضی صاحب نے ایکسو چھتیس روپیہ چودہ آنہ ارسال فرمائے ہیں ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ کوئی مسلمان اس سے محروم نہ رہے۔ اقل قلیل سے ہی کیوں نہو شرکت کرے ہر ایک محلہ میں ایک شخص کو وہاں کے اہل محلہ سے تحصیل کے لئے مقرر کر دیا جائے اور

اسی طرح اضلاع و تعلقات میں بھی انتظام ہوا، تھوڑے بہت کا خیال نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ اہتمام ہے کہ کوئی مسلمان سعادت واعانت شرکت سے محروم و بے نصیب نہ رہے۔ اُمید کہ جناب کی سرگرمی واعانت و عنایت سے اس کام[1] میں بہت کچھ رونق ہوگی اور اس مقدار میں چندہ جمع ہو جائے گا کہ اہالی بھوپال کی نام آوری و نیکنامی کا موجب ہو مدار المہام صاحب بھوپال حافظ عبد الجبار خاں

---

[1] حکیم صاحب نے چندہ حجاز ریلوے کے متعلق بہت کوشش کی تھی خاص و عام کو وہ ترغیب دلاتے اور اس حسنۂ عظیم کی یہ فضیلت بیان کرتے تھے کہ اس چندہ کی حقیقت جو بیدار جانتے ہیں وہ دل میں تمنا کرتے تھے کہ حرمین شریفین میں جہاں ایک پیسہ کا ثواب لاکھ پیسے ملتا ہے کوئی ہم کو ایسا موقع ملے کہ اس میں خرچ کر کے خوشنودی خدا و رسول حاصل کریں یہ طریق دیگر خیرات سے بدرجہا افضل ہے۔ کیوں کہ صدقہ جاریہ ہے۔ چندہ دینے والے کو یہ ثواب ابدالآباد تک برکت بخشتا رہیگا جس سے جو ممکن ہو شرکت کر کے اس سعادت جاودانی کو ضرور حاصل کرے۔ اور حتی الامکان اس نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ سے کوئی مسلمان محروم نہ رہے۔ اکثر لوگ اس کوشش کر آمادہ ہوئے۔ حکیم صاحب نے نواب عالیجاہ سلطان دولھا بہادر سے بھی تحریک کی تھی لاکھ دو لاکھ روپیہ اس مصرف خیر میں آپ کو ریاست سے بھیجنا چاہیئے۔ یہ گفتگو نواب صاحب سے پیش تھی کہ ایک روز حکیم صاحب مولوی عبد الجبار خاں صاحب وزیر بھوپال سے ملنے گئے اُن سے باتیں ہوتی رہیں وزیر صاحب بولے کہ حکیم صاحب ہماری اور آپ کی حیات کا آفتاب لب بام آگیا اب ملازمت کا ہے کی۔ اس کے بعد چندہ حجاز ریلوے کا تذکرہ آیا۔ نائب سفیر ٹرکی بھی وہاں آئے اور بیٹھے ہوئے تھے حکیم صاحب کے ہمراہ راقم بھی تھا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد حکیم صاحب کا انتقال ہوگیا اور ان کی کوشش کا بویا ہوا تخم بارور نہوا۔ بعد انتقال حکیم صاحب کے چندہ کا تمغہ جو قسطنطنیہ سے آیا تھا اور رملا صاحب نے دکن سے بھیجا تھا وہ مولوی مسیح الزماں خاں اُستاد حضور نظام نے راقم کو دیا اور اس کمترین نے ان کے ورثہ کو تمغہ دے کر رسید حاصل کرلی اور مولوی صاحب موصوف کو پہونچا دی ہے بلکہ اثنائے راہ میں شاہجہاں پور کے اسٹیشن پر مسٹر سلیڈن کلکٹر بریلی نے بھی اس کو بغور دیکھا اور حالات پوچھے۔

بالتّابہ۔ سے استعانت کرنا چاہی اور بیگم صاحبہ بھوپال سے باضابطہ شرکت واعانت کی درخواست منجانب مجلس گئی ضرور ہے امید ہے کہ وقتاً فوقتاً وہاں کے حالات سے مطلع و ممنون فرماتے رہیں گے اور خدمات لایقہ سے یاد و شاد فقط غرہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۹ھ مرسلہ ملا عبد القیوم[۱] معتمد مجلس حنید حجاز ریلوے حیدرآباد دکن

خط[۲] منشی مفتی امیر احمد صاحب مینائی متعلق حکیم صاحب

برادر نوازا سلام مسنون دعا و اخلاص مقرون محبت نامہ آیا ممنون یاد آوری فرمایا حکیم سید فرزند علی صاحب کے صفات سے میں پہلے سے آگاہ تھا اور بالاجمال ان کی تقریب میں سنے

---

[۱] ملا عبد القیوم صاحب بڑے پُرجوش ہمدرد قوم تھے۔ ان کی قابلیت مسلّم تھی گلبرگہ شریف میں مدتوں انھوں نے ریاضت چلہ کشی کی۔ ریاست حیدرآباد میں کلکٹر رہے راقم کو ان کی خدمت سامی میں شرف نیاز مندی حاصل ہے کمال محبت و شفقت سے پیش آتے مدراس میں ملک التجار سفیر سلطانی عبد العزیز پاشا سے راقم کا تعرف کرایا اور دہلی دربار کے موقع پر امین بے آفندی سفیر سلطان المعظم سے بھی ملا صاحب ہی کے توسط سے خاکسار کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ بنارس کے کئی اسلامی و قومی جلسوں میں ان کی وجہ سے بڑا لطف رہا متین ذی اخلاق بزرگ تھے کئی سال ہوئے بیٹھے بیٹھے آپ کا انتقال ہوگیا چند قطعات تاریخ میں نے لکھے بوجہ طوالت مصرعہ تاریخ پر قناعت کی جاتی ہے

رفت ملا صاحب دریائے رمز   داخلِ خُلد شدہ گنجِ ہنر
۱۹۰۶ م

آپ کے فرزند مشفقی ملا عبد الباسط صاحب منصف علم دوست اور خلیق انسان ہیں۔

[۲] یہ خط منشی امیر احمد صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ آپ نہایت خوش خط تھے اور دستخط بھی بہت پاکیزہ کرتے تھے منشی صاحب موصوف کے بھائی مولوی حافظ عنایت حسین صاحب صدیقی حکیم صاحب کے ہم مکتب دوست تھے اس خاندانی مراسم ہونے سے حکیم صاحب اور منشی صاحب کے فیما بین قدیمی خصوصیت تھی۔ منشی صاحب کے بڑے بھائی مولوی طالب حسین صاحب لاولد رہے۔ منشی صاحب اپنے دونوں بھائیوں سے شہرت میں بڑھ گئے بلکہ محاسن اخلاق و

اس سے پیشتر بھی حضور میں کی تھی مگر اسی اثنا میں حکیم حفاظت حسین صاحب عظیم آباد سے آئے اور
مشرف بملازمت ہوئے ہنوز ان نوکری کی پختگی تو نہیں ہوئی مگر یہ ہوا کہ مجھکو موقع تحریک کا حکیم

بقیہ نوٹ صفحہ ___ ملاحظہ ہو۔ نازک خیالی میں فخر روزگار ہوئے۔ حضرت شاہ مینا جیسے صاحب ولایت پر تصرف
کی اولاد امجاد ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولوی کرم محمد صاحب تھا۔ ۱۲۴۴ھ میں آپ
بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے علوم متداولہ کے علاوہ طب جفر نجوم وغیرہ میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ تدبیر الدولہ مدبر الملک
منشی مظفر علی خاں بہادر اسیر کے شاگرد ہوئے ابتدا میں دو کتابیں ارشاد السلطان و ہدایت السلطان لکھکر
واجد علی شاہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور خلعت گراں بہا پایا۔ بعد انتزاع سلطنت اودھ ۱۲۷۵ھ
میں آپ رامپور تشریف لے گئے اور وہاں نواب یوسف علی خاں والی رامپور نے عدالت دیوانی کا حاکم مقرر
کیا۔ بعدہ نواب کلب علی خاں بہادر نے باوجودیکہ اسیر، منیر، عروج، ذکی، خلق، داغ، جلال سبھی موجود تھے
مگر اس مجمع سے آپ کو اپنی استادی کے لئے منتخب کیا۔ جملہ اصناف سخن پر قادر اور جامع کمالات ہونے کے
مصداق تھے۔ عاشقانہ کلام کے ساتھ نعت گوئی بھی آپ کا حصہ تھا۔ امیر اللغات۔ دیوان مراۃ الغیب صنمخانۂ عشق
گوہر انتخاب۔ محامد خاتم النبیین۔ مضامین دل آشوب۔ مجموعۂ واسوخت۔ قصائد مثنوی نور تجلی۔ ابر کرم۔
مسدس نعتیہ مسمی بہ شاد انبیا۔ لیلۃ القدر۔ صبح ازل۔ شام ابد آپ کی تصنیفات سے ہیں۔ حضرت امیر شاہ
صاحب کے آپ مرید تھے بیس سال ریاضت شاقہ بھی کی۔ افسوس کہ ۱۳ر ماہ اکتوبر ۱۹۰۰ء مطابق ۱۹ر جمادی الاول
۱۳۱۸ھ کو بمرض فالج حیدرآباد دکن میں رحلت فرمائی۔ مرزا داغ نے سال انتقال کے متعلق یہ شعر قطعہ تاریخی
میں موزوں کیا ؎

ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی ۔۔۔ قصر عالی پائے جنت میں امیر

آپ کے بھتیجے و داماد منشی لیاقت حسین صاحب تحصیلدار ولد حافظ عنایت حسین صاحب سے راقم کو نیاز مندی
حاصل ہے اور آپ کے لائق فرزند منشی مولوی محمد احمد صاحب جو استاد حضور نواب صاحب رامپور ہیں ان سے بھی

فرزند علی صاحب کے بارہ میں نہ ملا ورنہ میں خود حکیم صاحب یہاں آنے کی آرزو رکھتا ہوں اب جو محبت نامہ کاشف صفات حکیم صاحب موصوف لکھا آیا تو میں نے وہ تحریر باحسن عنوان حضور میں پیش کی اور حرف بحرف ملاحظۂ اقدس میں گذر گئی مگر کچھ ارشاد نہیں ہوا۔ اطلاعاً آپ کو لکھا گیا۔ اب پھر جس وقت موقع ملے گا ہرگز میری طرف سے کمی نہ ہوگی۔ اُمید ہے کہ آپ کبھی کبھی کارہائے لایقہ سے یاد فرمایا کیجئے۔ بھائی جان تپ و لرزہ میں مبتلا تھے اب افاقہ ہے دُعا فرماتے ہیں۔ اور میرے اطفال سب تسلیم رساں ہیں محمدؐ احمد بندہ زادہ کلاں بھی تپ میں مبتلا ہے۔ آب و ہوا میں آج کل تغیر زیادہ ہے خدا رحم فرمائے۔ امیر احمدؐ عفی عنہ مکرمی حکیم صاحب کی خدمت میں سلام نیاز قبول ہو۔

نقل خط مولوی فضل حق صاحب[۱] مہاجر

نحمدہٗ و نستعینہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلمہٗ

از افضل البلاد مکہ مکرمہ محلہ شامیہ زاد اللہ تعظیماً۔

صبا بتحیتہ شوقم بآنجناب رساں — حدیث ذرۂ بیدل بآفتاب رساں

دراں مقام کہ تفریح گاہ حضرت اوست — زمیں ببوس پیام من خراب رساں

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ نیاز حاصل ہے انھوں نے راقم کی ناچیز تصنیف کتاب حیات مسیح ہز ہائینس رامپور کے حضور میں پیش کی۔ منشی صاحب کے ایک صاحبزادہ منشی لطیف احمد صاحب المخاطب بہ اختر یار جنگ حیدر آباد میں ناظم و معتمد امور مذہبی ہیں۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی سید نجف علی صاحب سے مراسم اور خط و کتابت تھی اور مولوی عبدالرحمٰن خاں مالک مطبع نظامی نے بھی حکیم صاحب کے متعلق منشی صاحب کو توجہ دلائی تھی۔ اور منشی صاحب نے نواب کلب علی خاں بہادر فرمانروائے رامپور کی خدمت عالی میں یہ سلسلہ جنبانی کی تھی۔

[۱] مولوی فضل حق صاحب مولوی عبدالحق صاحب کے فرزند رشید اور مولوی محمد شاہ صاحب کے بھتیجے ہیں آپ بھی مثل اپنے باپ چچا کے قابل اور ذی اخلاق تھے عرصہ دراز

بعالیجناب فضائل وکمالات مآب مخدومی مکرمی محسنی فداہ روحی حضرت مولانا مولوی حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبائے ریاست بھوپال مدظلہ العالی۔ کمترین عقیدت گزین خاکسار

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ ہوا کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کیا۔ راقم سے محمد رکن عالم صاحب تحصیلدار ریاست جاورہ نے بیان کیا کہ مولوی صاحب موصوف مکہ معظمہ میں صاحب ارشاد وفیوض بزرگ مانے جاتے ہیں۔ راقم کے ساتھ بھی مولانا کی خط وکتابت رہی۔ حکیم صاحب نے مولوی صاحب کے باپ چچا کی خصوصیت اور ملازم رکھانے کا قصہ بیان کیا مگر اپنی عالی ظرفی سے اس احسان کو ظاہر نہ کیا جو بعد انتقال حکیم صاحب کے مولوی صاحب نے مولوی سید علی صاحب کو چھوٹے سوتیلے بھائی حکیم صاحب کے تھے مکہ معظمہ سے خط میں تحریر کیا کہ آپ لوگ میرے بزرگوں کے احباب ہیں دنیا میں ایسے بزرگ ہیں پھر کہاں پاؤں گا حکیم سید فرزند علی صاحب مرحوم نے جو میرے والد مرحوم مولوی عبد الحق صاحب پر احسان عظیم کیا ہے اس کی نظیر آج نہیں مل سکتی وہ سب احسانات ومحبت میرے دل میں جاگزیں ہے میرے والد مرحوم جب ایام غدر میں آوارہ خانماں ہوئے اور اس زمانہ پر آشوب کے انقلاب سے عرصہ تک بے روزگار پریشان پھرتے رہے جب وہ بھوپال میں شب کے وقت پہونچے تو ان کے کپڑے شکستہ اور کثیف ہو گئے تھے آدھی رات کے وقت حکیم صاحب کا مکان تلاش کرتے ہوئے پہونچے نوکروں سے حکیم صاحب کو اطلاع دینے کے متعلق کہا ملازموں نے بے وقت ہونے کی وجہ سے تامل کیا انھوں نے اصرار کیا خدمتگار نے ناخوشی کا اظہار کیا مولوی صاحب نے کہا کہ اچھا تم میرا نام عبد الحق بتلا کر عذر کرو گا وہ وہ بڑی مشکل سے حکیم صاحب کے پاس گیا اور حکیم صاحب کو جگا یا اور کہا کہ بے وقت آپ کو ایک شخص سائل کی طرح معلوم ہوتا ہے اور اپنا نام عبد الحق بتلاتا ہے اطلاع کراتا ہے۔ جب حکیم صاحب نے مولوی صاحب کا نام سنا فوراً اٹھے اور دوڑے اور ملازم کو سائل کہنے سے خلاف عادت ایسا جھڑکا کہ وہ ڈر گیا جب حکیم صاحب نے مولوی صاحب کو دیکھا لپٹ گئے اور دونوں صاحب بہت روئے حکیم صاحب کو بھی پریشان حالی دیکھکر کمال صدمہ ہوا کنجیاں مکان کی ان کے سپرد کر دیں اور غسل کرا کے اچھا جوڑا کپڑوں کا پہنوایا اس کے بعد مولوی عبد الحق صاحب کو سو روپیہ ماہوار

ذرہ بے مقدار فقیر حقیر اذل خلائق راجی رحمت رب الفلق عبید محمد فضل حق عفی عنہ بعد تسلیم مسنون گزارش پرداز خدمت خدام والامقام ہے۔ سالہا سال سے تا تجر گنہگار تشریف آوری بھوپال و تفویض منصب جلیلہ کی شب و روز مقامات متبرکہ مستجاب میں دعا کیا کرتا تھا جس وقت خبر ارتحال سرکار مغفور معلوم ہوئی بعض عنایت فرما جو بھوپال میں ہیں ان کی خدمت میں بذریعہ نیاز نامجات اور دو صاحب جو ۱۳۱۸ھ کے حج میں یہاں حاضر تھے منجملہ ان کے مکرمی جناب منشی محمد فہیم صاحب سابق تھانہ دار سے تاکید کر دی تھی کہ جس وقت ملازمان ذیشان رونق افروز بھوپال ہوں ضرور اس ناچیز کو مطلع فرمانا۔ الحمد للہ والمنہ کہ ایک مہربان کی تحریر سے میرے پروردگار جل جلالہ و عم نوالہ نے اس مژدہ مسرت افزا سے شاد کام فرمایا اور تمنائے گنہگار جو مدت ہائے دراز سے تھی محض اپنے فضل و کرم سے برلایا۔ اللہ تعالی جل شانہ ذات برکات کو قائم اور جمیع مکروہات و حوادثات سے مصئون و مامون رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ تاریخ بستم ماہ رجب کو قطعہ عریضہ منسلک خط موسومہ مشفقی

بقیہ نوٹ صفحہ ملاحظہ ہو۔ بعہدہ بخشی ڈیوڑھی خاص نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا ملازم رکھوایا۔ مولوی عبدالحق صاحب ذی علم و دیندار ہونے کے علاوہ شاعری میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے مثنوی تفضیح النقی فی احوال الشقی مولوی امیر علی صاحب کی شہادت کے بعد تصنیف کی اور ایک شب میں لکھنؤ کے ہر ایک مشہور مقام پر چسپاں کرا دی حتی کہ رزیڈنٹ صاحب کی کوٹھی پر بھی پہونچ گئی اس میں اجودھیا کے مظالم اور معاندین کی ہجو لکھی ہے۔ مولوی صاحب کی والدہ اور ہر دو ہمشیرہ ملا نواب صاحب کے متعلقین کے ہمراہ ہندوستان سے مکہ معظمہ گئی تھیں اور وہاں مقیم تھیں جب مولوی صاحب کی والدہ ماجدہ کا مکہ معظمہ میں انتقال ہو گیا تو مولوی صاحب اپنی ہر دو بہنوں کے لانے کی ضرورت سے مکہ معظمہ گئے اس عرصہ میں ملا نواب صاحب کی زوجہ محترمہ نے انتقال کیا اور ملا صاحب نے مولوی صاحب کی چھوٹی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا کئی سال کے بعد مولوی عبدالحق صاحب مکہ معظمہ سے ہندوستان واپس آئے اور جس روز کلکتہ میں پہونچے اسی روز ہیضہ میں مبتلا ہو کر رحلت کی۔ کئی سال ہوئے کہ مکہ معظمہ میں مولوی فضل حق صاحب نے بھی انتقال کیا۔ حکیم صاحب نے اس خط کا جواب راقم سے لکھا کہ مولوی صاحب کی ہندوستان میں مکہ معظمہ بھجوا دیا تھا۔

قاضی سید اصغر علی صاحب بھوپالی البلاغ ملازمان ذیشان کیا ہو یقین ہے کہ ملاحظہ انور میں گذرا ہوگا۔ اب رات دن یہ دعا ہے کہ حضرت رب العزت الطاف نامہ سے سرفراز فرمائیے تاکہ اُس سے اعزاز و افتخار حاصل ہو چونکہ طمع بذا۔ امید ہے کہ بعد عید الفطر ملاحظہ لامعہ میں گذرے لہذا مُبارکباد عید سعید کی دیتا ہے جناب منشی ظہور الحق صاحب میرے والد مرحوم کے عنایت فرما اور تقریباً چالیس کے مہاجر ہیں حضرت والا کی خدمت میں بھوپال میں نیاز حاصل کر چکے ہیں سرکار بھوپال سے وظیفہ پاتے ہیں سلام مسنون و مبارکباد عید ادا کرتے ہیں۔ نور چشمی حلیمہ جس کی عمر تقریباً دو سالہ ہے تسلیم دست بستہ عرض کرتی ہے زیادہ حد ادب ۲ ہم رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

خط حکیم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب[1] ابن حکیم ملا محمد نواب صاحب مہاجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از محمد اسمٰعیل بخدمت فاضل بے مثل طبیب حاذق نبیل مخدومی جناب حکیم سید فرزند علی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ فقیر و حضرت والد ماجد و جمیع وابستگان بخیر و عافیت اند و صحت مزاج والا و مساعقت و مساعدت امور دینیہ بہ روزگار میر ہنجبکیہ محمد و معین

[1] یہ ہر دو خطوط اگرچہ مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب نے لکھے مگر در اصل ملا حکیم نواب صاحب کی طرف سے تحریر کیے ہیں جملہ امور کا انتظام اپنے والد ماجد کی طرف سے وہ ہی کیا کرتے تھے مولوی اسمٰعیل صاحب کی ذات میں بھی اپنے والد بزرگوار کے صفات موجود تھے طبیب حاذق ہونے کے علاوہ دین داری پرہیزگاری میں عالم محترم تصور کیے جاتے تھے افسوس کہ ماہ رجب روز پنجشنبہ ۱۳۲۱ھ میں بمقام مدینہ منورہ بحالت جوانمرگی رحلت کی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمد ابراہیم صاحب بھی حکیم کو عربی میں خطوط بڑی محبت سے تحریر کرتے۔ وہ خاک پاک عرب سے رامپور آکر مولوی ارشاد حسین صاحب سے تحصیل علم کر رہے تھے نواب کلب علی خاں بہادر نے اپنے استاد زادہ کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا عنقریب فارغ التحصیل ہو کر مکہ معظمہ جانے کا قصد تھا مگر دق میں مبتلا ہو کر جوانمرگ چل بسے۔ وہ شاہ آباد بھی حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لائے تھے۔

انابت حضرت پروردگار باشد عطاء الدوام دافر مطلوب. عنایت نامه محرره ۱۶ شوال در عین
انتظار روئے جمال کشاد فرحت و مسرت کمال و اطمینان حال دست داد الٰهی ستاره سعادت
اقبالش دائماً طالع و ساطع باد. از مستهامان فراق و مهجوران اشتیاق جز جزاء دعائے خیر
متصور نیست. شیخ ابراهیم سراج مدنی که از فقیر چند روز خوانده هم بودند همراه وے بعضے کتب
انشاء وفقه فرستاده بودم تا حال شیخ مذکور اینجا نه رسیده اند که معلوم شود کتب مرسله را
چه کردند دیروز که پانزدهم شهر حال یعنی ذی الحجه سنه ۱۲۹۲ھ بود عنایت نامه مرسله سامی لصحب
سید محمد مکی مضمونش واضح گردید و تشویش لاحق از جهت روزگار بهوپال و استدعاء مشوره
تدبیر مناسب درین باب از حضرت والد ماجد هم بوضوح پیوست و بحضرت والد نمائیده ام و آں روز
جناب اخوی معظمی مولانا مولوی محمد شاه صاحب رسیده دراں هم ازیں قسم درباب روزگار
جناب درج فرمودند خوب مفهوم گردید انشاء الله پس ازیں عنقریب آنچه تدبیر فعلی با مشوره ذهنی
ممکن ست بظهور خواهد رسید اطلاعاً عرض آمد. و یک حقه ملفوف بهم الفار مرسله سیدی محمد حسین
خاں صاحب هم رسید و پیش ازاں مکتوب شاں هم بدست بعضے واردان ازاں طرف رسیده
مفتخر گردانیده بود جوابش بدست آورندگان با مطبوعه صحیفه جناب خواهم فرستاد انشاء الله
و در خط سید محمد مکی وعده تدبیر اخراج فتح القدیر از مشار الیه فرموده بودند و درین خط توجهیش
نفرمودند. اگرچه عذر عجلت و کثرت شواغل در جیش فرموده بودند امید که بتجرد عدم ذهول
خاطر عاطر شود. حضرت والد ماجد سلام مسنون الاسلام مشحون الاشتیاق والالتیام
ابلاغ می دارند کذالک همه اهل البیت خاصةً خاله صاحبه با وجیه عرض دارند.

الراقم محمد اسمعیل ابن حکیم محمد نواب. مرقومه ۱۲ ذی الحجه ۱۲۹۲ھ

من مقام مکة الشریفه

ایضاً

مخدوم معظم عمدة الاطبار المحققین زبدة الحکمار المدققین سیدی حکیم فرزند علی صاحب دامت الطافہم وعنایاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ' اما بعد عرض آنکہ اینجا قرین حمد وشکر ایزدی وصحت مزاج والا وجملہ احوال سامی باوقات دوامی مسئول است پیش ازیں بعد امج عریضہ متضمنہ وصول عنایت نامہا مکرمہ و رسید مبالغ مرسلہ برائے خریدن کلاہ ہا و مصطگی و عود ارسال خدمت داشتہ بودم امید کہ رسیدہ شرف اندوز مطالعہ شدہ باشد الحال یک سجادہ سیاہ طولانی و عمامہ ڈھاکہ بدست یکے از تجاران ہمین کہ در مکتوب سابق اشارہ باں رسیدہ بود ہم شرف ورود الحال سہ کلاہ مطلوب از قسم عمدہ خرید و مصطگی و عود عمدہ برگرفتہ بہ تحویل جناب بخشی سابق حافظ محمد حسن خاں صاحب و برادرزادہ شاں محمد سعید خاں مرسلہ خدمت کنم حق تعالی بحفاظت تمام بانجام رساند اگرچہ امر سامی بدو کلاہ رسیدہ بود اما حضرت والد بلحاظ ترتیب نمودہ و گنجائش بر سہ دیدہ مصلحت ارسال ہر سہ دیدند و عمامہ مذکور را ہم مفاتی و علمائے اینجا نمائیدم اختلاف را بما دادند و جواب قاطع محول تامل و تاخیرے قلیل فرمودند انشاء اللہ تعالی آنچہ محقق آرائے صحت انتما شاں شد عنقریب اطلاع خواہم داد و دربارہ امر معہودہ رائے حضرت والد براں قرار یافت کہ بحضرت نواب صاحب اشارہ دریں باب نوشتہ آید و بخط جناب مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب تفصیل ایں امر نوشتہ ابلاغ شود کہ ایشاں در رفاقت تحریک ایں امر بجد و جہد فرمایند بلکہ خط حضرت دربارۂ جناب بالتفصیل گوش گذار شاں نمایند د نتیجہ آں ہر چہ بظہور آید جناب قولاً و یا فعلاً اطلاع باں دہند جناب نواب صاحب

ارسال نامہ نامی در طلب حضرت والد ماجد برائے معالجہ جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ دام اقبالہا فرستادہ بودند و یک ورقہ متضمنہ جملہ احوال ممدوحہ ہم مندرجہ آں ساختہ بودند کہ بصورت عدم امکان سفر توجہش معالجہ مناسب نوشتہ فرستند از جملہ عوایق کہ بعضے ازاں واضح رائے عالی ست سفر ممکن نہ شد۔ عریضہ جناب نواب و مکتوب جناب مولوی ارشاد حسین صاحب متضمن مضمون سعی ہر دو امروز حوالہ وکیل شاں می شوند از املاء ہر دو فراغت یافتہ ام اطلاعاً عرض شد و بخدمت جناب اخوی مخدومی مولوی محمد شاہ صاحب تسلیم و تعظیم ارسال فرمایند و عدم وصول حوائج مرسلہ شاں بجالہ صاحبہ تا تاریخ حال ہم بحضرت مولوی صاحب ممدوح اطلاع فرمایند از جہت یاقوت در عریضہ سابق ہم ابلاغ خدمت داشتہ ایم کہ بہ قیمت مناسب آں دیار بہ فروشند از حضرت والد ماجد سلام مسنون اشتیاق مشحون قبول باد و ایں عریضہ ام بخدمت حضرت شاہ محمد حسین خاں صاحب مرسل فرمایند والسلام خیر ختام راقم آثم محمد اسمٰعیل ابن محمد نواب من المکہ معظمہ مورخہ ۳ صفر ۱۲۹۳ھ

خط مولوی حکیم سید علی[1] صاحب ناظم دار القضا حیدر آباد

عالی جناب قبلہ ارادت کیشاں عقیدت اندیش جناب مولوی حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبا مدظلہ العالی۔ پس از گزارش سلام مسنون ہزاراں ہزار تعظیم مقرون

---

[1] مولوی حکیم سید علی صاحب کو حکیم سید فرزند علی صاحب کی حقیقی بھتیجی منسوب ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا وطن ملیح آباد اور والد کا نام میر حسین علی ہے جید عالم فاضل ہونے کے ساتھ دینداری میں پایہ بلند ہے شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے شاگرد رشید اور منطق میں استعداد کامل رکھتے ہیں وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں خاص مہارت حاصل ہے۔ خدا پرست اور مزاج بے تصنع ہے۔ بیشتر مولوی صاحب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ ۲۰۶)

التماس پرداز است. درین ازمنه درویشے نزد خاکسار مہمان بودند که برخے از عمر گرامی ایشان
در سعی جمیل و اصلاح خلق الله سپرے گردید. جناب مولوی مشتاق حسین صاحب جواب تحریر
شاه صاحب نزد فرستاده اند ازیں تحریر ہم اندازه مذاق مولوی صاحب ممدوح می تواند
که خیر خواہی خلق الله چه مایه وقعت نزد ایشاں میدارد و خوف مرگ چساں دلنشیں ست

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵) موصوف بھوپال میں ملازم ہوئے اس کے بعد حیدرآباد گئے وہاں حضور نظام
نواب میر محبوب علی خاں بہادر فرمانروائے دکن کی ایک بیگم سخت علیل تھیں اطبائے ریاست علاج سے عاجز
آگئے تھے آپ کے ہاتھ سے غسل صحت ہوا جس کے صلہ میں سو روپیہ ماہوار کا منصب اور ملازمت عنایت
ہوئی صدر منصفی کے بعد اپنی کارگزاری و قابلیت سے ناظم دارالقضا ہوئے زاں بعد سشن ججی کے عہدہ
فائز ہوئے۔ ملازمت کا زمانہ پورا کرکے پانسو روپیہ ماہوار پنشن اور سو روپیہ منصب پاتے ہیں۔

حکیم سید محی الدین صاحب معہانی عرف میرزا صاحب نے سید التفات رسول صاحب تعلقہ دار سند
یہاں جب کہ وہ سو روپیہ روز فیس پر آتے تھے راقم سے بیان کیا کہ حکیم سید فرزند علی صاحب کے
حکیم سید علی صاحب کو میں جانتا ہوں۔ ہندوستان میں ان کی قابلیت و حذاقت کا شخص نہیں ہے
میں ان کی حاضری کے متعلق رسول خدا نے بشارت دی تھی کہ سید علی ہمارا مہمان ہے۔

دسمبر ۱۹۲۱ء میں جب حکیم سید علی صاحب سے ملاقات ہوئی تو راقم نے اس واقعہ کے بابت دریافت
کہ جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو مولوی اعظم حسین صاحب مہاجر خیرآبادی کے مکان پر ٹھہرا اور ایک
مزدور نے اپنے انتظام سے مجھے علیحدہ ٹھہرانا چاہا۔ مدینہ طیبہ میں ایک بزرگ قطب خیال کئے جاتے ہیں
اکثر حسبتہً للہ وہ مخلوق خدا کی خدمت تجہیز و تکفین وغیرہ کے کاموں میں مشغول رہا کرتے ہیں انہوں
شاہ اشرفی صاحب ساکن کچھوچھہ شریف سے کہا کہ حضور سرور عالم صلعم نے ارشاد کیا ہے کہ سید علی اعظم حسین
کے یہاں مہمان ہو چکا ہے وہیں ٹھہرے گا کوئی اس کو وہاں سے نہ اٹھائے۔ اور جب وہاں سے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ

وخیال حسن خاتمہ چہ مقدار پیش نظر کسے کہ از خدائے عزوجل می ترسد و موت پیش نظر
میدارد و متمنی نفع رسانی خلق اللہ می باشد دریں زماں کمیاب ست گفتن ایں امور پیش آسان
ہر کس بقوہ می کند مگر دل نشیں بودن خیلے دشوار از ہمچو حضرات انجام کار دین و دنیا بلا آمیزش
اغراض نفسانی و بلا مداخلت حطام دنیا توقع می تواں داشت ۔ ایں جملہ تگاپو و غرض معروض
ازاں ست کہ ریاست بھوپال درحقیقت ریاست اسلام ست ابتری نظام آنجا دیدہ خستہ شوم
چوں دیدم کہ مولوی مشتاق حسین صاحب کہ مرد دیندار خانہ نشین اند و در اصلاح حال
ریاست کارے کہ از ایشاں راست تواں شد از دیگرے متوقع نیست و تا ایں زماں کار
وزارت آنجا بدست کسانے کہ افتاد در مقابلہ مولوی صاحب ممدوح نسبت عشر عشیر ہم ندا شتند
حیف آمدم کہ ریاست اسلام تشنہ ہمچو آب حیات باشد و آب حیات در زاویہ بیکاری منزوی
ماند آرزو کردم کہ مداوا بہ مریض و آب بہ تشنہ و مراد بمرید برسد و بہمیں حسن نیت شاید

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۶) روانگی و واپسی کا قصد کیا تو انھیں بزرگ نے فرمایا کہ جناب رسالت پناہ
سے ارشاد ہوا کہ ابھی سید علی کی رخصت منظور نہیں ہوئی ۔ لہذا چندے پھر مدینہ منورہ میں ٹھیر گیا ۔ دوسرے
مولوی سید علی صاحب جن کا دوسرا نام رمضان علی صاحب بھی تھا اور جن کا نام و ذکر کئی جگہ اس کتاب
میں آیا ہے حکیم سید فرزند علی کے چھوٹے سوتیلے بھائی ہیں ۔ سید ضامن علی صاحب نے دوسرا عقد لکھنؤ میں
جن بیوی سے کیا تھا یہ ان کے بطن سے پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں ہمیشہ آمد و رفت شاہ آباد سے بھی رکھتے
تھے ۔ نہایت ذی علم خلیق الشان تھے کئی کتابیں آپ کی تصنیفات سے ہیں بعض کاغذات بھی آپ نے
دکھلائے اور مفید باتیں بھی اس لائف کے بابت بتلائیں ۔ جب کبھی ملتے نہایت محبت سے پیش آتے ۔
افسوس کہ ۱۵ ر جمادی الاول مطابق ۱۲ ر اپریل سنہ ۱۹۱۴ء ہیضہ کے مرض میں چار روز علیل رہ کر رحلت کی
اور لکھنؤ میں مدفون ہوئے ۔ لکھنؤ میں آپکے فرزند سید احمد حسین صاحب اور داماد حکیم سید خورشید علی صاحب ذی علم
طبیب ہیں ۔

خوشنودی حضرت حق تعالیٰ این ہیچکارہ گردد کہ فرمودہ اند الدال علی الخیر کفاعلہ ورنہ راہ لطف و مروت کہ سابق از منہ وبد و ورود حیدرآباد فیما بین خاکسار و مولانا سالک بود از وسط زمان قیام حیدرآباد ہمچنان مسلوک نماندہ سالہا سال می گزرد کہ نوبت مراسلت ہم ہمی رسد وقلوب جانبین از حال یک دیگر خالی می ماند دریں مدت ہشت سالہ از دو سہ بار مکاتیب نہ شدہ آنہم وقت شیوخ ضرورتے خاص و بقدر ضرورت الغرض دریں تحریک جز رضا جوئی حضرت حق تعالیٰ مطلبے دیگر نیست انہ علیٰ ذٰلک لشہید زیادہ تسلیم بجملہ اعزہ تسلیم و دعا - من الحقیر محمد سید علی کان اللہ لہ - از حیدرآباد

خط مولوی علاء الدین صاحب[1] اُستاد نواب عالی جاہ سلطان دولہا صاحب بہادر

مخدومی و مکرمی اُستادی جناب حکیم سید فرزند علی صاحب مدظلہ - بعد سلام مسنون مبرہن خاطر شریف باد الحمد للہ بخیریت ہستم و متمنی خیریت سامی از چند ماہ حسب الطلب جناب سلطان دولہا صاحب بہادر مقیم بھوپالم دیروز بہ تقریب ذکر انبہ جناب نواب صاحب

---

[1] مولوی علاء الدین صاحب نواب سلطان دولہا بہادر کے قدیمی اُستاد ہیں۔ جب نواب سکندر بیگم صاحبہ نے نواب سلطان دولہا بہادر کو جلال آباد سے بھوپال بلوایا تو مولوی علاء الدین صاحب بھی اپنے وطن جلال آباد ضلع مظفر نگر سے ان کے ہمراہ بھوپال آئے۔ مولوی صاحب موصوف لائق خوش اخلاق بزرگ ہیں صاحبزادگان بیگم صاحبہ بھوپال کے بھی اُستاد رہے فی البدیہہ شعر کہتے ہیں۔ فارسی عبارت بھی خوب لکھتے ہیں لیاقت پوری حاصل ہے پیشتر فرخ مگر اب بسمل تخلص اختیار کیا ایک مثنوی انبہ کی تعریف میں موزوں کی وظیفہ منجانب ریاست بھوپال سے آپ کا مقرر ہے کئی برس تک تحصیلدار بھی رہے۔ حج کا شرف بھی حاصل کیا شاہ آباد بھی تشریف لائے۔ زمانہ قیام بھوپال میں حکیم صاحب سے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۰۹)

فرمودند کہ حکیم صاحب نیز ہر سال پارسل انبہ تحفۃً میرسانند لیکن چوں خام میرسانند و درینجا
کسے بہ پال نگہ نمی دارد وہمیں نارسیدہ خوردہ شوند اگرچہ انبہ فی نفسہ نفیس می شوند لیکن
ازیں سوء تدبیر خوش ذائقہ نمی ماند کاش نیم رس قریب بہ پختگی میرسانید تا اینجا میرسند
رسیدہ و پختہ قابل خوردن می شد وہم خوش ذائقہ می برآمد گفتم ایں کیفیت خدمت حکیم صاحب
نویسیم فرمودند باید نوشت۔ لہذا عرض خدمت نمودہ آید وچوں بندہ راقم را باوجود خلوص
دائمی غیر از سیر و تفریح باغات سامی و دیگر باغات شاہ آباد گاہے اتفاق خوردن انبہ ہائے
اں باغات نشد و جز سامعہ ہیچ گاہ باصرہ و ذائقہ از خوبی و عذوبت آں ثمرات جلیل نواز
بہرہ مند نہ گشتہ وچوں ہزار جاں شیفتہ ایں نوشین میوہ کہ ام الاثمار نیز نامش
گزشتہ ام ہستم لہذا بلا تکلف تکلیف خدمت سامی می نمایم کہ اگر یک پارسل جداگانہ بنام
نیازمند نیز مرسل شود ہر آئینہ موجب گرمی عنایت خواہد بود و در پارسل بندہ حاجت بدان
قیود نیست بندہ بعد وصول پارسل اہتمام در حسن پخت و نکوئی پال خواہد نمود فقط دیگر
از حالات خاص این ست جناب دام اقبالہ کہ تجویز شادی میاں نصر اللہ خاں صاحب و
میاں عبید اللہ خاں صاحب با دختران ہمشیرہ خود فرمودہ اند و در روبکاری رئیسہ عالیہ
ہم تیاری جوڑہ حسب شان رئیسان بغرض شادی قدر محمد خاں می شود کہ در ریاست

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰) آپ کی مجالست رہتی اور آپ کی وجہ سے بڑا لطف رہتا۔ طب میں
آپ نے کچھ کتابیں بھی حکیم صاحب سے پڑھیں۔ راقم کے ساتھ نہایت محبت بزرگانہ فرماتے تھے۔ پارسال
بماہ دسمبر ۱۹۲۱ء جب راقم کا بھوپال جانا ہوا اور آپ سے ملاقات کی تو بڑی الفت سے پیش آئے
اور کتاب حیات سعید راقم کی ناچیز تصنیف دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کلمات توصیف کے فرمائے
آپ کے فرزند خیر الدین صاحب بھی نیک نہاد خلیق انسان ہیں وہ بھی برسوں تحصیلدار رہ چکے ہیں ۱۲

مالیرکوٹلہ نسبت شاں قرار یافت بجملہ احباب و عزیزان خود آشنایان فقیر سلام مسنون برسانند واز خیریت فراج بپاسخ ایں نمیقہ ابتہاجم بخشید بحمد اللہ یوم چہارشنبہ درینجا نزول باران رحمت بقدر نیم انچ شدہ گرمی کہ بشدت بود حالا فرو شدہ است و مرض ہیضہ کہ ہم شیوع یافتہ بود سکونے دارد و در محال آشٹہ شنیدہ می شود کہ ایں مرض اشتداد تام دارد و ہمدریں ہنگام تحریر ایں رقیمہ مسموع شد کہ کوک صاحب در آشٹہ بعرض معائنہ تالاب کہ در انجا تیار می شود رفتہ بود ہمدریں مرض بگزشت واللہ اعلم و ہفتہ گزشتہ راجہ عبدالعلی خاں صاحب نیز دفعۃً قضا کرد مگر نہ دریں مرض اللہم احفظنا یا فیاض من جمیع البلاء والامراض و ہر خدمتے کہ شایان ام باشد دریغ حاضرم فقط والسلام راقم فقیر محمد علاء الدین عفا اللہ عنہ از بھوپال محلہ پری گھاٹ متصل پائگاہ مکان منشی عزیزم احمد حسن محرر کارخانجات سرکار ولیۃ العہد ریاست دام اقبالہ بست و دوم صفر ۱۳۱۸ھ

خط مولوی[1] سید قمر الدین احمد صاحب لکھنوی

جناب مکرم و معظم برادران افسر الاطبا حکیم سید فرزند علی صاحب قبلہ زاد مجدہم۔

بعد تسلیم آنکہ جس روز سے میں آپ کی خدمت سے واپس آیا کوئی خبر خیریت فراج اور عزم روانگی کہ کب تک وقوع میں آئے گا معلوم نہیں ہوا۔ ایک خط روانہ کیا تھا مگر اس کا جواب

---

[1] مولوی سید قمر الدین احمد حکیم صاحب سے بہت خلوص رکھتے از راہ محبت خطوط لکھتے تقریبات میں حکیم صاحب کے مکان پر شاہ آباد تشریف لاتے۔ راقم کو بھی مولوی صاحب کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا تھا خوش فراج و بہت نفاست پسند انسان تھے۔ آپ مولوی محمد شاہ صاحب کے برادر نسبتی یعنی سالہ تھے ساری عمر اپنے اپنے بہنوئی و استاد کی خدمت میں رہے اور ان کے ہمراہ جب خاندان شاہان اودھ ولایت گیا یہ بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۱)

بھی نہیں آیا۔ لہذا سخت تردد لاحق ہو۔ امید فرزند عنایت و اخلاق سامی سے یہ ہی کہ کیفیت مزاج اور عزم روانگی کہ کب تک ہی مطلع فرماتے۔ چار روز ہوتے مولوی سید علی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اُس روز تک کوئی خط ان کے نام بھی نہیں آیا تھا۔ فقط۔

قمر الدین احمد شوال ۱۳۱۹ھ از لکھنؤ

خط مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی کان پور

جناب حکیم صاحب مصدر عنایت و کرم حکیم سید فرزند علی صاحب دام افضالہم۔ بعد از عرض تسلیم سنت حضرت رسول کریم۔ التماس یہ ہی کہ جناب میر حبیب اللہ صاحب تیار موجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰) لندن تشریف لے گئے تھے۔ بعد انتقال مولوی محمد شاہ صاحب آپ ہی ان کے منصب و عہدے پر سرفراز ہوئے نواب منصرم الدولہ بہادر کی صاحبزادی آپ کو منسوب تھی۔ قریب سو روپیہ ماہوار کے آپ کو پنشن لکھنؤ میں ملا کرتی تھی یہ خط جب حکیم صاحب بھوپال روانہ ہو رہے تھے اور بوجہ علالت جانا ملتوی ہو گیا تھا مولوی صاحب نے شاہ آباد سے لکھنؤ جا کر لکھا تھا جس کا جواب حکیم صاحب نے راقم سے لکھا کر انھیں بھیجدیا تھا کئی سال ہوئے کہ مولوی صاحب نے سفر آخرت کا اختیار کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۵۱ مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب دیانت دار دیندار وضعدار انسان تھے قومی ہمدردی ترقی اسلام ان کی طبیعت کا خاصہ تھا وہ حکیم صاحب کے ساتھ دلی اُنس اور عزیزانہ برتاؤ رکھتے۔ حکیم صاحب کو بھی ان کی دینی و دنیاوی خوبیوں کی وجہ سے نہایت موافقت تھی۔ جب کبھی وہ کوئی اچھی کتاب تصنیف یا طبع کرتے تو حکیم صاحب کو ضرور بھیجتے اور حکیم صاحب کے غم و خوشی میں شریک ہوتے اور بعض واقعات کو اپنے اخبار نور الانوار میں چھاپ کر شائع کرتے۔ چنانچہ حکیم صاحب کے والدہ کی رحلت کی خبر کو مع قطعہ وفات کے شائع کیا تھا اور وہ تاریخی

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۱۲)

۳ جمادی الاول رونق افروز کانپور ہوئے زبانی ممدوح خیریت گرامی سنکر اطمینان ہوا اللہ تعالیٰ ذات گرامی کو ہمیشہ بر سر ما عاجزاں سلامت رکھے۔ عرصہ سے حساب ادو سند بخدمت سامی نہیں بھیجا خصوصاً حساب انجمن فلاح دارین۔ لہذا بخدمت سامی مفصل حساب مرسل ہے۔ اصل شرکت ایک سو ایک نفع لغایتہ آخر سنہ ۱۳۰۱ معہ بقایہ حساب ۵ کل مابہ ۱۰۲ بعد ملاحظہ جو ارشاد ہو بجا لایا جائے۔ یعنی پچاس روپیہ انجمن میں داخل کرکے رسید بھیجی جائے و باز منافع بخدمت سامی روانہ کیا جائے براہ کرم ہدایت ہو۔

جناب عالی جو جو نسخے آپ نے واسطے اشاعت اور شرکت نفع کے تجویز فرمائے ہیں ان کا سامان فرما رکھئے گا۔ جو آپ کی رائے ہوگی وہ بجا لاؤں گا۔ اور ایک بدری کتب بخدمت سامی برائے محمد ابراہیم روانہ کی ہے ان کو دلوا دیجئے گا۔ بعد نوشتن عریضہ نیاز معلوم ہوا کہ محمد ابراہیم آپ کے یہاں پہنچکر وہاں سے روانہ رام پور ہوئے۔ آج شب کو میں رام پور جانے والا ہوں وقت مراجعت کے انشاء اللہ قدمبوسی کو حاضر ہونگا۔ نہایت درجہ دل و دیدہ مشتاق ملازمت ہے جو نسخے کہ آپ نے تجویز فرمائے ہیں ان کو آپ کے روبرو ایک ایک مرتبہ بنالوں گا۔ زیادہ حد ادب بخدمت جمیع صاحبان سلام۔

راقم عبدالرحمن خاں عفی عنہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۲ ہجری

بقیہ حاشیہ صفحہ) قطعہ یہ تھا۔ آں عفیفہ نیک سیرت پاک ذات + روئے خود در پردۂ خاکی نہفت + شاکرِ غمگیں ز روئے التجا + جائے پاکاں خلوت قدسیہ گفت

حکیم صاحب کے بڑے بھائی میر نجف علی صاحب کی وفات کی خبر بھی از راہ تعزیت ۱۳۰۲ھ انھوں نے اخبار مذکور میں چھاپی تھی جو میر صاحب کے تذکرہ میں درج ہے۔ حکیم صاحب نے تا امکان مطبع نظامی کو نفع پہنچانے میں کمی نہیں کی ریاستوں میں کتب بکوائے ان کے مطبع میں کتابیں چھپوانے کی ترغیب دی۔ مفید نسخے عنایت کئے

ایضاً

جناب حکیم صاحب مصدر عنایت و کرم زاد مجدکم۔ بعد سلام مسنون کے التماس خدمت میں
یہ ہے عاجز ۱۲ بجے دن کے تاریخ ۳ رجب یوم چہارشنبہ کو مع الخیر کان پور پہنچا سب کو خیریت
سے پایا آپ کے اخلاق و اشفاق کی یادگاری ہر وقت پیش نظر ہے کہ ایک ساعت فراموش
نہیں ہوتی ایک قطعہ برخوردار ابوسعید بھیجتا ہے اگر پسند جناب ہو تو اپنی بیاض پر لکھ لیجئے اور
حال نرسنگ گڑھ تحریر فرمائیے کہ تعلق ہے وہاں کے پروانہ میں کیا خوشخبری لکھ کر آئی
جواب اس عریضہ کا جلد مرحمت فرمائیے گا۔ ذرا کچھ اطمینان ہوتا ہے تو درباره انجمن کے
آپ کو منافع روانہ کرتا ہوں۔ بخدمت جمیع صاحبان خصوصاً محمد امین خاں صاحب و محمد حسین
خاں صاحب سلام نیاز قبول باد۔ نور چشمی اور صاحبزادہ کو دعا۔ تاریخ تولد صاحبزادہ
گرامی از محمد سعید خاں سلمہ اللہ تعالیٰ ؎

فرزند علی ترا خدا داد　　فرزند سعید بخت مسعود
از سال فلک دلش خبر داد　　ہاتف ز فلک چراغ محمود

الراقم عبدالرحمٰن خاں عفی عنہ تحریر تاریخ ۳ رجب سنہ ۱۳۰۲ھ ۱۲۴۳ از مطبع نظامی

خط مولوی حکیم امین الدین احمد صاحب[1]

بعالی جناب مکرمت مآب توجہ فرمائے دلی حاجی حکیم مولوی سید فرزند علی صاحب زاد قدرہٗ
و برکاتہٗ۔ از کمترین امین الدین غفرلہ ولکم۔ بعد اہدائے سلام عجز و نیاز و التیام مرفوع

---

[1] مولوی حکیم امین الدین احمد صاحب طب میں حکیم صاحب کے شاگرد اور بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۱۴)

خاطر توجہات مظاہر ہو عنایت نامہ کرامت شمامہ عرصہ دراز ہوا کہ بحالت غیبت احقر امتیاز بخش بورود عنایت آمود ہوا۔ عالی جنابا چونکہ عاجز موجود نہ تھا اور نیز بوجہ ترددات چند در چند مثل علالت نور چشمی ابقاء اللہ واوصلہا اللہ الی ما یتمنیٰہا۔ کچھ مدت دراز سے بعارضہ ذات الصدر و درد پشت مبتلا تھی اور اب بعد بہت تردد و جانفشانی خداوند تعالےٰ نے بہ برکت دعائے گرامی اس کو صحتِ کامل عطا فرمائی اور نیز احقر بہت عرصہ سے درد چشم میں مبتلا تھا اور ہنوز صحت حاصل نہیں ہوئی اور نہایت درجہ تکلیف ہے۔ مسہل ایک ہوگیا اب منضج تنقیہ عام و خاص کے لئے استعمال میں ہے۔ انشاء اللہ بعد اس کے طبیعت درست ہوجائے گی۔ اور علاوہ بریں موضع ہسوہ میں مولوی عبدالعزیز صاحب جب سے سفر حج سے واپس آئے ہیں گھر کے تمام لوگ بیمار تھے اور نیز اُن کی زوجہ کی طبیعت درست نہ تھی اور تپ میں تھی اور انتہا درجہ کا ضعف ہوگیا تھا اور تمام گاؤں کے لوگ ان کی زیست سے مایوس تھے وہاں ان کے معالجہ میں مصروف رہا اور بالآخر خداوند تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی۔ انھیں سب وجوہ مفصلہ و معروضہ بالا سے تحریر جواب عنایت نامہ فیض شمامہ سے عاجز رہا چونکہ عاصی سے دائماً تقصیرات سرزد ہوتی ہیں اور خادمان گرامی نے ہمیشہ عفو تقصیرات فرمایا ہے۔ لہذا امید قوی ہے کہ بطور قدیم تقصیر معاف فرمائی جائے۔ والتسلیم برخورداران و نورچشمیان کو دعا اور سب صاحبان کو سلام عاجز امین الدین احمد از کنھتوا پرگنہ کڑہ ضلع الہ آباد معروضہ ۸ رجب ۱۳۰۰ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۳) حکیم صاحب کے مکان پر گھر والوں کی طرح بے تکلف رہا کئے۔ درحقیقت یہ حضرات نہایت خلیق متواضع اور پابند مذہب تھے۔ صد حیف کہ وہ تمام جماعت یکے بعد دیگرے خاک میں مل گئی اب بجز نام و اوصاف کے نہ ان کی نورانی صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں اور نہ وہ پر لطف و محبت آمیز باتیں سننے میں آتی ہیں ۱۲

راجہ چودہری خصلت حسین صاحب تعلقہ دار سندیلہ

جناب چودہری صاحب حکیم صاحب پر نہایت عنایت کرتے تھے اور بلا ضرورت علاج بھی اکثر از راہ محبت بلا لیا کرتے اکثر ان کے نوازش نامے حکیم صاحب کے نام آتے رہتے ہیں چودہری صاحب کے ایک خط کا جواب جو حکیم صاحب نے لکھا ہے اس کا مسودہ آج تک موجود ہے۔ لہذا اس کی نقل اظہار خصوصیت کے لئے حاشیہ پر درج کی جاتی ہے۔ حکیم صاحب کے نام کے خطوط تو اکثر لکھے گئے ہیں مگر حکیم صاحب نے جو خطوط دیگر حضرات کے نام جواباً تحریر فرمائے تھے ان میں سے بھی بعض کی نقل خالی از دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

چودہری خصلت حسین صاحب بڑے خوش مزاج و منتظم تھے۔ آپ چودہری حشمت علی صاحب

الف نقل خط حکیم صاحب بنام چودہری صاحب سندیلہ — مخدوم و مکرم مصدر عنایت و کرم جناب چودہری محمد خصلت حسین صاحب بہادر تعلقہ دار سندیلہ دامت عنایتہ۔ بعد تقدیم سلام مسنون بکمال اشتیاق و نیاز مقرون گزارش ہے۔ الحمد للہ والمنۃ کہ حال نیاز منزل تا تحریر ضراعت نامہ قرین خیریت ہے و نوید صحت و اعتدال مزاج والا حضرت مجیب الدعوات سے مطلوب۔ عنایت نامہ مکرمت شمامہ مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۰۸ء بتاریخ ۲۴ شہر شرف صدور لایا باعث شکر گزاری و یاد فرمائی کا ہوا۔ دل مشتاق ملازمت یہی چاہتا تھا کہ اسی وقت ریل میں روانہ خدمت فیض درجت ہو مگر کثرت و شدت امراض وبائیہ شاہ آباد اور اکثر اعزہ و احباب سد راہ و زنجیر پا ہوئی بعذر شرعی و عقلی سر دست روانگی سے قاصر رہا۔ انشاء اللہ العزیز کبھی بایام فرصت بوقت رونق افروزی جناب بسندیلہ شرف اندوز ملازمت ہونگا۔ حافظ حقیقی جناب کو بفضل و کرم خود مکروہات زمانہ سے محفوظ و مصئون رکھکر بمطالب دلی و مقاصد قلبی کامیاب و محفوظ رکھے۔ ۱۲

جیسے فیاض پاکباز نامور تعلقہ دار کے فرزند و جانشین ہیں اور اسی موروثی حق سے تعلقہ داران اودھ میں ایک ممتاز ذی وجاہت رئیس مانے جاتے۔ خوبی انتظام سے اپنی ریاست میں رونق پیدا کر دی اور ذاتی لیاقت سے حکام و ہم چشموں میں بڑی شہرت و عزت پائی تھی دربار قیصری دہلی میں شریک کئے گئے۔ چنانچہ مسٹر وہیلر نے بھی کتاب یادگار دربار قیصری میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ الحاق اودھ کے وقت آپ نے عمدہ خدمات انجام دیئے جس کے صلہ میں سرکار گورنمنٹ نے خطاب راجگی مرحمت فرمایا۔ انجمن تعلقہ داران اودھ کے آپ سکرٹری بھی رہے۔ آپ کی تصویر سے امارت و وجاہت ظاہر ہوتی ہے آپ ہی کے عہد میں گورنمنٹ نے کامل ثبوت کے بعد نہایت قدردانی و عزت افزائی سے آپ کے خاندانی خطاب چودہرایت کو دوامی تسلیم کرالیا اور سنداً ۴ر دسمبر ۱۸۷۷ء کو اس بارہ میں حکم بھی فرمادیا ہے۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیلہ نے کتاب بوستان اودھ میں آپ کی بابت بزبان فارسی مندرجہ ذیل عبارت تحریر کی ہے۔

"چودہری خصلت حسین صاحب بصفات حسنہ متصف و بمحامد و محاسن ممدوح در عقل و فراست پایہ برتر دارد و بہوشمندی و دانشمندی رقم یکتائی نگارد کارہائے ریاست خود را اصلاح و رونقے داد و ابواب جمعیت و فراغت بر روئے خود کشاد"

آپ کا تذکرہ اور تصویر تاریخ راجگان ہند میں بھی موجود ہے۔ افسوس کہ ۲۵ر جون ۱۸۸۲ء کو آپنے رحلت کی۔ راقم نے حیات نصرت میں آپ کی وفات کے متعلق یہ قطعہ تاریخی نظم کیا ہے

دریغا کہ خصلت ذی وجاہت چودہری صاحب ... ز دنیا سوئے جنت رفت از نظرم شدہ پنہاں
متفکر سال پرسیدم ز ہاتف بہر تاریخش ... ندا آمد گل خوشرنگ جنت صاحب ایماں

۱۲۹۹ھ

یہ قطعات تاریخ آپ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی چودہری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ کے تعلقات کی بنا پر راقم نے لکھے تھے۔ چودہری صاحب ممدوح کے صاحبزادہ محمد عظیم صاحب جو نہایت نیک نام پابند صوم وصلوۃ تھے وہ بھی حکیم صاحب کا بہت اعزاز کرتے تھے اور ان کے لئے مسند خالی کر دیتے تھے بارہا تقریبوں کے مواقع پر اور علاج کی ضرورت سے بلایا۔ چودہری صاحب کا علاج ہردوئی میں حکیم صاحب نے بڑی حذاقت سے کیا اور کشتہ زر نہایت مفید ثابت ہوا تھا۔ اور ان کے صاحبزادہ مولوی حسن جان صاحب کا علاج بھی قیصر باغ لکھنؤ میں حکیم صاحب نے بہت خوبی سے کیا تھا جس کا تذکرہ معالجات کے باب میں آچکا ہے۔ چودہری صاحب نے عہدہ افسر الاطبائی کی مبارک باد کا خط بھی کمال محبت سے حکیم صاحب کو لکھا تھا جس کا جواب حکیم صاحب نے اسی خاکسار سے لکھا کر بھجوا دیا تھا ضلع ہردوئی میں آپ ہی کا علاقہ دوسرے نمبر کا تھا اور اس ضلع کے مسلمان رؤسا میں آپ نمبر اول کے رئیس تھے انتقال کے وقت بانوے ہزار پانسو پچیس روپیہ کی مالگزاری سالانہ کا تعلقہ چھوڑا اور کئی لاکھ روپیہ سالانہ بچت آپ کی آمدنی تھی۔ صد حیف کہ جنوری ۱۹۰۷ء میں یکبیک راہی جنت ہوئے۔ کیونکہ دن میں شریک کمیٹی ہوئے اور اسی شب میں بمقام لکھنؤ دفعۃً آپ کا انتقال ہوگیا۔ جب نعش سندیلہ لائی گئی تو عجب کہرام تھا۔ آپ کے نواسہ چودہری رفعت علی صاحب کی فرمائش سے خاکسار نے کئی قطعات تاریخ لکھے من جملہ ان کے دو درج ہیں ؎

رحلت ہوئی جہاں سے محمد عظیم کی
تاریخ کی ہے فکر مظفر اگر تجھے

سب اس عظیم رنج سے اندوہگیں ہوئے
لکھ نیک رکن داخل خلد بریں ہوئے

۱۵۰۲ء

ایضاً

دار فنا سے جلد ہی ذی شان دفعتہً ۔۔۔ در بہ بلند بخشے خدائے کریم نے
پوچھا جو سال مرگ مظفر سروش سے ۔۔۔ بولا بہشت پائی محمد عظیم نے
۱۳۰۲ھ / ۱۹۰۲ء

حکیم صاحب اور ان کے بھائی میر اولاد علی صاحب کی ملاقات چودہری صاحب سے تھی چودہری صاحب ممدوح مشاہیر اودھ سے تھی آپ کے بلند پایہ اوصاف حیات نصرت میں راقم نے تحریر کئے ہیں حکیم صاحب اور چودہری نصرت علی صاحب سکرٹری انجمن تعلقہ داران اودھ سے بھی نہایت خصوصیت و اتحاد تھا۔

اعلان: چونکہ خطوط کی نقل سے طوالت کا اندیشہ ہے لہٰذا قابل الذکر احباب کے مراہم خصوصیات کو بیان کرکے اس بات کا ختم کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس نواح کے اکثر روسا و امرا سے حکیم صاحب کو نیاز حاصل اور وہ آپ کا نہایت اعزاز کرتے تھے۔

من جملہ اُن کے تعلقہ دار باسط نگر نواب دوست علی خاں صاحب رئیس اعظم شاہ آباد حکیم صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ نواب صاحب موصوف نے ۲۰ صفر ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۸۶۴ء کو انتقال کیا۔ آپ کی مہر کا یہ سجع

بطفیل احمدؐ ست دوست علی

دلکش تھا جس میں سنہ ۱۲۴۲ھ کندہ تھا۔

نواب صاحب ممدوح باوضع خاطر نواز اور نواب دلیر خاں بہادر بانی شاہ آباد کی یادگار تھے کیونکہ بانی وطن کے چھوٹے صاحبزادہ نواب دلدار خاں بہادر رئیس

چھوٹی ڈیوڑھی کی اولاد میں تھے۔ غربا شرفا کے ساتھ ہمدردی وسلوک کرنا آپ کا شعار تھا
اس ہی خاندان میں نواب احمد علی خاں بہادر اک سنہ زور اور سرکش تعلقہ دار گزرے ہیں۔
نواب حسین علی خاں ابن نواب دوست علی خاں بھی حکیم صاحب پر رئیسانہ عنایت کرتے
تھے آپ بھی اپنے اگلے نامور بزرگوں کے اوصاف سے متصف تھے۔ ۲۶ اگست ۱۸۷۱ء میں
نواب صاحب نے رحلت کی آپ کی صاحبزادی نواب لطیف النسا بیگم ولی عہد ریاست تھیں جو
شاہزادہ ثریا جاہ دہلی کو منسوب تھیں نواب لطیف النسا بیگم نے ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۶ء کو انتقال
کیا۔ ان کی موت سے ان کی نسل منقطع ہو گئی۔ ان کے بعد جب نواب امانت فاطمہ بیگم صاحبہ
زوجہ نواب حسین علی خاں صاحب تعلقہ دار ہوئیں تو ان کو حکیم صاحب کے علاج اور قول پر
اس قدر اعتماد تھا کہ جنت شاہ آباد میں کسی پر نہ تھا۔ اس کے ثبوت میں ان کے ایک رقعہ
کے چند فقروں کا نقل کر دینا کافی ہے۔ بیگم صاحب نے حکیم صاحب سے آیات قرآنی کی صحت اور
اس کے کچھ ترجمہ کو بھی پڑھا ہے۔

"جناب حکیم صاحب ہم نے صرف آپ کے لحاظ سے اُس وقت سے اس وقت تک
کچھ نہیں کہا۔ ہم نے آپ کو اپنا معتمد قرار دیا آپ جملہ اہل محلہ سے کہدیں کہ ہماری
حد میں ان کی زمین نہیں آئی۔"

یہ رقعہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ ہجری کو لکھا گیا ہے۔ ۲۷ نومبر ۱۹۰۳ء کو بیگم صاحبہ نے
بھی وفات پائی۔

لطف تو یہی ہے کہ انسان کی جیسی توقیر باہر کی جائے اسی طرح اپنے وطن میں بھی ہو اور
یہ عزت جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ انسان شریف الخاندان نیک اطوار اور صاحب کمال ہو
اگر آدمی میں لیاقت ہوئی اور نسب و شرافت میں کوئی نقص ہوا تو اس صورت میں اگرچہ اس کے
جوہر کی قدر کی جاتی ہے۔ مگر نسبی عیب کا خیال دلوں میں پوری وقعت نہیں پیدا ہونے دیتا فرض
کیجئے کہ شرافت و لیاقت دونوں موجود ہوئیں اور چال چلن میں نقص ہوا تو دونوں خوبیاں

کی قدر مٹ جاتی بلکہ اس خرابی کی وجہ سے دلوں میں حقارت و نفرت بیٹھ جاتی ہے مگر ہاں جب ذاتی صفاتی خوبیوں کے ساتھ کمال بھی موجود ہو تو اس کی پوری تعظیم و توقیر ہوتی ہے۔ چونکہ حکیم صاحب کی ذات میں یہ کل باتیں جمع تھیں لہذا ہر جگہ اور ہر طبقے میں ان کی قدر و منزلت کی جاتی۔

تعلقہ دار باسط نگر کے نائب شیخ سعید الدین صاحب کاکوروی جو معمر و سنجیدہ، عبادت گزار انسان تھے ان کو شاہ آباد میں جیسی حکیم صاحب سے مناسبت تھی اتنی کسی سے نہ تھی اکثر خطوط ان کے نام حکیم صاحب کی جانب سے راقم کے قلم سے گئے ہیں۔

شیخ صاحب موصوف کے دونوں لائق بھتیجے یعنی مولوی وہاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر اور خان بہادر منشی تاج الدین صاحب، جج بھی حکیم صاحب کا بے حد احترام کرتے راقم کا چشم دید واقعہ ہے کہ جب احمد حسین خاں صاحب رئیس سید تھنل مرحوم کے ترکہ پر ان کی لڑکیوں نے دعوائے عدالت میں دائر کیا اور منشی تاج الدین صاحب سب جج ہردوئی کے اجلاس میں مقدمہ پہنچا تو انھوں نے از راہ قومی ہمدردی خاں صاحب مرحوم کے فرزند حامد حسین خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ اور داماد خان بہادر حکیم خادم حسین خاں صاحب و حافظ یار خاں صاحب کو سمجھایا کہ یہ مقدمہ بازی ٹھیک نہیں زیر باری برباد کر دے گی حکیم سید فرزند علی صاحب شاہ آباد میں صلح کل انصاف پسند، متدین بزرگ موجود ہیں وہ شرعی فیصلہ کر دیں گے۔ چنانچہ وہ مقدمہ حکیم صاحب کے پاس بھیج دیا اور حکیم صاحب نے از روے فرائض ورثا پر متروکہ کی حصہ کشی کر کے فیصل نامہ عدالت میں داخل کر دیا۔ اسی طرح حاجی محمد حسین خاں صاحب رئیس اختیارپور کی لڑکی نے جب اپنی ماں کے دین مہر وغیرہ کا دعویٰ سب جج ہردوئی میں دائر کیا تو منشی تاج الدین صاحب نے وہ مقدمہ بھی حکیم صاحب کے پاس فیصل کرنے کو بھیجا۔ حکیم صاحب نے اس مقدمہ کو بھی فیصل کیا۔ اور جب فیصل نامہ داخل کرنے کی ضرورت سے ہردوئی تشریف لے گئے تو سب جج صاحب نے کمال خاطر سے اپنے ہی مکان پر ٹھہرایا۔ راقم آپ کے ساتھ تھا اور یہ دونوں فیصل نامے راقم

کی قلم کے لکھے ہوئے تھے۔

اسی طرح جب خواجہ محمد شاہ صاحب رئیس شاہ آباد کی لڑکیوں نے جو زوجہ اولی کے بطن سے تھیں اپنے حق کا دعوی خواجہ سید کاظم حسین صاحب کے مقابلہ میں دائر کیا ہی تو اس وقت بھی حکیم صاحب ہی نے فریقین میں مصالحت کرائی اور فیصل نامہ تحریر فرمایا۔

مولوی وہاج الدین صاحب بھی مثل اپنے بھائی کے حکیم صاحب کا لحاظ و پاس کرتے چنانچہ جب ان کے چچا شیخ صاحب دفعۃً بیمار ہوئے اور ڈپٹی وہاج الدین صاحب شاہ آباد تشریف لائے تو علی الصباح حکیم صاحب کو بلایا اور علاج رجوع کیا اور جب آپ کے ماموں نواب یار جنگ محمد اکرام اللہ خاں صاحب علیل ہوتے اس وقت بھی حکیم صاحب کو کاکوری بلایا گیا اور معالجہ کرایا گیا۔ چونکہ ڈپٹی صاحب صوفی منش تھے اس لئے تصوف کی باتوں کا لطف ان کی باتوں میں خوب حاصل ہوتا تھا۔ نواب اکرام اللہ خاں صاحب سے حکیم صاحب کی قدیمی ملاقات بھی بعد انتقال منشی امتیاز علی صاحب کے حکیم صاحب نے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کو نواب اکرام اللہ خاں کے بلانے اور وزارت عطا کرنے کے متعلق تحریری مشورہ دیا تھا اور نواب صاحب کی بیدار مغزی و قابلیت، تدین کے متعلق توجہ دلائی تھی۔ اور وہ تحریر راقم نے دیکھی تھی، مگر گورنمنٹ نے عبد الجبار خاں صاحب کو وزارت پر بھیجا اس لئے یہ تحریک ملتوی رہی۔

راجہ دیپ سنگھ صاحب تعلقہ دار سوائیج پور جو عالی خاندان اور تصوف پسند تعلقہ دار تھے حکیم صاحب سے کمال لطف رکھتے اور ان کے صاحبزادہ راجہ کرن سنگھ صاحب بھی ویسا ہی برتاؤ کرتے تھے۔ راقم کے روبرو ان کا عنایت نامہ آیا ہی۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی میر نجف علی صاحب جو صوفی باخدا تھے اُن سے اور راجہ دیپ سنگھ سے نہایت ربط و ضبط تھا۔ اور اکثر آمد و رفت رہتی۔ میر صاحب راجہ صاحب ہی کے پاس سے کتاب کتاب سر اکبر مصنفہ شاہزادہ دارا شکوہ شاہ آباد میں لائے تھے جس کی نقل والد مرحوم مولوی منصب علی خاں صاحب نے کر لی تھی۔

راجہ مشرف علی خاں صاحب تعلقہ دار محمدی بھی حکیم صاحب کے قدردان تھے اور حکیم صاحب کو محمدی میں بلوایا کرتے۔ ایک بار بسلسلۂ علاج انھوں نے بلایا تھا اور ماہ مبارک رمضان آ گیا۔ حکیم صاحب کا بیان ہے کہ وہاں میں نماز تراویح کے لئے مسجد گیا۔ جماعت میں شریک ہوا اور پیش امام نے جو مسجد میں ملازم تھے نماز پڑھانا شروع کی۔ جب وہ الحمد پڑھ چکے اور دیگر آیات کی قرأت کی نوبت آئی تو بجز من من کے کوئی آیت سمجھ میں نہ آتی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ نام کے حافظ ہیں اور قرآن مجید یاد نہیں ہے۔

راجہ صاحب محمدی خوبصورتی میں مشہور ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دربار قیصری دہلی میں منعقد ہوا اور وہاں اکثر تعلقہ داران اودھ موجود تھے تو ان میں راجہ صاحب ممدوح کا ایسا خوش رو رئیس نہ تھا۔ آپ کی تصویر راقم کے پاس موجود ہے۔ آپ کے فرزند راجہ اشفاق علی خاں صاحب کو علمی مذاق سے دلچسپی تھی وہ مولوی برکت اللہ صاحب رضا فرنگی محل کے شاگرد تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا دیوان موسومہ بہ گلدستۂ اشفاق اور ایک رسالہ موسومہ بہ تصویر عالم بھی خاکسار کو عنایت کیا تھا۔ جب ملاقات ہوتی راجہ اشفاق علی خاں احقر کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آتے بارہا عنایت نامے خاکسار کے نام تحریر فرمائے بلکہ اپنا کلام و تذکرہ بھی اس احقر کے توسط سے خمخانہ جاوید میں درج ہونے کی غرض سے لالہ سری رام صاحب رئیس دہلی مصنف تذکرۃ الشعرا کو بھجوایا تھا۔ کچھ اپنے آبائی اجدائی حالات بھی راجہ صاحب نے اس کتاب میں درج ہونے کی ضرورت سے ارسال کئے تھے جو منشی الطاف علی صاحب رئیس محمدی کے ذریعہ سے آئے تھے اور وہ راجہ صاحب کے عزیز قریب اور تحصیل شاہ آباد میں قرق امین و پیشکار تقاوی تھے انھوں نے قرضہ کی وجہ سے ملازمت کر لی تھی۔ مگر منشی صاحب موصوف دفعتہً نمونیا کے مرض میں مبتلا ہو کر ۱۳ شعبان ۱۳۳۸ ہجری کو انتقال کر گئے اور وہ کاغذات انھیں کے پاس رہ گئے۔ منشی صاحب ملنسار اور رئیسانہ خو بو کے انسان تھے ان کی جواں مرگی پر عام و خاص کو افسوس ہوا ان کی خصوصیت کی وجہ سے قطعہ تاریخ جو

لکھا گیا تھا اس کا مصرعِ تاریخ یہ ہے ؎

بے توقف گئے الطاف علی جنت کو

۱۳۳۹ھ

یہ امر بھی حسرت سے خالی نہیں کہ ماہ جون ۱۹۱۵ء کو ذیابیطس کے مرض میں راجہ اشفاق علی خاں صاحب جواں مرگ چل بسے بسلسلہ تعزیت و اظہار افسوس قطعات تاریخ لکھکر اُن کی رانی نواب سرفراز النسا بیگم کو جو رئیسہ محمدی اور راجہ جنگ بہادر صاحب تعلقہ دار نان پارہ کی صاحبزادی تھیں بھیجے تھے من جملہ ان کے ایک قطعہ کی نقل بطور یادگار تحریر کی جاتی ہے

خوش اخلاق و دیندار ذی ہوش و قابل — عجب کانِ خوبی تھے اشفاق علی خاں

وہ ذی علم تھے اور نثار و ناظم — سخن سنجیوں میں بھی مشہورِ دوراں

سدھارے جوانی میں ملکِ عدم کو — ہوا اُن سے آباد گلزار رضواں

کرے مغفرت ان کی غفارِ عالم — رہے روح جنت میں مسرور و شاداں

مظفر جو تاریخ ہاتف سے پوچھی

کہا جنتی راجہ اشفاق علی خاں

۱۹۱۵ء

راجہ صاحب مرحوم کے فرزند راجہ سعادت علی خاں صاحب بہادر حال میں علاقہ محمدی اور ریاست نان پارہ کے تعلقہ دار و رئیس اعظم ہوتے ہیں ان کو میں نے راجہ صاحب مرحوم کے پاس لڑکپن میں دیکھا تھا۔ میری کتاب حیات مسیح کے متعلق جو باتیں پوچھیں اُن سے نہایت ذہانت کا پتہ چلتا تھا۔ جواباً راجہ صاحب نان پارہ کا ایک عنایت نامہ بھی راقم کے نام آیا ہے جس کے فقرات سے آبائی اور پرانے مراسم کا لحاظ پایا جاتا ہے ملک اودھ کے بڑے روسا میں بفضلہ آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ آج کل یہ لندن یورپ کو تشریف لے گئے ہیں۔

مہاراج سنگھ صاحب تعلقہ دار ہتورہ سے بھی حکیم صاحب کے مراسم تھے عنایت نامجات

سے حکیم صاحب کو یاد و شاد کرتے۔ ہتورہ بھی بلایا تھا بلکہ انھیں کے مکان سے ۱۵ ارشوال ۱۳۱۱ ہجری کو ایک خط حکیم صاحب نے نواب سلطان دولہا بہادر کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ایک بار دربارہ قلمہا انبہ تعلقہ دار صاحب نے محبت نامہ بڑی خصوصیت سے لکھا تھا جس کا جواب حکیم صاحب نے خاکساری ہی سے لکھا یا تھا۔ کئی سال ہوئے مہراج سنگہ صاحب بھی عالم جوانی میں انتقال کر گئے۔

مرزا محمد علی بیگ صاحب تعلقہ دار اورنگ آباد بھی حکیم صاحب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ حکیم صاحب ان کے دولت خانہ پر تشریف بھی لے گئے تھے اور جب مرزا صاحب شاہ آباد تشریف لائے تو حکیم صاحب بڑے تپاک سے ملے راقم کو وہ گفتگو اچھی طرح یاد ہے۔ بعض ابنہ کے متعلق حکیم صاحب کی رائے اور ریاست بھوپال کے واقعات دیر تک دریافت کرتے رہے۔ مرزا صاحب فیاض و عالی ہمت رئیس تھے اپنی اوالعزمی بلند حوصلگی سے لاکھوں روپیہ ناموری و شان و شوکت میں خرچ کئے۔ ان کے یہاں دوبار اس احقر کے جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ واقعی خاطر نواز دریا دل رئیس تھے۔ میرزا صاحب کے عزیز و بہنوئی منگل خاں صاحب تعلقہ دار شیرپور بھی حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لائے اور راجہ عبدالہادی خاں صاحب نے بھوپال تک مراسلت کا سلسلہ جاری رکھا۔

رئیسہ کوروائی حکیم صاحب کا بزرگانہ لحاظ کرتیں۔ انھوں نے اپنے بھائی احد شاہ خاں صاحب کو حکیم صاحب کے پاس شاہ آباد بھیجا تھا کہ میری اکلوتی لڑکی کے عقد کے لئے کوئی شریف النجان نوجوان تعلیم یافتہ لڑکا تلاش کر دیجئے حکیم صاحب نے احمد یار خاں صاحب کے فرزند احمد اللہ خاں کو تجویز کیا تھا اور ادائے مراسم کے لئے کوروائی بھیجا تھا ان کو وہاں پانسو روپیہ بھی چڑھاوے میں دیئے گئے تھے مگر افسوس کہ رخصت کی نوبت نہیں پہنچی ادھر علاقہ کورٹ سے چھوٹنے کا انتظار تھا ادھر احمد اللہ خاں کا انتقال ہو گیا اور وہ بیچارے یہ جاں کاہ حسرت گور میں لے گئے۔ جب ۱۳۱۹ ہجری میں حکیم صاحب بھوپال تشریف لے گئے تو رئیسہ ممدوحہ نے جو نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی عزیز تھیں اپنے بھائی احمد شاہ خاں کے ہاتھ ایک عمدہ بٹوہ

تحفۃً بھیجکر خیریت مزاجی دریافت کی تھی۔ راقم کے روبرو یہ ماجرا گزرا ہے۔

حضرات شاہجہان پوری سے بوجہ قرب و کثرت آمد رفت حکیم صاحب سے گہرے مراسم تھے چنانچہ محمد قاسم حسن خاں صاحب رئیس حافظ خیل کے اتحاد کی وجہ سے ان کے مکان واقعہ لال کوٹھی میں حکیم صاحب نے ادویہ کی دوکان اپنے عزیز سید سرفراز علی صاحب سے کھلوا دی تھی اور بارہا آنا جانا رہا کرتا تھا۔ خاں صاحب موصوف کے عزیز حاجی محمد ابرار حسن خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر کے دوستانہ تعلقات اس سے پیشتر معرض تحریر میں آچکے ہیں۔ حاجی صاحب حکیم صاحب کے مکان پر بھی تشریف لائے ہیں۔ خاں صاحب ممدوح کے فرزند محمد اسرار حسن خاں صاحب نصیر المہام کا ارتباط بھی اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مولوی سید محمد امین صاحب ڈپٹی کلکٹر جو بھوپال میں نائب وزیر بھی رہے تھے حکیم صاحب کے ساتھ نہایت لطف رکھتے تھے۔ شاہ آباد بھی تشریف لاتے اور حکیم صاحب کو شاہجہان پور بلوا کر اپنے مکان پر مہمان رکھتے۔ کلکتہ میں حکیم صاحب نے انھیں دلکشا مکانات اور واجد علی شاہ کے عجائب خانہ کی سیر کرائی تھی۔ مولوی صاحب ممدوح کے بعض دلچسپ مذاق حکیم صاحب بیان کرتے تھے مگر بخوف طوالت قلم انداز کئے گئے۔

مولوی مسیح الزماں خاں صاحب استاد حضور نظام جو نہایت مہذب بنیاد نامور تھے اُن سے اور حکیم صاحب سے قدیمی ربط و ضبط تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہ ہر دو بزرگ یعنی مولوی صاحب اور حکیم صاحب اپنے اپنے اوصاف میں فخر روزگار گزرے دونوں صاحبوں میں علم اور شاہی صحبت کا اثر پایا جاتا تھا۔ فی زماننا ان صفات و اخلاق کے انسان عنقا صفت ہو گئے ہیں۔ دربار قیصری میں جو واقعہ ہز ہائنس حضور نظام اور بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال کا دربارۂ ملاقات گزر چکا ہے اس میں ان دونوں حضرات

کی موجودگی پیشتر تحریر ہوچکی ہے۔ اس زمانہ میں مولوی صاحب حیدرآباد میں اعلیٰ حضرت حضور نظام کے استاد اور حکیم صاحب موصوف ریاست بھوپال میں افسر الاطبا تھے۔ اس واقعہ کو راقم نے حیات مسیح یعنی سوانح عمری مولوی صاحب میں بھی تحریر کیا ہے اور خود اس کتاب میں پیشتر بسلسلہ سفر صراحت ہوچکی ہے اسی زمانہ سے حکیم صاحب اور مولوی صاحب کے روابط کا پتہ چلتا ہے۔

جامع مسجد شاہجہاں پور میں حکیم صاحب ہی نے اس احقر کو مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں نیاز حاصل کرانے کا موقع دیا تھا۔

منشی شیخ رفعت علی صاحب حکیم صاحب کا نہایت احترام کرتے حکیم صاحب کے مکان پر خود آتے اور حکیم صاحب کو اپنے یہاں بلواتے ان کی تقریریں اکثر طولانی ہوا کرتی تھیں اصل میں وہ بڑے طباع اور مقرر زبان آور تھے۔ مخاطبت میں کہا کرتے حکیم صاحب آپ کا تشرع و تورع اجازت دے تو عرض کروں کیوں کہ آپ کی وضع میں مجھے صحابہ کے سے جلوے نظر آتے ہیں آپ نے عہد شاہی کے نامی گرامی فاضلوں کی صحبت اٹھائی بڑے بڑے علمی معرکے دیکھے۔ دہلی، لکھنؤ کے اہل کمال نظر سے گزرے۔ آپ کے روبرو منہ کھولتے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ بارہا حکیم صاحب نے انھیں عربی اعراب اور اشعار کی تقطیع پر توجہ دلائی اور انھوں نے از راہ انصاف پسندی اس کا اعتراف کیا منشی صاحب نے چند سال تحصیلداری بھی لیاقت سے کی اور پھر مستعفی ہو گئے۔ آپ کے والد شیخ امیر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر کو غدر ۱۸۵۷ء کے صلہ میں کچھ دیہات وغیرہ خیر خواہی میں سرکار سے ملے تھے۔ منشی صاحب کو علم دوست ہونے سے اچھی کتابوں سے بہت شوق تھا۔ چنانچہ بہت سی نایاب روزگار قلمی کتابیں آپ نے جمع کی تھیں دہلی، بریلی، لکھنؤ وغیرہ سے فراہم کیں چند والا جاہی نسخے بھی قابل دید تھے راقم کی نظر سے قرآن مجید، مثنوی معنوی، شاہنامہ فردوسی، دواوین فارسی جو کتابیں گزریں وہ ہر ایک مطلا مذہب خوشخط شاہی کتب خانوں کے جواہر تھے۔ افسوس کہ ان کے انتقال کے بعد اکثر کتابیں ورثا میں تقسیم

ہوکر ضائع ہوگئیں۔

منشی صاحب خوش خط و انشا پرداز بھی تھے راقم کو بارہا نوازش نامے والد مرحوم کی دوستی کی وجہ سے انھوں نے تحریر فرمائے۔

خان بہادر مولوی محمد مطیع اللہ خاں صاحب حکیم صاحب کے اوصاف کے مداح ہیں اور ان کو پرہیزگار دیندار لائق بزرگ جانتے ہیں اکثر اوقات راقم سے حکیم صاحب کے صفات کا تذکرہ آیا۔ خان بہادر موصوف حکیم صاحب کے ہم مکتب دوست مولوی ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوری کے شاگرد رشید ہیں۔ عربی فارسی کے فارغ التحصیل اور فطرتاً حافظہ بہت قوی پایا ہے۔ اپنی قابلیت سے یکبارگی ڈپٹی کلکٹر ہوئے اور اول درجہ تک پہنچے۔ کارگزاری سے حکام میں نیک نامی حاصل کی۔ اپنے وطن شاہجہان پور کی تاریخ بڑی تحقیق و تنقید سے لکھی۔ حکیم صاحب کے مکان پر بھی آئے اور حکیم صاحب کو اپنے یہاں بھی بلایا۔

حکیم صاحب سے اکثر عمائد شاہجہاں پور سے مراسم ہیں جن میں سے **مولوی عبدالغفور صاحب نقشبندی** ساکن محلہ تہیائی مسجد خوبیوں کے بزرگ تھے حکیم صاحب کا بیان ہے کہ وہ اپنے باخدا نانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب خلیفہ شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے ہمراہ شاہ آباد تشریف لاتے وہ زمانہ ان کے لڑکپن کا تھا۔ مجھے اسی زمانہ سے ان کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ آپ ہی کے خلف الرشید حکیم مولوی عبدالقادر خاں صاحب ہیں جو آج کل حکیم صاحب کی جگہ پر افسر الاطبائی پر ممتاز اور فی نفسہ سنجیدہ خلیق متحمل ذی علم دیندار ہیں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں دہلوی سے علم طب حاصل کیا۔ مکہ معظمہ میں دو سال رہے اور دو حج بھی کئے

حاجی ڈپٹی محمد عثمان خاں صاحب سے بھی دوستانہ خصوصیت تھی ڈپٹی صاحب کا مبتلا یا ہوا۔ بواسیر کے مرض کا ایک مفید نسخہ بھی حکیم صاحب کی بیاض پر لکھا ہوا تھا۔ ڈپٹی صاحب دانش مند منتظم خوش حال انسان تھے۔ آپ کے صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر سے راقم کو بھی نیاز حاصل ہے۔ حکیم صاحب بارہا۔ ان معزز اصحاب کے حالات و خصوصیت کو

بیان کیا کرتے اگر جملہ حضرات شاہجہاں پوری کے تعلقات تفصیل سے بیان کئے جائیں تو بہت طوالت ہوجائے گی لہذا صراحت سے ناچار سکوت اختیار کیا جاتا ہے۔

حکیم احسن اللہ خاں صاحب دہلوی ۔ ہنگامہ غدر کے نتیجہ میں جب سلطنت تیموریہ بالکل مٹ گئی تو حکیم صاحب موصوف دہلی سے ریاست بھوپال آئے اور پانسو روپیہ ماہوار کے ملازم ہوئے اور حکیم صاحب سے اُن سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ریاست میں بڑی قابلیت سے کام کیا۔ بعض صیغوں میں بہت باقاعدہ اصول قائم کئے مگر اپنی نازک مزاجی کے باعث نہ رہ سکے چنانچہ مستعفی ہوکر چلے گئے اور یہ زمانہ ۱۲۸۰ ہجری کا تھا۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب نے واپس جاکر دہلی سے بھوپال کو ایک خط لکھا جس میں ان کے چند شعر بھی تھے ان میں کا ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے

خار و گل کوئی نہ مانع ہوا آنے سے مجھے
بے نہایت نظر آیا یہ گلستاں مجھ کو

تاریخ دہلی مصنفہ مولوی بشیر احمد صاحب کی جلد دوم صفحہ ۲۰۰ میں تحریر ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب بڑے نامی گرامی اور پایہ کے آدمی تھے آپ کو اکبر شاہ ثانی نے طبیب شاہی مقرر کیا اور خطاب عمدۃ الملک حاذق الزماں کا دیا۔ بہادر شاہ ثانی کے عہد میں آپ کا مرتبہ اور رسوخ بڑھا اور آپ کو احترام الدولہ عمدۃ الحکما معتمد الملک حاذق الزماں ثابت جنگ کا اور خطاب ملا تھا۔ بہادر شاہی عہد میں آپ کا وہ رسوخ اور اعتماد تھا کہ کوئی کام بدون آپ کی صلاح و مشورت کے نہ ہوتا تھا۔ کتاب عجائب القصص جو انبیا علیہ السلام کے حالات میں ہے حکیم صاحب نے مولوی فخر الدین صاحب سے مرتب کرائی اور حمام بھی دہلی میں بنوایا۔ آثار الصنادید میں سر سید احمد خاں نے آپ کو دہلی کے اہل کمال میں لکھا ہے۔ ریاست قرولی میں بھی سات سو روپیہ ماہوار پاتے رہے۔ آپ کے والد ماجد حکیم محمد عزیز اللہ خاں صاحب بھی نامور طبیب تھے۔

حکیم اعظم خاں صاحب رام پوری مصنف اکسیر اعظم وغیرہ جن کا قیام ریاست اندور میں تھا۔ اُن سے حکیم صاحب کے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب بمبئی یا اندور میں حکیم صاحب اُن سے ملے تو حکیم صاحب نے اعظم خاں صاحب سے کہا کہ آپ کی قوت ماخذہ اور تحقیقات علمی تمام ملک نے تسلیم کی۔ آپ کو مخزن الادویہ کی طرف بھی توجہ چاہیئے۔ مصنف کتاب مذکور سے جو ہندوستانی ادویہ چھوٹ گئی ہیں آپ ذاتی تحقیقات اور نیز دیگر اطبا کے اقوال سے جمع کر کے ان سب مفردات کے خواص لکھئے۔ حکیم اعظم خاں صاحب نے اس کا وعدہ کیا۔ جب اس بات کو مدت گزر گئی اور حکیم صاحب سے ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو حکیم اعظم خاں صاحب نے فرمایا کہ آپ کی فرمائش تیار ہے۔ حکیم صاحب نے غور کیا۔ مگر اپنی وہ فرمائش یاد نہ آئی اعظم خاں صاحب نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے جس قسم کی کتاب کے بابت کہا تھا وہ میں نے لکھدی اور اس کا نام محیط اعظم رکھا ہے۔ اس کے بعد وہ مطبع نظامی کانپور میں چھپی اور مثل اکسیر اعظم کے وہ بھی حکیم صاحب کے یہاں آ گئی۔ ایک بار حکیم اعظم خاں صاحب کے داماد و نواسہ بھی بمقام بھوپال حکیم صاحب کے زیر علاج رہے اور ان کے اکثر نسخے راقم کی قلم سے تحریر ہوئے قرابادین اعظم بھی حکیم صاحب موصوف کی تصنیفات سے ہے۔ مفید کتابیں مرتب کر کے ملک کو فائدہ پہنچایا۔ اس عہد میں مغتنم روزگار گزرے ہیں۔

حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی حکیم صاحب کے بے تکلف دوست تھے۔ جب کوئی رسالہ تصنیف کرتے تو حکیم صاحب کو ضرور بھیجتے۔ چنانچہ عجالہ نافع تالیف کر کے اُنھوں نے جس وقت بھیجا تو اُس کی پیشانی پر حکیم صاحب کا نام نامی لکھکر ان کی خدمت میں ارسال کیا اور از جانب نیازمند قدیم حکیم اصغر حسین اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ فی الواقع وہ بھی قابل اور محقق بزرگ تھے۔ اخگر تخلص کرتے اور مولوی عبداللہ خاں علوی سے شعر و سخن میں اصلاح لیتے۔ درسیات میں مولوی سراج الدین صاحب اور مولوی مردان علی صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کے والد کا نام منشی غلام غوث تھا

جناب موصوف ریاست بھوپال میں تین سو روپیہ پا ہوار پر محکمہ اپیل کے صدر افسر رہے تھے۔ علاج کا طریقہ حکیم شفاء الدولہ کے مثل اختیار کیا تھا۔ ڈاکٹری اور یونانی دونوں طریقے ملاکر علاج کرنا چاہتے تھے اور ڈاکٹری کے سریع التاثیر سفوں کو یونانی ادویہ کے ساتھ استعمال کراتے۔ انھوں نے بھی ایک آدھ کتاب حکیم صاحب کی فرمائش سے تصنیف کی جس کا ضمناً تذکرہ مولوی محمد شاہ صاحب نے اپنے خط میں کیا ہے۔

حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب دہلوی بھی حکیم صاحب سے نہایت اخلاق سے پیش آتے۔ حکیم صاحب اُن کے والد حکیم محمود خاں صاحب کے ملنے والے تھے۔ ایک بار حاذق الملک بھوپال آتے ہوئے تھے۔ خدا بخش ملازم دفتر انشا ایک قسم کی مہمل تحریر بامعنی الفاظ کی صورت میں لکھتا جن سے کوئی عبارت پڑھی نہ جاسکتی وہ ایک تحریر خط کی صورت میں حکیم صاحب کے پاس لایا اور حکیم صاحب نے مذاقاً وہ خط حاذق الملک کو دیا کہ اس کو پڑھئے وہ بہت غور کرتے رہے۔ جب دیر ہوگئی تو حکیم صاحب ہنس دئیے اُس وقت حاذق الملک سمجھے کہ کوئی تفریحی مشغلہ ہے۔ حاذق الملک کا اپنے خاندان میں علمی پایہ بہت بلند تھا اکثر اطبا ان کے شاگرد ہیں۔ دو بار کشتے جناب ممدوح نے اس خاکسار کو بھی عنایت کئے تھے۔ ۱۳۱۹ھ میں جناب ممدوح نے رحلت فرمائی۔ ملک میں یہ خبر بھی مشہور ہوئی کہ معجون فلک سیر کے استعمال نے مضرت پہنچائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حکیم محمد شریف خاں طبیب شاہی آپ کے پردادا اور حکیم محمد صادق علی خاں اُن کے جد امجد تھے۔

آغا کمال الدین سنجر حکیم صاحب کے محب و مداحوں میں تھے۔ اسی قدیمی ملاقات کی وجہ سے وہ شاہ آباد بھی حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔

منشی جمال الدین خاں بہادر مدار المہام ریاست بھوپال سے حکیم صاحب سے نہایت اتحاد تھا۔ ان کا ایک عنایت نامہ بھی جو حکیم صاحب کے نام ہے راقم نے دیکھا ہے جس سے بے تکلفی اور محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ حکیم صاحب ان کی وضعداری و دینداری کی

تعریف فرماتے اور کہا کرتے کہ یہ نواح دہلی کے باشندے بھوپال میں بتدریج ترقی کرکے وزارت کے درجہ کو پہنچے۔ شریف پرور ہنر پسند اور سفارش کرنے اور نوکر رکھانے سے کمال دلچسپی تھی۔ ان کی دینداری اور قدردانی کے واقعات بھوپال میں اکثر سُنے گئے۔ متعدد مسجدیں بھوپال میں بنوائیں۔ وہابی کو بے ادب حق گو کہا کرتے۔ حکیم صاحب سے بعض امور میں مشورہ کرتے اور اکثر اپنا کلام بھی سُناتے۔ حج بھی کیا تھا۔ بھوپال کے سپاہی نسل لوگوں کو امور مذہبی کی تعلیم و پابندی کی طرف انھوں نے رغبت دلائی۔ متقی ہونے کے ساتھ مدبر بھی تھے جس زمانہ میں ریل گاڑی وغیرہ نہ تھی از راہ جفاکشی ۹ بجے شب کے سانڈنی پر سوار ہوکر بھوپال سے اندور جاتے اور آٹھ گھنٹے میں رات ہی کو وہاں پہنچ جاتے اور دوپہر تک ریزیڈنٹ صاحب سے مل کر پھر ۱۲ بجے دن کے سوار ہوکر ۹ بجے شب کو بھوپال میں آجاتے یہ آمد و رفت اکثر اوقات ملکی ضرورتوں میں رہا کرتی۔ ریاست کے خیر خواہ تھے قدسیہ بیگم کے عہد میں ملازم ہوکر نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ وسط حکومت تک وزارت پر سرفراز رہے اور بہت سے انقلاب دیکھے۔ آپ کی تصویر راقم نے بھوپال میں بشیر محمد سلیمان ابن بخشی محمد یعقوب صاحب کے پاس دیکھی تھی جس سے ایک متشکل اور پرانی وضع کے بزرگ کی صورت نظر کے سامنے ہوجاتی ہے۔ اب ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے تزک سلطانی میں بھی شائع فرمائی ہے۔ مدارالمہام صاحب کا اپنے کلام میں حکیم صاحب سے مشورہ لینا حکیم صاحب کی موزون طبعی میں بیان ہوچکا ہے۔

آپ ہی نے دہلی کی ایک بڑی فاضلہ عورت کی درخواست حکیم صاحب کے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی خدمت میں نہیں پیش کرنے دی تھی۔ جس کی قابلیت کا قصہ نہایت دلچسپ ہے۔ مختصر یہ کہ جس زمانہ میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کلکتہ تشریف لے گئیں تو بادشاہ بیگم نام ایک عورت نے جو ایسی ہمہ داں ہنر مند نشیہ ہفت قلم تھی کہ ایسی لیاقت کی نظیر مردوں میں بھی ملنا مشکل ہے اپنی درخواست مع ایک تحفہ کاغذ کے جس پر عربی فارسی انگریزی و ترکی زبانوں میں عبارت و

قطعات بخط نستعلیق و شکستہ و نسخ لکھے تھے بیگم صاحبہ کی خدمت میں روانہ کی۔ ایسی درخواستیں بجز حکیم صاحب کے اور کون پیش کرنے والا تھا۔ آپ نے اس درخواست کو پیشی میں بھیجا تو مدار المہام صاحب موصوف نے اس خیال سے اس کو روک رکھا کہ سرکار عالیہ جب اس کی لیاقت و ہمہ دانی کو دیکھیں گی تو اسی کو اپنا نائب مقرر کرلیں گی۔ اس عرضی کی نقل؎ اس خیال سے

؎ بعز عرض پرستاران ثریا مکان عالی جناب فیض مآب جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ عالیہ ریاست بھوپال ادام اللہ اقبالہا میرساند۔ فدویہ بضرورت ایک مقدمہ اپنے کے چند زمانہ سے وارد شہر کلکتہ ہے۔ وطن میرا شہر او جڑ دہلی ہے۔ جناب نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ میرے بزرگوں اور خاندان سے بخوبی واقف تھیں۔ فدویہ کو علم فارسی و انگریزی اور تحریر فارسی اور اردو انگریزی اور فن شعر میں علاوہ اور صناعات کے جو عورات شہروں کی جانتی ہیں مہارت تام ہے۔ حافظ محمد امیر پنجہ کش خوشنویس ساکن دہلی سے خوشنویسی بھی حاصل کی اور حضرت بہادر شاہ سے خطاب نادر رقم کا بھی عنایت ہوا اور تحریر مقدمات بھی مثل منشیوں کے کرسکتی ہے۔ اور علاج امراض بھی خصوصاً معالجہ عورات میں مداخلت کلی ہے چنانچہ اکثر زن و بیاہ کلکتہ کا بالفعل علاج کرتی ہوں۔ اکثر محلات شاہ اودھ اور محلات نواب مرشد آباد نے فدویہ کو باشتیاق تمام طلب کیا مگر بوجہ تخالف مذہبی فدویہ نہ گئی۔ چونکہ اوصاف قدردانی اور کمالات حضور کے سن کر مدت سے مشتاق ملازمت تھی اور ہم جنسی و ہم مذہبی موجب ازدیاد اشتیاق ہوئی جیسے کہ خبر تشریف آوری حضور کی کلکتہ میں سنی ہے مثل ماہی بے آب کے تپاں ہوں۔ مگر بباعث نہ میسر آنے کسی شخص کے جو واسطہ ملاقات ہوسکے حضوری سے اب تک محروم رہی اب جناب حافظ منصور احمد صاحب کو تکلیف دے کر عرضی ہذا لکھکر مع چند قطعات مشقی اپنے ارسال خدمت فیض درجت کرتی ہوں۔ امیدوار ہوں کہ اجازت حضور سے خدمت کی رات کو ملے تا کہ حاضر ہو کر زیارت حضور سے مشرف ہوں اور حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجکو محتاج نہیں کیا۔ غرض میری فقط ملاقات ہی کچھ سوال درخواست نوکری اپنی طرف سے نہیں و احب تھا عرض کیا۔ عرضی فدویہ بادشاہ بیگم ساکنہ شہر او جڑ دہلی۔ در حیولا مقیم کلکتہ محلہ مہدی باغ کوچہ مولوی سبحان نمبر ۷۔ معروضہ ۱۰ شوال سنہ ۱۲۸۶ ہجری

کہ خدا نے عورتیں بھی ایسی قابل پیدا کی ہیں کہ جو کمالات اور جوہر ہیں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ حاشیہ پر درج کردی۔ اس عورت کے مشقی قطعات بھی راقم نے دیکھے درحقیقت اعلیٰ درجہ کے خوش خط ہیں اور پھر عربی نستعلیق شکستہ ہر خط نہایت باقاعدہ اور عمدہ ہے۔ افسوس کہ مدارالمہام صاحب موصوف نے ۲۷ محرم ۱۲۹۹ھ ہجری میں سفر آخرت کا اختیار کیا۔ مولوی عبدالرحمٰن خاں شاکر کان پوری نے اپنے اخبار نورالانوار میں مادہ تاریخ رحلت سرآہ سے ؎

مقامش بفردوس جنت بود

۱۲۹۹ھ

طبع کیا تھا

مولوی محمد علی صاحب کانپوری بانی و ناظم ندوۃ العلما۔ حکیم صاحب کے پیر بھائی اور دوست ہیں کیونکہ مولوی صاحب موصوف مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے خلیفہ اور حکیم صاحب بھی مولانا صاحب ممدوح کے مرید تھے۔ مولوی صاحب جب ۱۳۱۹ھ ہجری میں حج سے واپس ہوئے اور بمبئی سے وطن کی طرف قصد کیا تو اثنائے راہ سے بھوپال آنے کے متعلق حکیم صاحب کے نام تار دیا۔ اسٹیشن بھوپال پر بہت سے لوگ خیر مقدم کو موجود تھے۔ جن میں خود حکیم صاحب بھی تھے۔ جب ریل گاڑی آئی اور مولوی صاحب اُترے تو مولوی نورالحسن خاں صاحب ابن نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنے یہاں قیام کرنے کی بابت اصرار کیا۔ مولوی صاحب ممدوح نے جواب دیا کہ حکیم صاحب کے ہوتے ہوئے میں کسی دوسرے شخص کے یہاں نہیں ٹھہر سکتا چنانچہ مولوی محمد علی صاحب حکیم صاحب ہی کے مکان پر آکر مقیم ہوئے۔ اکثر معززین بھوپال مولوی صاحب سے ملنے کو آئے اور مولوی نورالحسن خاں صاحب عرف نور میاں بھی ملاقات کے لئے وہیں تشریف لائے تھے۔

مولوی عبدالعزیز صاحب نے نماسٹ علی گڑھ میں ۱۳۲۴ھ کو ایک تعلقہ دار کے یہاں راقم سے ملاقات ہوئی تو بہ سبیل تذکرہ کہنے لگے کہ میں شاہ آباد میں بھی جا کے حکیم صاحب

ملا اور بھوپال جانے کا مجھے اتفاق ہوا ہے۔ حکیم سید فرزند علی صاحب کا سا عمیم الاخلاق جو ہر ایک کی سفارش کو موجود ہو کم دیکھنے میں آیا۔ حالانکہ میں پنجاب سے بنگال تک پھرا ہوں شاہ آباد میں حکیم صاحب کے ایک دوست محمد امین خاں صاحب سے ملاقات ہوئی جو بڑے قدر و قامت کے با مذاق رئیس تھے۔ یہ مولوی صاحب اپنی سکونت دہلی میں اور میرٹھ کو اپنا اصلی وطن بتلاتے تھے۔ مگر نہایت صحبت یافتہ وجیہ اور وسیع معلومات کے بزرگ تھے۔ اسی طرح کے بیسیوں اشخاص سے ملاقات ہوئی جنھوں نے حکیم صاحب کے حسن اخلاق اور سلوک کے واقعات کو توصیف کے ساتھ بیان کیا۔

مولانا اشرف علی صاحب ۔ ساکن تھانہ بھون خلیفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بھی حکیم صاحب کی ملاقات و خط و کتابت تھی۔ چنانچہ مولوی گل محمد صاحب امام جامع مسجد شاہ آباد نے دہلی جا کر ایک حسین عیسائن کو دیکھا اور اس کے ملنے کے لئے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور لوگوں کو فہمائش پر یہ جواب دیا کہ مذہب اسلام میں تکلیفات شرعیہ بہت ہیں اور دین عیسوی میں آزادی حاصل ہے۔ اس لئے میں منحرف ہو گیا۔ اس کے بعد امامت مسجد کی خالی تھی حکیم صاحب نے راقم سے لکھا کر مولانا ممدوح کو خط بھیجا اور انھوں نے حکیم صاحب کو اس کا جواب تحریر کیا کہ عنقریب کوئی دیندار عالم حسب الطلب آپ کی خدمت میں بھیجوں گا جس میں فضیلت علمی کے علاوہ طب جاننے کا دخل بھی ہو گا۔ راقم نے خود وہ خط محبت آمیز فقرات کا پڑھا تھا۔

مولوی ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوری حکیم صاحب کے ہم مکتب دوست تھے۔ دہلی میں بزمانہ طالب علمی حکیم صاحب اور مولوی صاحب دار الشفا میں ایک جگہ ٹھہرے تھے تمام عمر لطف و محبت کا سلسلہ قائم رہا۔

نواب خلد آشیاں بھی مولوی صاحب کے تقدس اور فضیلت علمی کا نہایت احترام کرتے

---

۵۱ نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور کی وہ جامع الصفات ذات تھی کہ فی زمانہ اس کی (بقیہ بر صفحہ ۲۳۵)

علم وفضل کے علاوہ مولوی صاحب بالطبع نہایت ذہین ذی عقل واقع ہوئے تھے۔ ان کی بزرگی و خوش بیانی کی شہرت اور تورع و خدا پرستی کی تعریف محتاج بیان نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۴) نظیر فرمانرواؤں میں ملنا مشکل ہے۔ قدرت نے عالی دماغی کے ساتھ علمی قابلیت اور رئیسانہ خوبیاں عنایت کی تھیں تصنیفات دیکھکر آپ کی خداداد لیاقت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور واقعات دریافت ہوکر آپ کے بلند پایہ اوصاف سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ نواب صاحب کی شاہانہ قدردانی و جوہر شناسی سے دہلی اور لکھنؤ کے اہل کمال رامپور میں مجتمع ہوگئے اور آپکے یہاں بھی مثل دربار اکبری نورتن جمع تھے چنانچہ میرزا غالب، اسیر، امیر، منیر، داغ، جلال، شاغل، عروج، زکی، قلق، حیا، بشیر، بدر، شناداں، غمیں، غنی، رسا، منصور، جان صاحب، نثار شیرازی، حکیم ابراہیم صاحب لکھنوی شمس العلما مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی، حافظ علی حسین صاحب قاری وغیرہ نامی گرامی ہر فن کے صاحبان کمال موجود تھے۔ نواب صاحب ممدوح ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ ہجری روز یکشنبہ کو پیدا ہوئے۔ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی، مولوی غیاث الدین صاحب مصنف غیاث اللغات، ملا محمد نواب صاحب و دیگر اساتذہ سے تحصیل علم فرماکر نثر و نظم میں کمال پیدا کیا۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا۔ چنانچہ ترانۂ غم، قندیل حرم، شکوہ خسروی، بلبل نغمہ سنج، نشید خسروانی، دستنبوے خاقانی، درۃ الانتخاب توقیع سخن، تاج فرخی آپ کی قابل دید یادگاریں ہیں۔ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ ہجری کو تیس سال گیارہ ماہ ۴ یوم کی عمر میں اپنے والد نامدار نواب محمد یوسف علی خاں بہادر ناظم کے انتقال کے بعد مسند نشین ریاست ہوئے جس کا رقبہ ۹۴۵ میل مربع ہے۔ قصاص قتل، انفصال مقدمات مالی و فوجداری غرض کل اقتدارات حاصل تھے آپ نے محصول غلہ معاف فرمایا۔ زکوٰۃ مال مقرر کی۔ ۱۲۸۹ھ ہجری میں حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں خانہ کعبہ پر نقرئی زینہ چڑھایا۔ دس بارہ لاکھ روپیہ خرچ کئے۔ اور اہل عرب سے وہ سلوک کئے کہ سلطان ہندی سے مخاطب ہوئے۔ آب زمزم اتنا لائے کہ جس میں مٹی ملاکر اینٹیں تیار کی گئیں اور ان پر حفاظ نے قرآن پڑھکر دم کیا۔ محاربہ روم و روس میں دو لاکھ روپیہ قسطنطنیہ بھیجے۔ ایک لاکھ روپیہ نہر زبیدہ کی مرمت کے لئے

(بقیہ برصفحہ ۲۳۶)

جب نواب صدیق حسن خاں سے حکیم صاحب کو کشیدگی پیدا ہوئی تو ملا محمد نواب صاحب مہاجر نے معلم
سے مولوی صاحب ہی کو لکھا تھا کہ نواب کلب علی خاں بہادر سے حکیم صاحب کی ملازمت سے

(بقیہ صفحہ ۲۳۵) مرحمت فرمائے۔ چند سال میں نواب صاحب نے علاوہ زکوٰۃ و خیرات کے صرف انعا وغیرہ میں نو دس لاکھ روپیہ تقسیم کئے۔ فیاضی قابلیت قدر دانی میں لاجواب فرمانروا تھے۔ فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ کا خطاب منجانب گورنمنٹ عنایت ہوا۔ ستائیس ہزار جلدیں آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں جن میں بعض نایاب روزگار شاہی نسخے ہیں۔ راقم کی نظر سے وہ بیش بہا کتابیں بھی گزریں کہ جن پر خود جناب ممدوح نے ذاتی رائے و مفصل حالات اپنی قلم سے تحریر فرمائے۔ جس سے آپ کی تحقیق و قابلیت کا پتا چلتا ہے۔ تصویر سے کمال خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے۔ صد حیف کہ ۲۷ جمادی الآخر سنہ ۱۳۰۴ھ روز چہارشنبہ بائیس سال کی فرمانروائی کے بعد ۵۴ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ خلد آشیاں لقب پایا۔ منشی مفتی امیر احمد صاحب مینائی نے قطعہ تاریخ تصنیف کیا جو آپ کے مزار پر کندہ ہے جس کے چند شعر بطور اختصار درج کئے جاتے ہیں ؎

آفتاب آسمان شوکت و جاہ و جلال — ماہ چرخ دولت و اقبال فیض داد و دیں
فخر ارباب سلف سرمایۂ ناز اہل خلف — افتخار اولین و اعتبار آخریں
حق پرست و حق پژوہ و حق پذیر و حق شناس — خوش خط و خوش خوے و خوش گفتار خوش رو و حسیں
وارث بے وارثان و چارۂ بیچارگاں — میہماں پرور مسافر دوست غمخوار حزیں
پیش قدرش آسماں انداختے رفعت ز خاک — با وقارش کوہ تمکیں ساختے نذر زمیں
شیر دل کلب علی خان بہادر نامور — مالک طبل و علم دو فوجۂ تاج و نگیں
شاغل ذکر و نماز و عامل حج و زکوٰۃ — پیرو شرع حبیب خاص رب العالمین
آنکہ با یک کاروان از تابعان خویش گشت — زائر بیت الحرام روضۂ سلطان دیں
آنکہ اندر عہد او شد رامپور آرام پور — مصطفیٰ آباد شد در دولت این سرزمیں

(بقیہ بر صفحہ ۰

بارہ میں بحالت تنہائی تحریک کریں۔ کیونکہ مولوی صاحب اور نواب صاحب دونوں ملّا صاحب کے شاگرد تھے۔ جس زمانہ میں حکیم صاحب اپنے استاد مفتی سعد اللہ صاحب کے یہاں رام پور تشریف

(بقیہ صفحہ ۲۳۲)

ناگہاں زد کوس رحلت سوئے دار آخرت　　ذوقِ دیں میداشت از دنیا بر افشاند آستیں

نقش کن از خامۂ حسرت سرِ لوحِ مزار　　خوابگاہ اسلام حامی امیر المومنین

۱۳۰۴ھ

اب آپ کی جگہ پر آپ کے نبیرۂ والا شان حضور پُر نور نواب محمد حامد علی خاں بہادر ابن نواب مشتاق علی خاں بہادر مسند نشین ریاست ہیں جو نہایت ذہین تحقیق پسند سیر چشم شوقین نازک مزاج فرمانروا ہیں۔ سیر حامدیہ آپ کے سفر نامہ کے دیکھنے سے آپ کی وسعت معلومات معلوم ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجہ کے خوش خط ہیں۔ بعض مشقی تحریر نظر سے گزری۔ حیات مسیح راقم کی ناچیز تصنیف حضور پُر نور کے دست مبارک میں پہنچ چکی تاریخ نامہ مظفری بھی ملازمان والا کے کتب خانہ میں داخل ہو چکی اور صلہ بھی ریاست سے مرحمت ہوا دو بار حضور ممدوح کی پُر مغز گفتگو سننے کا موقع بھی حاصل ہوا۔ نواب چھٹن صاحب بہادر نے جن سے خاکسار کو نیاز حاصل تھا اور وہ توقیر و عنایت کرتے تھے۔ مجھ سے فرمایا تھا کہ تمھارا تذکرہ بھی حضور مذکور ہیں بعنوان مناسب میں نے کر دیا ہے۔

اس ریاست کی شہر پناہ نواب فیض اللہ خاں صاحب ابن حافظ رحمت خاں نے بنائی جن کے بعد ان کے بیٹے محمد علی خاں بہادر مالک ریاست ہوئے۔ بعد ازاں ان کے بھائی نواب غلام محمد خاں بہادر رئیس قرار پائے بعدہٗ احمد علی خاں بہادر ابن محمد علی خاں بہادر صاحب ملک ہوئے۔ ان کے بعد نواب محمد سعید خاں بہادر برادر زادۂ احمد علی خاں بہادر مسند نشین ہوئے۔ بعد ازاں نواب محمد یوسف علی خاں بہادر والی ملک ہوئے۔ اب اس جگہ کچھ کلام نواب کلب علی بہادر کا مختصر طور پر نذر ناظرین کیا جاتا ہے کیا خوب فرماتے تھے : [illegible]

ثنائے حق سے یہ رتبہ ہوا میرے معانی کا　　کہ اب دعویٰ نہیں ہے روح القدس کو ہمزبانی کا

خدا کے بعد ذات صاحب معراج ہے جس نے　　بڑھایا عرش سے پایہ سرائے لامکانی کا

(بقیہ صفحہ ۲۳۸)

لے گئے تو مولوی ارشاد حسین صاحب سے بھی ملے تھے مولوی ارشاد حسین صاحب کا تذکرہ حکیم صاحب کی زبان سے راقم نے بارہا سنا ہے۔ اخبار الصنادید تاریخ رام پور میں ہے کہ

(بقیہ صفحہ ۲۳۷)

زمانہ ہمسری کیونکر کرے اُس نور اقدس سے — مقابل جلوۂ باقی سے ہو مُنہ کیا ہے فانی کا
ہزاروں رحمتیں اولاد اور اصحاب پر اُن کی — رہے دنیا میں جب تک نام رنج و شادمانی کا

کہو کچھ عاشقانہ شعر جن پر ہوں ملک صدقے
دکھاؤ جوشش نواب اپنا طبیعت کی روانی کا

نہ کیوں سجدہ کروں میں اپنے طالع کی رسائی کو — کہ وہ بھی یاد کرکے روتے ہیں میری جدائی کو
چھپاؤ شوق سے تم راز الفت کچھ نہیں پروا — خبر کردینگے دو نالے مرے ساری خدائی کو
اگر منظور ہو خون دو عالم ایک غمزے میں — ہلا دینا ذرا تم ناز سے دست حنائی کو
غضب ہے پاؤں رکھیں آپ پر اعدا رات دن پائز — بنا ہو آشنا نہ جو ازل سے جبہ سائی کو
مٹا دے تو الٰہی نام تک بھی سخت جانی کا — نہ ہو تکلیف وقت ذبح تا اس کی کلائی کو
مٹائی یاس نے افسوس آج امیدواری بھی — گئے تھے اُس کے در پر خوب قسمت آزمائی کو

جوانی ہو چکی نواب آیا وقت پیری کا
خدا سے ڈر کے اب بھی ترک کر زہد ریائی کو

ایک دم اُس نے تامل جو کیا آنے میں — نہ رہا کوئی دقیقہ مرے مرجانے میں
روز کہتے ہیں یہ دل سے کہ وہ آج آئے گا — عمر گزری ہے اسی طرح سے بہلانے میں
دن کو اغیار کا ڈر رات کو لگتی چوٹی — روز سو طرح کے حیلے ہیں یہاں آنے میں
اس سے بھی بڑھ کے بھری ہے مرے دل میں حسرت — شوخیاں جتنی ہیں ظالم ترے شرمانے میں
کون سے گل نے مرے دوش پہ رکھی گردن — عمر بھر زلف کی خوشبو جو رہی شانے میں
گر اثر کچھ بھی ہے فریاد میں تو اے ہمدم — آہی جائے گا کبھی وہ مرے کاشانے میں

(بقیہ بر صفحہ ۲۴۳)

مسائل شرعیہ میں نواب صاحب کو مولوی صاحب سے بڑی مدد ملتی تھی۔ اکثر مقدمات کی مثلیں نواب صاحب اپنے اجلاس سے اٹھا کر مولوی صاحب کے پاس فیصلہ لکھنے کے لئے بھیج دیا کرتے

(بقیہ صفحہ ۲۳۸)

یاد ہے جس کی شب و روز تجھے اے نواب
بھول کر وہ نہیں آتا ترے غمخانے میں

ہلے کیونکر نہ ترے رہگزر کی سر زمیں برسوں — کہ نالوں سے مرے کانپا کیا عرشِ بریں برسوں
بھلا کیا خاک سوئے چین سے وہ کنجِ مرقد میں — رہا ہو جس کے سر کا تکیہ دوشِ نازنیں برسوں
تری صورت کا نقشہ جب کبھی کھنچ جائیگا پورا — تو صنعت پر کرے گا ناز صورت آفریں برسوں
عجب حسرت سے دیکھا ہے سوئے جاناں دمِ آخر — رہیگی یاد اس کو بھی نگاہِ واپسیں برسوں
نصیبوں میں جو لکھی ہے برائی وہ نہ جائے گی — اگر رگڑونگا در پر کعبہ کے نقشِ جبیں برسوں
اسیرِ دامِ گیسو دل ہوا تو میں بھی وحشت سے — نہ چھوڑوں گا کبھی ہاتھوں سے زلفِ عنبریں برسوں
اسی امید پر شاید کسی دن آؤ تم باہر — نہ جائیں گے بٹھائے در سے دم بھر بھی کہیں برسوں

جفا سے اُس کی ٹھیرے گا نہ اے نواب کوئی بھی
رہیں گے دیکھ لینا کوئے جاناں میں ہمیں برسوں

کیا یہاں سے وہاں سوا ہو گا — حشر میں بھی یہی خدا ہو گا
ٹھنڈی سانسیں ہیں بعدِ وصلِ عدو — ہائے کیا یاد آگیا ہو گا
کیا کروں گا علاجِ نالۂ دل — حشر میں بھی جو نارسا ہو گا
ایسا سناٹا اور یوں خاموش — تم سے غیروں نے کچھ کہا ہو گا
خوش خرام آج کیوں ہے چرخ مگر — خاک میں کوئی مل گیا ہو گا
بات کرتے نہیں جو تم شاید — کبھی دشمن سے کچھ سنا ہو گا
وہ تماشا بھی ہوگا قابلِ دید — جب مرا تیرا سامنا ہوگا

(بقیہ بر صفحہ ۲۴۰)

تھے مسائل فقہ میں جیسی ردو قدح اُن سے یہ کرتے تھے کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ دو دو ہزار
چار چار ہزار روپیہ بھی بارہا ان کو عنایت کیا۔ نواب صاحب کے عہد میں تمام امرا و رعایا پر

(بقیہ صفحہ ۲۳۹)

لے ہی لے گا کبھی فلک کی خبر　　کوئی نالہ اگر رسا ہو گا

جبہ سائی سے اب یہی امید　　خطِ تقدیر مٹ گیا ہو گا

یہ نہ سمجھو کہ کچھ نہیں خواہش　　دل میں کوئی تو مدعا ہو گا

اپنے مرنے کا غم نہیں ہے یہ غم　　کون اب تجھ پہ مبتلا ہو گا

نہ کرو دعوئے وفا نواب

اور وہ مائلِ جفا ہو گا

کیوں کر کہوں کہ لطف کبھی غیر پر نہ ہو　　ہو بھی تو گاہ گاہ مگر اس قدر نہ ہو

جب وصل ہو نصیب کسی خستہ جان کو　　اُس شب کی تا قیامت الٰہی سحر نہ ہو

رونے سے میرے تیری اداؤں سے بزم میں　　کوئی نہیں جو ہاتھوں سے تھامے جگر نہ ہو

افسوس اپنے جی سے بھلائے اُسی کو تو　　جس دل کو تیری یاد میں اپنی خبر نہ ہو

ساتوں فلک کے ٹکڑے اُڑیں تو اُڑیں مگر　　فریادِ غیر دل میں ترے کارگر نہ ہو

دل کو نہیں قرار جو پہلو میں ایک دم　　پلٹا کہیں اُدھر سے مرا نامہ بر نہ ہو

مجکو ہی یاد وصل میں ڈر ڈر کے ناز سے　　کہنا ترا کہ دیکھ کسی کو خبر نہ ہو

سب لوگ جس کو داورِ محشر سمجھتے ہیں　　مجکو یہ خوف ہے کہ وہی فتنہ گر نہ ہو

وہ دیکھتے ہیں تکیجی نگاہوں سے اور میں　　ڈرتا ہوں کوئی فتنہ تہِ بدنظر نہ ہو

کیا سیر ہو جو غیر سے وعدہ ہو وصل کا　　ڈھونڈھے وہ صبح تک تجھے تو اپنے گھر نہ ہو

نواب روزِ حشر خدا سے شکایتیں

[illegible]

مولوی صاحب حادی تھے۔ نواب صاحب نے وفات کے وقت بھی کمشنر صاحب کو لکھا تھا کہ پانچ لاکھ روپیہ میں بھیجتا ہوں ان کو آپ جمع کرا دیں اور اس کا نفع مولوی صاحب کو

(بقیہ صفحہ ۲۴۰)

پیار کرنا بھی اچھی صورت کا — سامنا ہے بڑی مصیبت کا
ایسے نوحے کئے کہ محشر میں — پیٹنا پڑ گیا قیامت کا
دلِ پژمردہ کو بھی رولیں گے — وقت ہوگا جو کوئی فرصت کا

حال نواب کچھ نہ پوچھ کہ آج
رنگ ہے اور خود بدولت کا

شوق ہے اس کو بہت اپنی خود آرائی کا — آئینہ کیوں نہ بنے چشم تماشائی کا
ذوقِ دیدار مدد کر کہ بڑے شوق سے ہم — حوصلہ دیکھتے ہیں اپنے تماشائی کا
ہائے وہ نزع میں بالیں سے ترا اٹھ جانا — دیکھنا یاس سے تیرے وہ تمنائی کا
چرخ سے آتی ہے اس وقت بلا جب سے — پوچھ لیتی ہے پتا آپ کے شیدائی کا
جس جگہ ملکِ عدم میں ہیں وفائیں تیری — وہیں مسکن ہے ہماری بھی شکیبائی کا
خطِ قسمت اسی حیلہ سے مٹایا میں نے — ورنہ تھا کس کو یہاں شوق جبیں سائی کا

ہائے اُس نے بھی مجھے قتل کیا اے نواب
جس کو دعویٰ ہے بہت اپنی مسیحائی کا

نہ تھی صبحِ ازل افسوس مجھکو یہ خبر ہرگز — کہ میرے ہی لئے پیدا کیا ہے شامِ فرقت کو
ادا سے دونوں زلفیں کھول دینا دوش پر اپنے — یہی تعزیر کافی ہے ترے مجنوں کی وحشت کو
ہزاروں ایسے ہنگامے یہاں ہر روز ہوتے ہیں — قیامت سے بھلا تشبیہ کیا دوں تیرے قامت کو
نئے سر سے جو روزِ آفرینش آئیے دنیا میں — تو بدلوں بخت دشمن سے الٰہی اپنی قسمت کو
نگہ پڑتے ہی نواب اُس پری پر بچھ گئے حیراں — بڑے دعوے سے حضرت آج آئے تھے شکایت کو

(بقیہ بر صفحہ ۲۴۲)

برابر پہنچتا رہے جہاں مناسب سمجھیں مولوی ارشاد حسین صاحب اس کو خرچ کریں مگر اس تحریر کو جنرل عظیم الدین خاں نے روک لیا تھا۔ نواب صاحب نے نزع کے وقت وصیت

(بقیہ صفحہ ۲۴۱)

ناز دانماز جو تیرے شبِ وصلت دیکھوں — خلد میں پھر نہ کبھی حور کی صورت دیکھوں
سیر ہو حشر میں جب داورِ محشر پوچھے — حالِ دل اور میں اُس شوخ کی صورت دیکھوں
اب تو دعویٰ ہے بہت حضرتِ واعظ لیکن — دیکھے وہ ناز سے پھر آپ کی عصمت دیکھوں
ہمہ موجیں کی اپنی میں کروں سو فکریں — کوئی دم عشق کے ہاتھوں سے جو راحت دیکھوں

جل بکے ہو خاک کہیں سوزِ الم سے نواب
روز کب تک ترے نوحوں سے قیامت دیکھوں

نواب فسونگر ہیں یہ مل ان سے سنبھل کر — آنکھوں سے بگڑ جائے تو کاکل سے نہ بل کر
سینے سے وہ لپٹا جو شبِ وصل تو یارب — جائیں گے کہاں دل سے سب ارمان نکل کر
وہ چیز نہیں دل کہ میں دوں باتوں میں یوں دل — مانگو تو زرا ناز سے پہلو میں مچل کر
آگاہ نہیں عشق سے پر جانتے ہیں یہ — پہلو سے لئے جاتا ہے دل کوئی مسل کر
اُس فتنۂ عالم کی ذرا چھیڑ تو دیکھو — پوشاک میں بھی فتنہ کا عطر آیا ہے مل کر

کھاتی ہے قسم غصہ میں باتوں کی تو ہم بھی
چھیڑیں اُسے اس ڈھب سے کہ بول اُٹھے وہ جلکر

جوشِ وحشت تجھے مبارک ہو — سلسلہ زلف کا دراز ہوا
تجھ سے بہتر خیال ہے تیرا — کہ شبِ غم میں چارہ ساز ہوا

خواہشِ موت ہے تجھے نواب
رشتۂ عمر کیوں دراز ہوا

رہیں گی عشرتیں دنیا میں لیکن — یہ چرچے ہیں مصیبت کے ہمیں تک

(بقیہ صفحہ ۲۴۴)

کی تھی کہ دمِ آخر تک مولوی صاحب میرے پاس رہیں اور کچھ پاک کمائی صندوقچے میں سے نکال کر دی تھی کہ اس سے مولوی صاحب میری تجہیز و تکفین کریں۔ یہ تقرب و اعتقاد کا

(بقیہ صفحہ ۲۴۲)

نہ ہو الفت تو دل کو کون پوچھے — مکاں کا ہی شرف اپنے مکیں تک
جفائیں آپ کی میری وفائیں — یہ سب جھگڑے ہیں اس جانِ حزیں تک

اے ابر آبرو کو بہت اپنی روئے گا — آنکھوں سے میرے گر کوئی آنسو ٹپک گیا
تیرا تو مشغلہ ہے یہ نواب رات دن — میں روز بیٹھے سیتے گریبان تھک گیا

ہمارے گریۂ خونیں کو پوچھتا ہی کون — جہاں ہو شہرہ کسی گل کے مسکرانے کا
نہ بھولے گا کبھی دل کو مرے قیامت تک — حیا سے وصل میں عالم وہ منہ چھپانے کا
بنیں گے ہم بھی خدا ہی کے عاشق اے نواب — طریقہ خوب ہی اس بت کے یہ جلانے کا

بیدار رو میں طالعِ خوابیدہ ہوں میرے — رویا میں جو دیکھوں کبھی گیسوئے محمد
کیوں کر نہ ہو وہ شاہ دو عالم کہ ازل سے — تقدیر ہی ہم پہلوئے زانوئے محمد
حوروں کی خوشامد سے نہ جاؤ نگاہیں جب تک — آئے گی نہ فردوس سے خوشبوئے محمد
دنیا کو ملیں عیش زمانہ کے الٰہی — نواب ہو اور خاک رہ کوئے محمد

صبا جانا ہو گر تیرا کبھی اطرافِ یثرب میں — ادب سے عرض کرنا یہ درِ پاکِ محمد پہ
بنایا آپ نے نواب جیسا مجھکو دنیا میں — بٹھانا یوں ہی بزمِ خلد میں لیجا کے مسند پہ

پہلے ہر ایک بات کا تھا رازدار دل — چاہت سے ہو گیا تری بے اعتبار دل
اک دل اور اتنے صدمہ الٰہی ہی یہ دعا — اس کی جفا کے واسطے ہوں بے شمار دل
معلوم سب ضرر ہیں محبت کے ناصحو — پھر کیا کریں کہ آ گیا بے اختیار دل
ایسی بلا کا میرے ہی پہلو میں ہی نباہ — تم کیا کرو گے لے کے مرا بے قرار دل
زخموں کے پھول جنبۂ خوں لالہ ہائے داغ — دیکھو تو آ کے رکھتا ہی کیا کیا بہار دل

عالم تھا۔ مولوی ارشاد حسین صاحب بڑے فقیہ اور صوفی تھے۔ شاہ احمد سعید صاحب مجددی کے مرید و خلیفہ تھے۔ دربار میں شریعت کا اثر، درس و تدریس کا مشغلہ، مسجد کی امامت، خانقاہ و نشست، مجلسوں کا وعظ غرض کہ دلوں پر ان کو قابو حاصل تھا۔

(بقیہ صفحہ ۲۴۳)

اک دل تھا دے چکے اُسے نواب سیر ہو — مانگے محل کے تم سے دوبارہ جو یار دل
زائر ہوں روضۂ شہ ِ ژرف سوار کا — قبلہ ہوں اس لئے ہیں صغار و کبار کا
برتر ہو نہ فلک سے مرے شعر کی زمیں — لکھوں جو وصف پنجتن و چار یار کا
اصحاب و اہلبیت پہ قربان ہو جو روح — آغوشِ حور کیوں نہ ہو گوشہ مزار کا
مخدوم ہی ملائکہ آسماں کا وہ — خادم ہی جو ائمۂ عالی تبار کا
زلفِ نجات سلسلۂ نقشبند ہی — ہی جس کی بو سے رنگ عیاں وصل یار کا
پیرانِ سہروردی و چشتی و قادری — قاسم ہر ایک ان میں ہی فردوس و نار کا
اتنے وسیلے جس کے ہوں نواب پھر اُسے — اندیشہ کیا ہے پرسشِ روزِ شمار کا
مر بھی جاؤں گا تو اب نام نہ لوں گا تیرا — جانتا ہی مجھے تو کلب علی خاں ہوں میں

کلام فارسی

سخن با غیر و رو سوئے من داری سرت گردم — ز چشم حسرتم فہمیدہ باشی بدگمانی را
بحق عاشقاں اخفائے الفت خوش بود لیکن — چہ سازم ناصحا ایں چشم و اشکِ ارغوانی را
گدائے کوے تو گردید تا نواب می نازد — چہ محتاجے کہ یابد تخت فغفوری و خانی را
خیالت را ز تو بہتر شناسم گر بسر یاری — ہمی ماند شبانروزی بحسرت غمگسار من
چہ می پرسی کہ اے نواب در وصلم چہ میخواہی — سرت گردم تمنایم بداں از اضطرار من
نغمشم بہر بدا از طرف رہ گزر او — شاید کہ تا بوتِ من افتد نظر او
صد موسم گل رفت و رخ یار ندیدم — کو پیک نسیمے کہ بیارد خبر او
از نکہتِ گلہا نہ شود تازہ دماغم — اے باد بیفشاں بسرم خاکِ در او
گر جور نہ سازد بتو نواب چہ سازد
خوارا نہ تو بعالم نبود در نظر او

سید نجف علی صاحب

موصوف سید ضامن علی صاحب کے فرزند اور افسر الاطبا حکیم سید فرزند علی صاحب کے بھائی تھے۔ ان کا قیام ابتدائے عمر سے لکھنؤ میں رہا۔ یہیں تعلیم پائی اور یہیں کی صحبتوں میں نشوونما ہوا۔ ذہانت وطباعی کے ساتھ رنگین مزاج بھی تھے۔ چنانچہ تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی شعر و سخن کا شوق ہوا اور اس عہد کے استادان سخن کی صحبتوں میں رہنے لگے ان کے مشاعروں میں شریک ہوتے اور ان کی ادبی معرکہ آرائیوں کے رکن رکین بن گئے خود آتش کے نامور شاگرد میر وزیر علی صبا کا تلمذ اختیار کیا۔ اور اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح صبا کو خوبصورت بامحاورہ اور بے تکلف زبان میں اظہار خیالات کا شوق تھا ایسے ہی میر صاحب کو بھی زبان کا خاص چسکا تھا۔ یہی شوق انھیں انیس و دبیر کی صحبتوں میں لے گیا۔ ان کی مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کا رنگ دیکھا۔ عربی و فارسی کی استعداد اچھی تھی شاعری کے ساتھ تاریخ گوئی میں عدیم المثل تھے۔ خوشنویسی کے ساتھ خصوصیت سے توجہ تھی۔ چنانچہ بڑے جلی حروف جس قدر باقاعدہ و خوشنویسی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے وہ لکھ لیتے تھے اور کسی کے قلم سے کم دیکھے گئے۔ نجوم و رمل میں پوری مہارت تھی۔ اور رنگین طبعی نے شوق دلایا کہ ستار بجانا سیکھا اور بہت اچھا بجانے لگے۔ اس ہمہ دانی کا خیال کر کے اگر انھیں جامع کمالات کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

مگر لطف یہ ہے کہ ان متضاد صفتوں کے جمع ہو جانے کے ساتھ خدا پرست و صوفی صافی تھے۔ اکثر راتیں شب زندہ داری و ریاضت میں بسر ہو جاتیں۔ ہزار دانے کی تسبیح ہاتھ میں رہا کرتی اور زبان مصروف اوراد و وظائف میں رہتی۔ اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ بجائے دنیوی عروج حاصل کرنے کے توکل و قناعت سے زندگی گزر تی۔ مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب سندھی، لکھنوی، کے خلیفہ شاہ حسین بخش خاں صاحب فرخ آبادی سے بیعت تھی اور ان کے

مخصوص مریدوں میں شمار کیے جاتے۔ چنانچہ کتاب انوار الرحمن میں ان کا تذکرہ بھی آگیا ہے پیر و مرشد کے ساتھ عقیدت میں اس درجہ شغف تھا کہ جب تک ان کی خدمت میں بیٹھتے باوضو رہتے۔ پیر و مرشد نے جو خطوط ان کے نام تحریر فرمائے ہیں اُن میں ایسے باوقعت الفاظ سے ان کو مخاطب کیا ہے کہ ان کو پڑھتے ہی ظاہر ہو جاتا ہے کہ انھیں حسن عقیدت و اطاعت کے صلہ میں حضرت شیخ سے کس قدر تقرب حاصل ہو گیا ہے۔ تاریخی مادہ نکالنے میں ایسی اعلیٰ مہارت حاصل تھی کہ باتوں باتوں میں نہایت نفیس و پاکیزہ مادے نکال لیتے اور ساتھ ہی موزوں طبع ایسے واقع ہوئے تھے کہ اُن پر دم بھر میں بہت ہی اچھے فصیح و موثر مصرعے لگا کے دلچسپ قطعات تیار کر لیتے۔

لکھنؤ کے اکثر معززین و اُمرا ان کا بہت کچھ اکرام و احترام کرتے تھے۔ احباب کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ چنانچہ منشی مفتی امیر احمد صاحب مینائی بھی آپ کے بے تکلف احباب میں شامل تھے۔ منشی صاحب اپنے خطوط میں ان کو نہایت معزز القاب و آداب سے یاد کیا کرتے۔ خاکسار مصنف کے والد محترم مولوی منصب علی خاں صاحب مرحوم سے بھی میر صاحب سے گہری دوستی تھی۔ قابلیت و تصوف میں دونوں صاحب ہم مذاق واقع ہوئے تھے۔ جس سے باہمی خصوصیت بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ جب میں پیدا ہوا تو میرا تاریخی نام مظفر جنگ میر صاحب ہی نے رکھا تھا جو میری نا اہلی و عام مذاق کے تصرف سے مظفر حسین بن گیا۔ شاہ طالب حسین صاحب مجیب کو بھی میر صاحب کے ساتھ نہایت خلوص حاصل تھا۔ چنانچہ میں نے ان کے بہت سے حالات و خصوصیات بھی انہی کی زبان سے سُنے شاہ صاحب موصوف کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں میر صاحب کے ساتھ کیسا اُنس تھا۔

شاہ صاحب اک صاحب دل بزرگ ذی لیاقت اور سالک طریقت تھے۔ ان کا دیوان فارسی کاشف الاسرار اور اردو دیوان جام جم شعرا میں مقبول و دل پسند

تھے۔ دیگر تصانیف تحفۂ فیض، فروغ ابدی جو معرفت و طریقت میں ہیں نہایت دلچسپ کتابیں ہیں اور ان کی خوبی کی دلیل یہ ہے کہ اکثر شوق سے دیکھے جاتے ہیں۔ حرمین مکرمین کربلائے معلی اور بغداد شریف میں حاضر ہو کر شرف حج و زیارت سے فیضیاب ہوئے شاہ صاحب کو مرشد کی اطاعت و کمال عقیدت کا یہ سچا صلہ حاصل ہوا کہ حسین بخش خاں صاحب کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین منتخب ہوئے۔ تھوڑا ہی زمانہ ہوا کہ شاہ صاحب نے رحلت کی اور ان کے بعض مریدوں کے اصرار سے خاکسار نے ان کی وفات کا مادۂ تاریخ (طالب غفار) نکالا تھا۔

نجوم و رمل میں میر صاحب کو جو ملکہ حاصل تھا اس کے متعلق ان کے چھوٹے بھائی مولوی سید علی صاحب نے خاکسار سے دو واقعات بیان کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کیسا صحیح حکم لگاتے تھے۔ لکھنؤ میں داراب علی خاں نام ایک دولت مند خواجہ سرا تھا جس کے نام پرانے شاہی خواجہ سرا دیانت الدولہ نے اپنی تمام جائداد و املاک کا وصیت نامہ لکھدیا تھا۔ اس کو میر صاحب سے ایک گونہ عقیدت تھی اور ان کی بڑی قدر کرتا تھا ایک دن اُس نے کہا کہ ذرا میرا زایچہ تو دیکھئے ستاروں کی حرکات کا مجھ پر کیسا اثر پڑنے والا ہے۔ میر صاحب نے اُسی وقت زایچہ کھینچکر حساب لگایا اور بتایا۔ قریب آپ کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچنے والا ہے یہ جواب سُن کر وہ گھبرا گیا اور دوسرے ہی دن اُس نے سُنا کہ اصطبل میں ایک عربی گھوڑا جو نہایت قیمتی اور اُسے عزیز تھا دفعتہً مر گیا۔ اس کے چند روز بعد ایک دن داراب علی خاں نے کہا میر صاحب آپ نے نقصان کی تو خبر سنائی تھی اب کسی فائدے کی خوش خبری بھی سُنائیے۔ میر صاحب نے قلم دوات اُٹھا کر زایچہ کھینچا تو دیر تک لکھتے اور حساب لگاتے رہے اور پھر اُس سے کہا تین روز کے اندر آپ کو بہت سی دولت ملنے والی ہے اگر اس میں فرق ہو تو مجھے سید نہ سمجھئے بلکہ میرا نام بھی بدل ڈالئے۔ چنانچہ اس مدت کے اندر ہی داراب علی خاں کے نام کلکتے سے تار آیا کہ جس املاک کی وصیت آپ کے نام لکھی گئی

ہے اور جو کئی لاکھ روپیہ کی جائداد ہے اس کے مالک بے وارث (ریاست الدولہ) نے
انتقال کیا آپ فوراً آکر اس پر قبضہ کیجیے۔ یہ سنتے ہی وہ باغ باغ ہو گیا فوراً کلکتے
راہ لی اور اس مال و اسباب کو حاصل کر کے مالا مال ہو گیا۔

میر صاحب کو سرکار لکھنؤ سے تیس روپیہ ماہوار مدت تک ملتے رہے اور خدمت یہ تھی
کہ آپ نواب شاہرخ بیگم صاحبہ کے منشی تھے جو سلطان عالم واجد علی شاہ کی منظور نظر بیگمات
میں سے تھیں۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب سلطان عالم لکھنؤ سے کلکتے تشریف لے گئے تو
پانچ چھ محلوں کو جن میں نواب خاص محل، نواب معشوق محل، نواب محبوب محل، نواب
بیگم وغیرہ تھیں ساتھ لے گئے اور باقی محلات جن میں زیادہ ممتاز نواب حضرت محل،
امتیاز محل، نواب فخر محل، نواب ملکہ سیمتن، نواب اچھی بیگم، نواب شاہرخ
نواب سلطان محل، نواب خرد محل، نواب چتر محل، نواب دلربا محل، نواب شہنشاہ محل
نواب شیدا بیگم، نواب شاہزادہ بیگم، نواب زہرہ محل، نواب اختر محل، نواب رونق آرا
نواب نوروزکی بیگم، نواب اشتیاق محل، نواب سیدہ محل وغیرہ۔ کل پچاس ساٹھ
لکھنؤ میں رہ گئی تھیں جو بادشاہ کو اکثر یاد آتیں اور ان سے پر شوق خط و کتابت
کرتی۔ بادشاہ کے خطوط ان کے نام آتے اور ان کے خطوط بادشاہ کے نام جاتے۔
دونوں قسم کے خطوط اس زمانہ کے درباری اصطلاح میں تو دونامے کہلاتے۔ بادشاہ نے
ایک بار نواب شاہرخ بیگم کے نام ایک منظوم تو دونامہ بھیجا جو غزل کے انداز پر تھا
ردیف قافیہ ہماری شاہرخ پیاری شاہرخ تھا۔ میر صاحب نے شاہرخ بیگم کی طرف سے
اسی وزن و قافیہ میں جواب لکھا۔ افسوس وہ دونوں خطوط ہمارے پاس نہیں ہیں
ان کو ضرور نذر ناظرین کرتے۔ بادشاہ نے جو منظوم تودونامہ اپنے تودونامہ کے
جواب میں ملاحظہ کیا تو بہت پسند کیا اور اسی وقت بیگم صاحبہ کو لکھا (تمھارا انشا
باتمیز معلوم ہوتا ہے) شاہ اودھ اگر سچ پوچھیے تو شاہ سخن تھے ان کی سخن

سخن سنجی اس درجہ کی تھی کہ آج تک لوگ سن سن کر متحیر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ اس کا بھی خیال کرنا چاہیئے کہ اُس زمانہ میں وہ شعراے زمانہ اور اہل سخن کے مرجع و ماوی تھے۔ بڑے بڑے اساتذہ سخن اور اعلیٰ درجہ کے نازک طبع شعرا کے کلام کو ان کی زبان سے سن چکے تھے۔ کسی کی نسبت ان کی زبان سے ایک لفظ کا نکل جانا بھی اعلیٰ ترین ریویو کا حکم رکھتا تھا۔ لہذا انھوں نے جو یہ فقرہ میر صاحب کی نسبت تحریر فرمایا تو اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاعری میں میر صاحب کا پایہ کس قدر بلند تھا۔ میر صاحب کے متعدد منظوم تودونامے نواب شاہرخ بیگم صاحبہ کی جانب سے سلطان عالم کی خدمت میں پہنچے اور بادشاہ نے ان کے جواب تحریر فرمائے۔ واجد علی شاہ نے جو منظوم تودونامجات اپنی بیگموں اور محلوں کے نام لکھے ہیں ان سبھوں کو انھوں نے یک جا کر کے چھپوا دیا ہے۔ مگر افسوس اب اُس بہترین ادبی مجموعہ کا کوئی نسخہ بڑی مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ راقم کو بڑی دشواریوں سے بالکل اتفاقی طور پر وہ نسخہ مل گیا۔

میر صاحب نے انھیں تودونامجات کے ضمن میں بادشاہ کی خدمت میں ایک زائچہ بھی بنا کر بھیجا تھا اور ایک تودونامہ میں اپنی خیر خواہی اور راستبازی کے جوش میں بعض فقروں پر اعتراض بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ نواب شاہرخ بیگم کو جواب میں بادشاہ نے جو تودونامہ بھیجا۔ اُس میں زائچہ کے متعلق اظہار مسرت اور اعتراضوں کی شکایت کی۔ وہ تودونامہ حسب ذیل ہے

خوش اقبال خوش بخت اے باوفا ۔۔۔ پری زاد خوش رو بتِ خوش قفا
نگارِ جہاں شاہدِ پاک باز ۔۔۔ پُر از مہر و الفت صداقت طراز
بہت بامروت فرشتہ خصال ۔۔۔ عزیزِ دلِ شاہ یوسف جمال
تمھیں جانِ سلطان ہو عاشق نواز ۔۔۔ مودب پری صاحب امتیاز
گلِ باغِ خوبی بتِ راست گو ۔۔۔ حسیں شاہرخ بیگمِ نیک خو
مری جانِ محبوبِ دلہاے خلق ۔۔۔ خوش الحان مطلوب دلہاے خلق

بڑی با مروت ہوا اے شاہرخ ۔۔۔ فلک پر چھپائے نہ کیوں ماہ رخ
ستارہ ز حسنت پُر از لمع باد ۔۔۔ قدت در جہاں سایۂ شمع باد
ہوئی آٹھویں جب کہ شوال کی ۔۔۔ پڑی چھاؤں خط ہائے اقبال کی
ملے ہم کو دو قطعۂ لعل رنگ ۔۔۔ طبیعت میں پیدا ہوئی اک اُمنگ
تھی اک خط میں اے جاں غزل با مزا ۔۔۔ لکھوں اس کو کیونکر کہ تھا کیا مزا
وہ خط مختصر تیرہ انگل کا تھا ۔۔۔ غزل جس میں لکھی تھی اے مہ لقا
غزل دل سے بھائی وہ ایجاں مجھے ۔۔۔ نظر آگیا روئے جاناں مجھے
زرِ مرسلہ ہوگیا ہو وصول ۔۔۔ عجب کچھ نہیں اے مہِ با اصول
جو پایا زرِ مرسلہ اے نگار ۔۔۔ رسید اُس کی لکھنا ہمیں گلعذار
مجھے زائچہ بھی ہوا دستیاب ۔۔۔ جو کھینچا تھا نوروز میں آفتاب
خدا سے دعا ہے یہی اے کریم ۔۔۔ کہ تو ہے سمیع و بصیر و علیم
ہمارے ستاروں کو تو نیک کر ۔۔۔ جو ہیں منتشر سب کو پھر ایک کر
عجب کیا کرے رحم پروردگار ۔۔۔ نجومی کا بھی قول ہو آشکار
عجب ہے مجھے اے گلِ بوستاں ۔۔۔ کہ لکھتی ہو خط میں تم اے مہرباں
کہ جھوٹی محبت جتاتی ہوں میں ۔۔۔ سخن پا کے تم کو بناتی ہوں میں
اِدھر سے سنو یا اُدھر سے سنو ۔۔۔ میں اک نازنیں کام کرتی ہوں دو
سوائے جانِ من یہ بڑا ہے چلن ۔۔۔ کھرے کو نہ تاؤ تم اے سیمتن
ہمیں سادہ دل جان کر نیم جان ۔۔۔ مرصع بناتی ہو اے مہرباں
تو ہم جوہری ہر طرح کے ہیں یار ۔۔۔ نگینوں سے ہے قدر گر آشکار
ہزاروں ہی تم سے کمیت حسیں ۔۔۔ مری ران کے نیچے ہیں مہ جبیں
یہ کیا لکھتی ہو اے بتِ ذی کرم ۔۔۔ نہیں ہوتی حاجت روا بے درم

دوم مجکو سمجھاتی ہو مہرباں
نصیحت تمھاری کہاں میں کہاں

مثال اُس پہ لائی ہو جو فارسی
اُسے پڑھ کے آئی مجھے عارسی

لکھا تھا یہ کب میں نے اے میری جاں
ہراساں میں ہوں قلعہ کے درمیاں

عجب لکھنے والا ہی بے خوف و بیم
بڑا حوصلہ ہی خدا ہے علیم

نہ سمجھیں پسند ہوگی اُس کی رقم
جو گلچھرّے کا لفظ لکھیں گے ہم

جو ہمت ہماری نہ آئی پسند
نہیں زوجہ کیوں لے مہر ارجمند

جو بخشش کرے تو لٹا دیوے سو
جو لیوے حساب اُس کا گن لیوے جو

یہ دستور شاہانِ اعظم ہیں آپ
کہ آپ ہی عطارد ہیں حاتم ہیں آپ

کہیں ابرِ رحمت کہیں برقِ تیز
کہیں صلح ہی اور کسی سے گریز

لٹاتے ہیں لاکھوں پئے ماہ عید
طلب کرتے ہیں گاہ موکی رسید

مناسب نہ تھا تم کو اے گلبدن
کرو شاہ پر اعتراضِ سخن

نہ احساں جتا کر طلب کی رسید
یہ رسم محبت تھی اے ماہِ عید

شکایت سے ہٹتے ہیں کب تیرہ ملال
تمھارا ہی مطلع ہی خود اس پہ دال

خداوند فرمان ورائے شکوہ
زغوغائے ہر بزم بگرد دستوہ

گلوں کو جلاتا ہی کب باغباں
ستارے چھپاتا ہی کب آسماں

غریب الوطن کو مقید کو یار
یہ کلمہ ستاتا ہے کوئی نگار

دیا تم نے جانِ جہاں کو الم
دیا تم نے راحت رساں کو الم

ملے گا تجھے اب نہ اختر کوئی
بنایا ہے موتی کو کنکر کوئی

دیا تم نے شاہِ غریباں کو رنج
دیا تم نے مظلوم سلطاں کو رنج

دلِ جانِ عالم کو غمگیں کیا
جو سلطانِ عالم کو غمگیں کیا

نہ کچھ پاس اپنے وطن کا کیا
نہ کچھ پاس اہلِ سخن کا کیا

یہ تعذیر جو پاسے اخبار دی — کہ بے ہمتی کی اُسے مار دی
سوا رنج دینے کے راحت کہاں — اطاعت کہاں ہے محبت کہاں

جہاں دار یکتا ترا یار باد
سزاوارِ غم جانِ غمخوار باد

اس مجموعہ میں نواب شاہرخ بیگم کے نام بادشاہ کے بعض اور تو دو نامجات بھی ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں بیگم صاحبہ ممدوحہ کے ساتھ کیسی محبت تھی اور کیسی خوبصورتی کے ساتھ راز و انداز میں شکوہ و شکایات کا دفتر کھولتے ہیں چنانچہ ایک میں تحریر فرماتے ہیں۔

نامہ دیگر

اے مری پیاری ہجر کی ماری — حسن بڑھاتے ایزدِ باری
جب سے چھٹا ہوں تجھ سے جانی — بھول گیا ہوں حظِّ جوانی
شہرخ جب سے تم سے چھوٹے — فوجِ الم نے چہرے لوٹے
لیں ہم نے باگریہ و زاری — خط کی بلائیں باری باری
ہم ہیں سلطاں تم ہو شہ رخ — کب ہے چھپا تا شہ سے مہ رخ
بلبل تم ہم گل کی بو ھمیں — رو ہو اگر تم ہم ابرو ھمیں
مانگی تھی تصویر جو تم نے — اس میں کی تحریر جو تم نے
غم کا نقشہ خط میں کھینچا ہے — اس سے بہتر نہیں کوئی شے
گلرخ اور شہزادہ بیگم — پوچھنا تو سب کو اے ہمدم
جو ہیں بیگم کیکاؤس — کہنا اُن سے اے طاؤس
تیرا خط بھی ہم تک آیا — تجھ پہ ہو اللہ کا سایا
اختر بس اب روک لے خامہ — طول ہوا ہے غم کا نامہ

دے یہ دعا اب جلد ملا ئے ۔۔۔ یا رخدا خط جلدی آئے

خیر سے پھونچے اے رب میرے

اس سے بر آئیں مطلب میرے

سلطان عالم واجد علی شاہ کی تصانیف دیکھی جائیں اور ان کی اعلیٰ قابلیت پر نظر ڈالی جائے تو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اس لیاقت و قابلیت کے بادشاہ کم گزرے ہیں۔ بعض لوگ اُن پر عیش پرستی و غفلت کا اعتراض عاید کرتے ہیں۔ لیکن ان کے حالات کا مستند قابل وثوق لوگوں کی روایات سے پتا لگایا جائے تو صاف کھل جاتا ہے

حالات سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ :-

دسویں ذیقعدہ ۱۲۳۷ھ ہجری روز سہ شنبہ کو بادشاہ موصوف پیدا ہوئے۔ بالغ ہونے پر نواب علی خاں بہادر کی صاحبزادی بادشاہ محل کے ساتھ عقد کیا گیا۔ ہنوز سبزہ آغاز تھے کہ ولی عہد مقرر ہوئے چھبیسویں صفر ۱۲۶۳ھ ہجری کو جب کہ ۲۵ برس کی عمر تھی اپنے پدر نامدار امجد علی شاہ کی جگہ پر تخت نشین ہوئے خدا نے حسن و جمال کے ساتھ ذہانت و طباعی کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ علمی قابلیت بھی اچھی تھی نہایت وجیہہ تھے اور ان کے مردانہ حسن کی دور دور تک شہرت تھی شہ زوری کا یہ عالم تھا کہ روپیہ کو چٹکی سے مل کر اس کے نقش مٹا دیتے اور دبا کر گولی بنا دیتے۔ بیدار مغزی کی یہ حالت تھی کہ امجد علی شاہ کے جنازہ پر راجہ جوالا پرشاد حاضر ہوئے تو آپ نے یہ حکم قضا شیم نافذ فرمایا کہ معتوب سرکار را از احتشار چہرہ سرکار اگر مناسب باشد مواخذہ سازند۔ بلحاظ فصاحت و بلاغت یہ جملہ کس قدر بلیغ و معنی خیز ہے۔ ارکان دولت کے حالات سے بھی واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ سنکر تمام ارکان دولت کے کان کھڑے ہو گئے کہ اگر بادشاہ کی بیدار مغزی کا یہی عالم ہے تو ہمارا بازار کیسے گرم ہوگا۔ انتظام سلطنت سے غافل کرنے کی غرض سے ہر طرح کے عیش و عشرت کا سامان فراہم کر دیا گیا۔ قوت شہوانی کو ہیجان میں لانے کے لئے کشتے کھلائے گئے اس پر بھی چونکہ طبیعت فطرتاً عدالت گستری کی طرف مائل تھی تا جدار ہوتے ہی روزانہ دربار کرتے،

(بقیہ بر صفحہ ۲۵۷)

کہ ساری خرابی ارکانِ دولت اور عہدہ داران کی نالائقی بد دیانتی اور نمک حرامی سے ہوئی۔ بادشاہ کی بے لوثی اور نیک نفسی کا ثبوت دینے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے

(بقیہ صفحہ ۲۵۳)

ضروری کاغذات ملاحظہ فرماکر دستخط خاص سے مزین فرماتے سواری کے ساتھ چاندی کے صندوق چلا کرتے جن میں مستغیث عرضیاں ڈالتے۔ محل میں آکر بنفس نفیس خود ان عرضیوں کو نکالتے اور مناسب احکام صادر فرماتے۔ اس معدلت پناہی کا نام مشغلۂ نوشیروانی قرار دیا تھا۔ بلاناغہ تین چار گھنٹے خود میدان میں کھڑے ہوکر فوج کی قواعد لیتے اور اس موقع پر اپنی عیش طلبی کو بالکل بھول جاتے، کئی رسالے بھرتی کئے جن کے نام اختری نادری اور ترچھا مقرر کئے تھے۔ بوستان اودھ میں تحریر ہے کہ ایک روز سواری جارہی تھی ایک عورت نے سرِراہ آکر فریاد کی کہ میری لڑکی جو نہایت حسین ہے ایک زمیندار نے زبردستی چھین کر گھر میں ڈال لی ہے۔ یہ سن کر سلطانِ عالم کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور فرطِ غضب سے زبان میں لکنت پیدا ہوگئی فوراً دادرسی پر آمادہ ہوگئے، وہ لڑکی چھنوا کر اس ضعیفہ کو دلوادی اور ظالم زمیندار کی کافی سزا کی گئی۔ اسی طرح ابراہیم خاں کا باغ جو ایک موضع میں تھا اور بجز اس کے ان کی اور کوئی وجہ معاش نہ تھی اتفاقاً وہ موضع نواب خرد محل کی جاگیر میں دیدیا گیا۔ منشی غلام حسن داروغہ بیگم صاحبہ نے اس باغ پر جبریہ قبضہ کرلیا ابراہیم خاں نے حضرت بادشاہ کے سامنے واویلا کی خرد محل نے ضبطی باغ کے بابت زور دیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ امر عدالت میں ہرگز رعایت نہ ہوگی اور زر و جاگیر ضبط ہوجائیگی۔ آخر کار حقدار کو کامیاب فرمایا۔ کہتے ہیں کہ اسی نیک نیتی و حق پسندی سے بجد غلہ کی پیداوار و ارزانی تھی۔ مخلوق مطمئن و خوشحال تھی۔ حافظ جلیل حسن صاحب رسالۂ تذکیر و تانیث میں لکھتے ہیں کہ حضرت اختر واجد علی شاہ ہمہ گو ہمہ داں تھے۔ نظم میں عرضیوں پر حکم لکھواتے مقبول الدولہ مقبول سے کلام میں مشورہ لیتے۔ فتح الدولہ برق کو بھی کلام دکھاتے۔ قادر الکلامی کا یہ حال تھا کہ بلا غور نشیئوں کو برابر نظم لکھواتے چلے جاتے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بادشاہ

(بقیہ برصفحہ ۲۵۵)

کہ اس موقع پر حاشیہ پر ان کے مختصر حالات درج کر دیئے جائیں۔
میر نجف علی صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند خوش خط وصلیاں موجود ہیں جن میں طولانی

(بقیہ صفحہ ۲۵۴)
سلطان خانہ سے امام باڑہ سبطین آباد کی طرف شرکت مجلس کے لئے بوچہ پر سوار ہو کر روانہ ہوتے۔ پڑھنے کے لئے ایک مرثیہ کے بند اور ایک سلام جو جدا بحروں میں تھے دو محرروں کو تصنیف کر کے لکھواتے جاتے تھے ایک کو مرثیہ کے بند بتاتے اور دوسرے کو سلام کے اشعار، دونوں کے قلم نہ رکنے پاتے کہ دوسرا بند یا شعر بتا دیتے۔ اسی طرح چھ بند اور پورا سلام لکھوا دیا اور مسافت شاید ڈیڑھ فرلانگ سے زیادہ نہ ہوگی جب موسیقی کی طرف توجہ کی تو ذہن رسا سے کمال پیدا کر لیا۔ ستار اتنا اچھا بجاتے کہ استاد فن ہاتھ چوم لیتے اور تمام گویوں اور ڈھاریوں کا معمول ہو گیا تھا کہ بادشاہ کا نام آتے ہی کان پکڑ لیتے۔ محرم کی ساتویں تاریخ کو آسمانی کوٹھی سے بادشاہی مہندی اٹھتی اس میں معمول تھا کہ تقریباً ایک گھنٹہ تک خود گلے میں تاشہ ڈال کے بجاتے بڑے بڑے نامور اور مشہور رگوئیے تاج خاں، احمد خاں، غلام حسین خاں نکوں میں ڈھول ڈال کے ساتھ دیتے بادشاہ ایسی صفائی سبکی اور خوش اسلوبی سے اور ایسی خوشگواری کے انداز سے تاشہ بجاتے کہ ڈھاری واہ واہ کے نعرے بلند کرتے اور نہ جاننے والے بھی حیران و ششدر رہ جاتے۔ رسالہ دلگداز ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء کے صفحہ ۲۸۲ میں مرقوم ہے کہ سلطان عالم موسیقی کے فن میں پوری بصیرت رکھتے تھے اپنی عالی دماغی کی وجہ سے بادشاہ نے اپنے طرز میں نئی راگنیاں تصنیف کیں جن کے نام اپنی طبیعت داری سے جوگیا، کنٹر، جوہی بادشاہ پسند وغیرہ رکھے۔ واحد علی شاہ کو اس فن میں اساتذہ کا درجہ حاصل تھا۔ صاحب کمال تھے لے داری میں کوئی اعلیٰ درجہ کا کلاونت گویا بھی بادشاہ کا مقابلہ نہ کر سکتا۔ اس کو قدرت کی دین کہنا چاہیئے۔ عمارت کی تعمیر میں خاص ماس عمارت بھی اکثر اپنی ایجاد کے نقشے تعمیر کرائے۔ فیاضی سرشت میں تھی۔ امین الدولہ صاحب کو تیے خاص کو پچاس لاکھ روپیہ کی املاک واقع شاہجہان آباد دہلی کی دی حکیم شفاء الدولہ کو جونپور و فیض آباد میں بڑی جاگیر عنایت کر دی۔ ادنیٰ ادنیٰ شخصوں کو زندا

(بقیہ برصفحہ ۲۵۶)

نثر عبارتیں درج ہیں اور قرینہ یہ چاہتا ہے کہ وہ میر صاحب کی طبع زاد بھی ہیں۔ اسی خیال سے اُن میں سے دو تین کی عبارتیں بجنسہٖ نقل کی جاتی ہیں۔ ایک وصلی غالباً نواب سکندر بیگم

(بقیہ صفحہ ۲۵۵)

ذرا سی باتوں پر لاکھوں روپیہ دے کر امیر بنا دیا۔ ایک مدت تک شان و شوکت انصاف و معدلت سے بادشاہی کی۔ جب امراض تبخیر دماغ کا غلبہ ہوا اور اطبائے حاذق و مشیران مقرب نے دل و دماغ کے لئے تفریح و عیش علاج تجویز کیا تو آپ مشاغل عیش و عشرت میں مصروف ہوتے اور اپنے خسر نواب علی نقی خاں کو معتمد سمجھ کر مدار المہام مقرر کیا اور جملہ اختیارات ان کے ہاتھ میں دیدیئے۔ اُن میں مہمات سلطنت کے بار اٹھانے کی قابلیت نہ تھی اور اپنے متوسل اشخاص کو جو محض نا اہل تھے جلیل القدر عہدے دیدیئے۔ ان ناشائستہ کرداروں نے بےقاعدگیاں شروع کیں اطراف ملک میں بدنظمی پھیلی بذات خاص بادشاہ کہ فطرتاً حسن پرست و عاشق مزاج تھے شبانہ روز نازنینان پری پیکر کے اختلاط میں مشغول رہتے اور حسن و عشق کے کرشموں میں پھنسے رہتے۔ چونکہ علم موسیقی سے خاص مناسبت تھی اور کاملین فن موجود تھے۔ نغمے و سرود کے چرچے بھی رہا کرتے۔ کرنل سلیمان صاحب نے علی نقی خاں سے بدنظمی ملک کے بارے میں ہدایت کی تو انھوں نے پروا نہ کی اور جب خود بادشاہ سے کہا تو علی نقی خاں نے جملہ ارکانِ دولت کو موافق کر کے اپنی خوش انتظامی کا ثبوت دلا دیا اور بادشاہ کے یہ امر ذہن نشین کیا کہ صاحب رزیڈنٹ مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اور میرے نکلوانے کی فکر کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اس وجہ سے کہ صاحب رزیڈنٹ اور وزیر سے اختلاف ہی اس معاملہ کو اہم نہ سمجھا اور خود معاملات سلطنت میں ہاتھ نہ ڈالا۔ کرنل سلیمان نے دورہ ملکی کر کے صدر کو رپورٹ کر دی۔ لارڈ ڈلہوزی ویسرائے گورنر جنرل نے حسب منظوری ممبران پارلیمنٹ کے جنرل اوٹرم کو ضبطی ملک کے لئے کلکتہ بھیج دیا۔ شروع جنوری ۱۸۵۶ء کو ملک اودھ جس کی آمدنی کئی کروڑ روپیہ تھی ضبط کر لیا گیا۔ سلطان عالم ۵ رجب ۱۲۷۲ھ کو اپیل کے لئے لکھنؤ سے کلکتہ تشریف لے گئے اور دار السلطنت میں اپنے پھوپا نواب حسام الدولہ بہادر کو

(بقیہ بر صفحہ ۲۵۷)

صاحبہ والیہ بھوپال کے سفر حج کے روانہ ہونے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ خود میر صاحب نے اپنے بھائی حکیم فرزند علی صاحب کو بھیجی تھی جو ان دنوں بھوپال میں افسر الاطبائی کی

(بقیہ صفحہ ٢٥٦)

نائب کر کے چھوڑ گئے بادشاہ کی بربادی پر لوگ روتے تھے اور علی نقی خاں کو نمک حرامی پر گالیاں دیتے تھے۔ یہاں کتنی کروڑ کا سامان و اثاث البیت جو پشتوں سے جمع تھا کوڑیوں کے نیلام ہو گیا۔ اس کے متعلق خود بادشاہ نے یہ شعر لکھا ہے؎

بہت عہد اقبال میں زر لٹا   مگر جب زوال آ گیا گھر لٹا

بذات خاص ہمیشہ عدل گستری ملحوظ خاطر رہی تا حد علم و آگاہی انصاف رسانی میں کبھی دریغ نہ کیا وزیر و دیگر کارپردازان سلطنت کی بدلیاقتی و کور نمکی سے یہ نتیجہ پیش آیا۔ باوجود حسن پرستی کسی کی عورت پر دست درازی نہ کی۔ رسالہ دلگداز ماہ ستمبر ١٩١٤ء میں شائع ہو چکا ہے کہ بادشاہ اگرچہ شیعہ تھے مگر مزاج میں مطلق تعصب نہ تھا۔ ان کا مقولہ تھا کہ میری دو آنکھیں ہیں ایک شیعہ اور دوسری سنی ہے۔ مٹیا برج میں سارا کاروبار سنیوں کے ہاتھ میں تھا۔ وزیر اعظم نواب منصرم الدولہ امانت الدولہ عطارد دولہ داروغہ معتبر علی خاں سب سنی تھے۔ امام باڑہ سبطین آباد اور محل کے خاص امام باڑے بیت البکا کا انتظام اور مجلسوں اور مذہبی تقریبوں کا انصرام بھی سنیوں کے ہاتھ میں تھا۔ وہاں کبھی کسی نے اس کو محسوس ہی نہیں کیا کہ کون سنی ہے اور کون شیعہ ہے۔ مذہب اثنا عشریہ میں متعہ جائز ہے اس لئے بہت سی عورتیں جو مجتمع تھیں ان سب سے متعہ کر لیا تھا غیر متوعہ عورت کی صورت دیکھنا تک گوارا نہ تھا۔ نہایت متشرع صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے تمام عمر نشے کی چیزوں سے پرہیز رہا۔ موسیقی کے ضرور شائق تھے۔ درحقیقت خوش الحانی و نغمہ سرائی وہ غذائے روحانی ہے کہ جس کے بعض سلاطین ماضیہ ابراہیم عادل شاہ وغیرہ بھی مائل و منہمک رہے ہیں۔ نماز کبھی قضا نہ ہوتی۔ تیسوں روزے رکھتے۔ آغا حجو شرف نے انقلاب لکھنو پر مثنوی لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں؎

(بقیہ برصفحہ ٢٥٨)

خدمت پر مامور تھے۔ اُس میں لکھتے ہیں:

"شوقِ وصولِ سعادت و شرفِ تقدیم مناسکِ حج بیت اللہ و طوافِ کعبۂ عظمت بنا"

(بقیہ صفحہ ۲۵۷)

سنو حال واجد علی شاہ کا — فسانہ ہے سلطانِ ذی جاہ کا
رہا دس برس ملک زیرِ نگیں — ستایا مٹایا کسی کو نہیں
عمائد ہزاروں ہی ممتاز تھے — کئی لاکھ بندے سرافراز تھے
سلیمن بہادر کا کھٹا ہوا — اودھ میں نہ حضرت کا رہنا ہوا

سلطانِ عالم عمارت کے اتنے شوقین تھے کہ بعد شاہجہان کے اتنی عمارتیں کسی بادشاہ نے نہ بنوائی ہونگی۔ لکھنؤ میں قیصر باغ اور اُس کے گرد کی عمارتیں اور اپنے والد کا مقبرہ اور امام باڑہ تعمیر کیا۔ مگر مٹیا برج کلکتہ کو عمارتوں اور چمنوں سے رشکِ ارم اور نمونہ پرستان بنا دیا۔ چنانچہ سلطان خانہ شہنشاہ منزل، عدالت منزل، مرصع منزل، اسد منزل، نور منزل، پیری منزل، تہنیت منزل، حور منزل، آسمانی، بادامی، تفریح بخش، قصر البیضا، بیسیوں عالی شان کوٹھیاں جن کی آراستگی قابلِ دید تھی بنوائیں۔ جانور خانہ اور رمنہ وہ لاجواب تھا جس کو دیکھکر حیرت ہو جاتی۔ دنیا کا ہر ایک چرند پرند اُس میں موجود تھا۔ تماشائیوں کا ہر وقت ہجوم رہتا۔ شہنشاہ منزل کے آگے ایک ڈیڑھ بیگھ کے گہرے حوض کے اندر ایک پہاڑ کی بنیاد اُٹھائی اس کے اندر صدہا نل دوڑائے اور اُن میں ہزارہا سانپ چھوڑ دیئے جو ہر وقت تماشائیوں کے سامنے دوڑتے اور رینگتے تھے۔ یہ دنیا میں بالکل نئی ایجاد تھی۔ یورپ و امریکہ کے سیاح اس کے فوٹو اُتار کے لے گئے۔ آٹھ سو سے زیادہ جانور باز پالتو مالی ملازم تھے۔ ریحان الدولہ مہتمم الدولہ کو پچیس ہزار ماہوار مصارف کے لئے ملا کرتے ہزارہا قدیم متوسل تا زیست ہمراہ رکاب رہے اور ان کی پرورش بادشاہ کے ذمہ تھی۔ لکھنؤ کی منتخب صحبت ہمیشہ پاس رہی۔ علما شعرا اتقیا بذلہ سنج اہل کمال حاضر دربار رہتے۔ مٹیا برج میں تخمیناً چالیس ہزار سے زیادہ مردم شماری لو احقین و نمک خواروں کی تھی کلکتہ میں ایک دوسرا لکھنؤ آباد

(بقیہ بر صفحہ ۲۵۹)

دزیارت روضہ مقدسہ حبیب خدا اشرف الانبیا وعلی الہ واصحابہ درجوش نفس مقدس
حضرت اقدس و فکر تہیہ آں سفر مبارک تنہا دوش بردوش بود اما بسبب موانع گوناگوں

(بقیہ صفحہ ۲۵۸)

ہوگیا تھا۔ محلات کی ڈیوڑھیوں پر ایسی حسین صورتیں دیکھنے اور فصیح و دلکش باتیں سننے میں آجاتیں کہ مدۃ العمر آدمی نہ بھولتے۔ باوجود کثرت افکار اکثر اوقات بادشاہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ نظم و نثر کا ان کی بزم میں اس قدر چرچا تھا کہ تحریر درکنار گفتگو میں مجال نہ تھی کہ کسی کی زبان سے کوئی غلط یا خلاف محاورہ لفظ نکل جائے جو رطب و یابس کلام ہے وہ کل انھیں کا ہے کسی دوسرے کی مجال نہ تھی کہ سوائے تعریف ایک لفظ کا ردوبدل کرسکتا تصنیف سلطانی سے بعض کتابیں راقم کی نظر سے گزر چکی ہیں انجمن اختری واقع مٹیا برج میں اب بھی بہت سی تصنیفات کا حصہ موجود ہے۔ فہرست تصانیف یہ ہے۔ شیوع فیض، قمر مضمون، سخن اشرف، گلدستہ عاشقاں، اختر ملک، نظم نامور دفتر پریشاں، مصائب سید الشہدا، مقتل معتبر، ہیئت حیدری، قصائد مبارک، مثنوی حزن اختر سرور سلطانی، جوہر عروض، ارشاد خاقانی، دستور واجدی، تاریخ پری خانہ، مثنوی غزالہ سکر کتاب ناجو، رسالہ ایمان، نصائح اختری، افسانہ عشق، مباحثہ بین النفس والعقل، عشق نامہ مبارک ملاذ الکلمات، لغت تجنیس، دیوان سلام، بحر الہدایت، بحر مختلف، بنی، تاریخ مذہب، تاریخ ممتاز تاریخ خاص، تاریخ عراق، خطبات محلات، تاریخ مشغلہ، تاریخ نور، تاریخ جمشیدی تاریخ ہز، تجلی عشق، دریائے عشق، دفتر ہمایوں، صحیفہ سلطانی، صوت المبارک، کلمات اختری ریاض القلوب، نبات القلوب، کلمات سوم، مسودات مرثیہ، ناجی نامہ، مرقع فرخ، لغت منفت زبان بالآخر چند امراض میں مبتلا رہکر ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء مطابق ۳ محرم ۱۳۰۵ھ کو بمقام کلکتہ مٹیا برج سلطان خانہ میں دار فانی سے ملک بقا کو انتقال فرمایا۔ امام باڑہ سبطین آباد میں دفن کئے گئے۔ راقم آپ کے مدفن پر حاضر ہوا ہے در و دیوار پر حسرت برس رہی ہے۔ راقم کی فرمایش سے آپ کے داماد و بھتیجے پرنس میرزا محمد ثریا قدر بہادر ابن شاہزادہ سلیمان قدر بہادر نے چند قطعات رحلت لکھکر عنایت کئے جو

(بقیہ صفحہ ۲۶۰)

دعواق بوقلمون کہ اہم آں نظم ونسق مملکت و انتظام وارائی سلطنت باشد ایں عزم از قوۃ
بفعل نمیرسد وایں تمنا از خفا سر بظہور نمی کشید بالآخر در سال یک ہزار و دو صد ہشتاد ہجری

(بقیہ صفحہ ۲۵۹)

درج کئے جاتے ہیں ؎

اے ثریا انقلاباتِ جہاں بھی ہیں عجیب ۔۔۔ قبل تھے واجد علی شہ لکھنؤ میں حکمراں
اُس گھڑی اخترنگر کا تھا ستارہ اوج پر ۔۔۔ ہُن برستا تھا زمیں گویا تھی رشکِ آسماں
کل رعایا شہر کی سب خرم و آباد تھی ۔۔۔ ہوتا تھا پرجہ پہ بھی ہر اک کو راجہ کا گماں
مشغلۂ سلطانیہ شاہد عدل و کرم ۔۔۔ وجد میں تھی جس سے روحِ حاتم و نوشیرواں
شاہ کو جملہ فنون و علم میں تھی دستگاہ ۔۔۔ اُن کی تصنیفات سے اخفا نہیں سب ہے عیاں
صاحبِ خلق و مروت خوبصورت بردبار ۔۔۔ اشجع و منصف جری باعث قانع مہرباں
زہد و ورع، اتقا و متصف جملہ صفات ۔۔۔ اور پابند صلوٰۃ و صوم یکتائے زماں
الغرض ہر بات میں تھے کامل و اکمل جناب ۔۔۔ اب تلک ایسا بادشہ کوئی نہیں گزرا یہاں
ان کی پھر دار الخلافت شہر کلکتہ ہوا ۔۔۔ بڑھ کے پیرس سے تھی مٹیا برج کی بھی عزوشاں

جانبِ ملک عدم پھر رخ کیا ہو کر بہ تنگ
اب ہے دار السلطنت شاہِ اودھ سوئے جناں

۱۳۰۵ھ

ایضاً فارسی

فرمود انتقال چو شہ نامدار ما ۔۔۔ صد حیف حضرت شہ اختر خجستہ رائے
تاریخ ارتحال ثریا بگو چنیں ۔۔۔ تاج از سر اودھ بزمیں اوفتادہ ہائے

۱۳۰۵ھ

(بقیہ برصفحہ ۲۶۱)

عنانِ ضبط از دست اختیار رہا گردید "

ایک دوسری وصلی بھی کسی نثر عبارت کی تعریف میں تحریر فرماتے ہیں :-

(بقیہ صفحہ ۲۶۰)

انتخاب کلام حضرت سلطان عالم محمدؐ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ متخلص اختر

فاختہ ہوں میں گل سی صورت کا　　سروِ آزاد ہوں محبت کا
چال سے ان کی حشر برپا ہے　　قد بھی مضمون ہے قیامت کا

جب کبھی برسات کی رت آگئی　　یاں گھٹا الفت کی دل پر چھا گئی
خضر دل تو چھوڑ دے الفت کی راہ　　اب طبیعت عشق سے گھبرا گئی

وہ معشوقِ حقیقی ہے جو بے غم ہے زمانے میں　　مجھے دوچار دل اس طرح کے لا دو جو بے غم ہوں
یہی منظور ہے دم بھر نہ ہوں وہ دور آنکھوں سے　　میری آنکھوں میں پتلی کی طرح وہ پاس ہر دم ہوں

یہی تشویش شب و روز ہے بنگالہ میں　　لکھنو پھر بھی دکھائے گا مقدر میرا
سلطنت چھوڑ دی درویشوں کی صحبت کے لئے　　صنعتِ عشق میں کوئی نہیں ہمسر میرا

ہاں وطن دیکھوں تو ہو شاد دلِ زار مرا　　یہ بھی ممکن ہے کہ روتے کو ہنسائے غربت
یوں تو شاہانِ جہاں پہ ہے پڑا وقت مگر　　ختم ہے اختر بیکس پہ جفائے غربت

ملیں غیر ہم پاس سے دور ہوں　　اجی اپنی اپنی یہ تقدیر ہے

گاؤں دسہرے کو کوئی پیٹھ　　خواب میں بھی یہی خیال رہا

بوسہ رخ سے جو شرمائی ہوئی آتی ہے　　نکہت زلف ہے بل کھائی ہوئی آتی ہے

بہت زخم جراح تو نے بھرے ہیں　　مرے داغ کا کوئی مرہم نہ نکلا

فقیری فخرِ شاہاں ہے یہ قول احمدؐ کا ہے اے دل　　بڑا ہے تخت سلطاں سے کہیں پایہ توکل کا

کل قیصر و خاقان شہنشاہ جہاں تھے　　ڈھونڈھا نظر آیا نہیں تربت کا نشاں آج

نکالوں کس طرح دل سے تمہارے تیر مژگاں کو　　مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

(بقیہ بر صفحہ ۲۶۲)

"و نہایت ہجوم ذوق آتش محبت زمانہ کشیدہ واز کلک انجم سلک نثرے شوق انگیز تراوش رسیدہ کہ اشعہ بارقہ عبارت دل فروش در فضاے لامکاں تیابید د

(بقیہ صفحہ ۲۶۱)

بقا جس کو ہے وہ راہِ عدم ہے اے مسافر سن — بناتا ہے کہاں پر قصر یہ تو دارِ فانی ہے
تری یاد کا دل میں وہ جوش ہے — غمِ دین و دنیا فراموش ہے
فوجِ حسن آج چڑھی آتی ہے اے شاہِ ادا — عشق نے لوٹ لیا سب کو دہائی تیری
سوتا ہوں بحرِ نغمہ کا میں بادشاہ ہوں — اے بھیرویں ادب سے یہ شہر پلنگ ہے
اختر ہوں میں فرزند میرے کوکب برجیس — روشن ہے مہ و مہر سے گھر بھر کا تخلص
قید ہونے سے کہیں لٹے ریاست جائیگی — لاکھ گردشِ آسماں کو ہو زمیں ہوتی نہیں
نہیں چاہیئے قصرِ فردوس زاہد — مجھے ہے فقط کوئے جاناں سے مطلب
وحشتِ دل سلیماں کی طرح پروا ہے — لکھنؤ میرا جی رشکِ پرستاں ہو جائے

بنا دے نور کا پتلا خدایا میری مٹی کو — بتوں کے واسطے پتھر کا کر دے قلب کو جی کو
نصیبوں پر ہمارے سنگِ دل آنسو بہاتے ہیں — کرے گا شمع رو کیا موم اپنی تیرہ بختی کو
اڑا دے گی مثالِ کاہ وحشی بھر چرخِ گرداں کو — گلا دے گی ہماری آہ پتھر کی بھی سختی کو
سگِ کوئے صنم کی نذر کیا ہوگا بتا اے دل — جلایا سوزِ غم نے چوب سا ہر ایک ہڈی کو
ہر ایک نالہ سے امواجِ صبا پانی سے ہوتی ہے — سمندر کر دیا اشکِ الم دیدہ نے ندی کو
گہر دُر لعل ہیں یاقوت ہیں یا پھول جھڑتے ہیں — شرف پاتے زبانِ یار پہ دیکھا ہے گالی کو
گرو حسنِ دو روزہ پر نہ غرّہ اے پری زادوں — لئے پھرتے ہو صیادو عبث دھوکے کی ٹٹی کو

(انتخاب از عشق نامہ مبارک)

کروں پہلے حمدِ خدائے کریم — خبیر و قدیر و غفورؒ رحیم
پس از حمد نعتِ محمدؐ کروں — ثنا خوانیِ آلِ احمدؐ کروں

(بقیہ بر صفحہ ۲۶۳)

دبیر فلک بشنیدن این معجز نگاری کہ اتفاق تحریرش بکمال تعجیل در زمانہ
از عہدۂ خود کشید الحق گلشن تازہ بہار اعجاز بر صفحات قرطاس دمیدہ و دوائین

(بقیہ صفحہ ۲۶۲)

وہ احمد جو محبوب اللہ ہے — وہ حق سے تو حق اُس سے آگاہ ہے
اگر عشق ہوتا نہ مطلوب حق — تو ہوتے پیمبر نہ محبوب حق
دکھاتا نہ جلوہ جو حسن قدیم — نہ ہوتے کبھی طور پر غش کلیم
کہیں شمع خورشید کا نور ہے — کہیں شعلۂ مشعل طور ہے
سرشک آنکھ میں ہے یہ سینہ میں داغ — چمن میں ہے گل انجمن میں چراغ
جو لیلیٰ کی زلف گرہ گیر ہے — تو پھر پاتے مجنوں کی زنجیر ہے
نہاں رنگ اُس کا ہے ہر رنگ میں — صدف میں گہر لعل ہے سنگ میں
کہیں سنگ میں وہ شرارا ہوا — فلک پر جو پہونچا ستارا ہوا
جو آنکھوں میں پہونچا تو جادو ہوا — بیابان میں آیا تو آہو ہوا
کبھی تیر غم کا نشانہ ہوا — کبھی زلف شاہد میں شانہ ہوا
نیا ساقیا آج سامان ہو — وہ دے دے شرابوں کی جو جان ہو
ہوا نصف جب ماہِ شعبان تمام — وہ تھا روز مولود شاہِ انام
ہوئی قصر خاقاں میں مجلس کی زیب — جو تیاریاں تھیں وہ سب دل فریب
وہ آئینہ جس کو حلب باج دے — جو چاہے سکندر بھی منہ دیکھ لے
عیاں ہر طرف جلوۂ طور تھا — جدھر دیکھئے عالم نور تھا
عجب نغمۂ لذت آمیز تھے — کہ ہر سمت طوطی شکر ریز تھے
دوپٹے گرے اور کھلی کاکلیں — چہکتی تھی گلزار میں بلبلیں
نگاہوں میں جب دم لگے تولنے — ہمارا بھی طوطی لگا بولنے

(بقیہ بر صفحہ ۲۶۴)

و نہایت ہجو مے سطور گردیدہ فقرا تش با سلسلہ انوار تجلیات ہم پیوندست چہ احتیم
تراوش رسید یں ملونیاں از جلا نہ پزیرد "

(بقیہ صفحہ ۲۶۳)

نمونہ نثر نامہ بنام ممتاز جہاں نواب اکلیل محل صاحبہ (بطور اختصار)

ملکہ عالمیان سلامت۔ ہائے افسوس کیسے کیسے جلسے دن رات رہتے تھے ہمارے تمہارے دشمن کبھی یوں رنج و فراق زندان کا ہے کو سہتے تھے چمن ذر گل سے مالا مال تھے۔ درختان باغستان سرتا پا نہال تھے۔ آہ کس کی نظر لگ گئی۔ جو صیاد کو بلبلوں سے کد ہو گئی شکوہ بیجا ہے۔ تقدیر کا لکھا ہے اس کا اظہار آہ و فریاد ہے۔ اے میری جان، ملے زوجۂ سلطان اسی کاتب و خوشنویس و خوش فکر و خوش تقریر کے آگے بھی تحریر کر چکا ہوں۔ رویاے صادقہ بھی تم نے اسی سے لکھوایا تھا اُسے پڑھوا کر ایک ایک لفظ پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے رلوایا تھا اس کاتب خوش تقریر کا نام لکھو اور بحر متقارب مثمن مقصور الآخر میں کچھ کلام لکھوا بھجو اس کے نام کو اپنے دفتر پر لکھ لیں اور خطاب اس کا راقم عشق اختر رکھ دیں۔ یہ شاعر نایاب در خوش آب ہے میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے عشق کا مزہ اس کی زبان سے سنوں وجد میں آ کر مزے اٹھاؤں سر دھنوں تمہارے حسن اور ہمارے عشق کا تا قیامت نام ہوگا۔ بقلم پر الم جان عالم ۴ ر ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ ہجری

سلطان عالم کی قابل بیگمات :

حضرت بادشاہ کے محلات میں بعض بیگمیں نہایت ذی علم و شاعرہ تھیں چنانچہ نواب خسرو بیگم معشوقۃ السلطان عرف چھوٹی بیگم صاحبہ متشرع اور دیندار تھیں انہوں نے حج بھی کیا تھا مدینہ منورہ اور کربلاء معلےٰ بھی حاضر ہوئیں ان کو گانے بجانے سے قطعاً پرہیز تھا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھی نہ کھاتی تھیں شبانہ روز روزے نماز و عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں اور عمر صرف بیس بائیس برس کی تھی عین شباب میں ایسی شریعت کی پابندی اختیار کی تھی سلطان عالم نے جو اشعار ان کی تعریف میں لکھ کر چھپوائے اُن میں ان خوبیوں اور پرہیزگاری کا خود تذکرہ فرمایا ہے

(بقیہ برصفحہ ۲۶۵)

تیسری وصلی کی عبارت میں حمد و ثنا کو نہایت فصیح بلیغ الفاظ میں ادا
حسب ذیل ہے ؛

(بقیہ صفحہ ۲۶۴)

راقم نے یہ طول طویل نظمیں پڑھی ہیں مگر طوالت کے اندیشہ سے نہیں لکھیں۔

ملکہ وہر نواب نوروزی بیگم صاحبہ بھی شاعرہ تھیں جن کے متعلق خود بادشاہ موصوف لکھتے ہیں ؎ اے قمری قدِ جانِ عالم اے شاعر و نکتہ دانِ عالم

محبوبہ محل نواب مغل صاحبہ بڑی صاحب علم ادیب فصیح البیان تھیں ان کا دیوان و متعدد رسالے چھپکر شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے نام اکثر منظوم نامے بادشاہ سلامت نے لکھے جو طبع ہو گئے چنانچہ سلطان عالم بیگم صاحبہ کے کلام کی تعریف میں لکھتے ہیں ؎

دل میں مدآئی غزل لکھنؤ لکھی جو بھی خوش عمل لکھنؤ
قافیوں میں بھی اضافت قریں چمکی ردیف اُس سے عجب نازنیں۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں ؎

جب پڑھا جان میں نے تیرا کلام دونوں ہاتھوں سے بس لیا دل تھام
نظم میں دیکھا جو ترا بند و بست دستِ عطارد کا قلم ہو شکست

بیگم صاحبہ کے کلام سے دو غزلیں یہاں پر لکھی جاتی ہیں ؎

عجب طرح کا ملال ہے مجھ کو خود بخود جی نڈھال ہے مجھ کو
بتاؤں میں کیا جو حال ہے کچھ تجھے بھی ظالم خیال ہے مجھ کو
بعید ہے عقل سے سراپا خیال ہم سے اور امتحاں کا
ہمارے آگے بھی جان دینا بھلا بتاؤ محال ہے مجھ کو
کہاں یہ رخسار اور ابرو کہاں یہ چشم و دہان گیسو
تمھارے نزدیک اے پری رو قمر کا حسن و جمال ہے مجھ کو
وفا میں جب چاہو آزما لو جو دل میں ہو حوصلہ نکالو
جھکائے ہیں سر کو تیغ پر تو شہید کرنا محال ہے مجھ کو
ہوا ہے محبوب ہمتہ مفتوں پڑھا ہے کیسا یہ تم نے افسوں
تڑپ رہا ہے وہ زار و محزوں اسی کا لازم خیال ہے مجھ کو

(ایضاً) آ اس طرح بھی سروِ خراماں کبھی کبھی
میرا مکان ہو رشکِ گلستاں کبھی کبھی

(بقیہ برصفحہ ۲۶۶)

"دنہایت ہجوم اے کہ بہار را موجِ نکہتِ گل کمند بدوش ساخت تا دیوانہ مشربان وادی تراوشِ ریسمانِ جیب جوشِ وحشت بدست آید و ہوا را باد بہاری ہم آغوش فرمود تا نا میہ را"

(بقیہ صفحہ ۲۶۵)

راضی تو ہو وصال پہ اے جاں کبھی کبھی
دکھلاؤ مجکو عیش کا ساماں کبھی کبھی

آ جاؤ سوئے گورِ غریباں کبھی کبھی
لازم ہے میری روح پہ احساں کبھی کبھی

وہ ولولے شباب کے اور وہ جنوں کہاں
وحشت میں پھاڑتا ہوں گریباں کبھی کبھی

دو مژدۂ وصال دلِ ناصبور کو
مردہ جلاؤ عیسیٰ دوراں کبھی کبھی

تم سے سوائے رنج ہمیں کیا حصول ہے
انصاف تو کیا کرو اے جاں کبھی کبھی

اقرار وصل سے ہے جو انکار اس قدر
بوسہ ہی ہم کو دو شہ خوباں کبھی کبھی

محبوب لاکھ شکر کہ ہوتے ہیں مدح خواں
میرا کلام سنکے سخنداں کبھی کبھی

نواب خاص محل صاحبہ کو بھی شعر گوئی میں کمال تھا صاحبِ دیوان ہیں ان کا دیوان جس کا تاریخی نام (بیاضِ عشاق) ۱۲۸۲ھ ہے طبع ہو چکا ہے۔ عالم تخلص تھا۔ ایک مثنوی ان کی موسومہ بہ مثنوی عالم لکھنؤ میں طبع ہو کر فخر المطابع سے شائع ہوئی ہے۔ آپ ہی کے بطن سے مرزا ولی عہد بہادر نامور شہزادے تھے مثنوی مذکور سے چند شعر اور ایک غزل یہاں پر درج کی جاتی ہے

شعر کہنے کا ایسا رنگ ہوا
قافیہ شاعروں کا تنگ ہوا

سیرِ گلزار اپنے دل میں ہے
دید کا شوق آبِ گل میں ہے

اک طرف غنچے مسکراتے تھے
پیرہن گل میں نہ سماتے تھے

تاکِ انگور پر تھا وہ عالم
مست تا کا کریں جنھیں پیہم

زلفِ سنبل تھی رشکِ زلفِ بتاں
چشمِ نرگس تھی چشمِ حورِ جناں

چینی کے ناندوں میں تھے قلمی آم
خاص ان پر نثار صدقے عام

(بقیہ بر صفحہ ۲۶۷)

(بقیہ صفحہ ۲۶۶)

غزل

یقیں اس بات کا لانا خدا ہی عالم و دانا
تصدق تجھپہ ہوں جاناں مجھے کہتے ہیں پروانہ

سدا رہتی ہیں آنکھیں تر، جنوں سے حال ہی ابتر
کہاں تک ٹھوکریں در در بنا کر مجھکو دیوانہ

ارے ساقی جگر ہو خوں نشہ عشق کا افزوں
رہیں آنکھیں سدا میگوں پلا وہ جامِ مستانہ

نہ کی کچھ قدر جیتے جی نہ سمجھی عاشقی میری
کہے گا کیا تمھیں کوئی سُنے گا جب یہ افسانہ

رہوں اس پر فدا ہر دم مئے الفت پیوں پیہم
جہاں کا جب تلک عالم رہے آباد میخانہ

بعض بیگمات جو لکھنؤ میں رہ گئی تھیں وہ شہزادہ قمر قدر بہادر کے ہمراہ بعد غدر کے حسب الطلب کلکتے کو گئی تھیں ان میں سے چند بیگمیں پھر حسب الحکم لکھنؤ واپس آئی تھیں ان کے نام سرکار سے نوٹ جاگیر شاہی زمانہ کے مطابق جاری ہوئے تھے - جب واجد علی شاہ نے ایک قصیدہ نواب گورنر جنرل کی مدح میں لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

مشیرِ خاص شاہنشاہ انگلستان بحر و بر
تمھیں فرمانروائے ہندوستان معظم ہو

اور وہ قصیدہ نواب گورنر جنرل کی نظر سے گزرا تو حکم دیا کہ جو بادشاہ طلب کریں بے تامل بھیجدو - چنانچہ دو لاکھ روپیہ بادشاہ نے منگوائے اور لکھنؤ میں معہ تحائف کے بیگمات کو بھیجدیئے کیونکہ غدر میں محلات کے سامان لٹنے کا حال سن چکے تھے - بادشاہ اور بیگمات سے جو خط و کتابت رہتی اس میں نظم و نثر بہت دلکش ہوتی - راقم کے پاس بھی اُن کا حصہ موجود ہے مگر بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے -

---

پرورده آغوش صدف رحمت ست و لعل گراں بہائے نفس نفیس احمد تربیت یافتہ کنار معدن مکرمت اوست زہے دُرّ یگانہ باآب و تاب کہ بہ عکس اندازیش عرش و کرسی روشنائی گرفت و خہے لعل درخشاں رشک آفتاب"

برجستہ تاریخ کہنے میں میر صاحب کو جو اعلیٰ ملکہ حاصل تھا اُس کا ثبوت دینے کے لئے ان کی چند تاریخیں درج کی جاتی ہیں۔

سنہ ۱۲۹۳ھ میں حکیم سید فرزند علی صاحب کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا اور اُس کی ولادت کے ساتھ ہی ان کی اہل خانہ نے انتقال کیا۔ میر صاحب نے اس پر یہ مادہ تاریخ نکالا

پسر آمدہ جانِ مادر برفت

۱۲۹۳ھ

پھر اُس پر حسب ذیل مصرعے لگائے ؎

تولد چو فرزندِ فرزند گشت | ز فرطِ خوشی جانِ مادر برفت
زشربِ شرابِ نشاط و الم | بحیرت شدم ہوشم از سر برفت
نجفؔ سالِ ایں شادی مرگ گفت | **پسر آمدہ جانِ مادر برفت**

۱۲۹۳ھ

پھر اسی مادہ کو کمال طباعی سے بدلا ہے اور اُس میں تعمیہ کرکے سنہ مذکور نکالا ہے جو حسب ذیل ہے ؎

چو در خانۂ سیدِ ذی وقار | بہ تولید فرزند مادر برفت
پئے سالِ تاریخ شادی و غم | بحیرت شدم ہوشم از سر برفت
نجفؔ از سرِ بہجت و روئے آہ | گفتہ پسر ماند و مادر برفت

اسی سانحہ کی اُردو تاریخ بھی نہایت لطافت سے نکالی ہے جو بہت قابل توصیف ہے

وہ مصرع یہ ہے ؎

چھپا ماہ خورشید طالع ہوا

۱۲۹۳ھ

۱۲۸۶ھ میں واجد علی شاہ نے مٹیا برج واقع کلکتہ میں ایک نہایت عالی شان کوٹھی تعمیر فرمائی اُس کے رو کار پر دو بہت بڑی بڑی مچھلیاں بنائی گئی تھیں جو قریب قریب ساری کوٹھی کو ایک گنبد کی شان سے اپنے آغوش میں لئے ہوئے تھیں اور اُن پہ اول سے آخر تک پورا سونا پھیر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ کوٹھی ایک بقعۂ نور نظر آتی اسی مناسبت سے اُس کا نام نور منزل رکھا گیا تھا اور اس کے گرد بادشاہ کا مشہور رمنہ تھا جس میں ہزاروں چرند و پرند چھوٹے ہوئے تھے بادشاہ کا شوق دیکھکر صدہا شعرا نے تعمیر کی تاریخیں کہیں میر صاحب نے بھی اس پر طبع آزمائی کی اور یہ تاریخ موزوں فرمائی ؎

چو ایں کوٹھی نور منزل بنا کرد — شہنشاہ ذی جود سلطان عادل

پئے سالِ تاریخ چوں فکر کردم — بگفتہ نجف نور بخش منازل

۱۲۸۶ھ

اس میں شک نہیں کہ نواب شاہرخ بیگم بادشاہ کے پاس بعد غدر کلکتے چلی گئی تھیں اور یہ بھی یقینی ہے کہ میر صاحب بھی کلکتے گئے تھے لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہاں بھی ان کو بیگم صاحبہ ممدوحہ کی سرکار سے تعلق تھا یا نہیں لیکن نور منزل کی تعمیر کے زمانہ میں میر صاحب کلکتہ میں ضرور موجود تھے۔

میر صاحب کے اردو کلام کا نمونہ دکھانے کے لئے ان کی ایک غزل نذر ناظرین کی جاتی ہے

غزل

ہمارے دل میں یہ قاتل ہے آرزو باقی — رہے گلو میں تارِ رگِ گلو باقی

یہ جام ہاتھ سے کیوں تو نے رکھدیا ساقی ۔۔۔۔ شراب خم میں ابھی ہے کئی سبو باقی
جوانی گزری لڑکپن گیا ضعیف ہوئے ۔۔۔۔ بس اب ہے خاک میں ملنے کی آرزو باقی
لٹک رہے ہیں دلِ عشاق ہیں نجف اتنے
نہیں ہے گیسوئے جاناں میں ایک مو باقی

میر صاحب پر لکھنؤ کی معاشرت اور فصیح و دلچسپ زبان کا اس قدر اثر تھا کہ خاندان کو چھوڑ کر لکھنؤ کے ایک شریف خاندان میں یعنی حاجی معظم صاحب کی صاحبزادی سے جو محمد حسین صاحب کی ہمشیرہ اور مستقیم خاں صاحب کی نواسی تھیں اور جن کی سکونت ٹیری بازار میں تھی شادی کر لی اور اسی چیز نے آپ کو دوسرے بھائیوں کے خلاف زیادہ لکھنوی بنا دیا۔ میر صاحب کی جملہ اولاد انھیں بیوی سے ہوئی۔

جب ستر اسی برس کی عمر کو پہونچ گئے تو ۱۲۹۷ھ ہجری کے آخر ایام میں بیمار ہوئے اور وہی بیماری مرض الموت ثابت ہوئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ زندگی ہی میں مرنے سے پیشتر ان کے آنکھوں کے سامنے سے پردہ حجاب اٹھ گیا تھا۔ حواس درست تھے مگر عالم آخرت کی چیزیں نظر کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ چونکہ تحریر کا شوق زندگی بھر رہا تھا لہذا قلم دوات منگوا کر تمام نئی باتوں کو جو نظر کے سامنے گزر رہی تھیں قلمبند کیا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر اس کاغذ کو خود ہی چاک کر ڈالا۔ اور فرمانے لگے کہ اسرارِ الٰہی کا فاش کرنا مناسب نہیں ان کے پیر بھائی شاہ طالب حسین صاحب مجیب جو ایک روشن ضمیر بزرگ اور مرشد مرحوم کے سجادہ نشین تھے خود خاکسار سے بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ پیر مرشد کے مزار کا کلس ٹوٹ کے زمین پر آ رہا۔ اس خواب کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور پریشان تھا کہ کوئی غمناک حادثہ ضرور پیش آنے والا ہے دو ہی چار روز بعد یکم ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ ہجری کو شاہ آباد میں میر نجف علی صاحب نے انتقال کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس خواب کی تعبیر یہی تھی۔

بیسویں نومبر ۱۸۸۰ء اخبار نور الانوار کانپور میں مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی نے میر صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر ان الفاظ میں شائع کی۔

وفات جناب حکیم سید فرزند علی صاحب رئیس شاہ آباد ضلع ہردوئی صوبہ اودھ سابق افسر الاطبا ممالک بھوپال کے بڑے بھائی جناب سید نجف علی صاحب نے ۲ ر ذی الحجہ کو بمقام شاہ آباد اس دار فانی سے رحلت فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون اس خبر وحشت اثر کے سننے سے بندۂ خاکسار مہتمم نور الانوار کو سخت صدمہ و ملال ہوا چونکہ ایسے حوادثات ناگزیر ہیں انسان کو بجز صبر و شکیبائی کے چارہ نہیں لہٰذا بمجبوری صبر کرکے مغفرت جناب مرحوم کا درگاہ غفور رحیم میں خواہاں ہوا اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو خلد بریں عنایت کرے اور ہمارے توجہ فرما حکیم صاحب موصوف کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

شاہ آباد کے محلہ بالائے کوٹ میں میر صاحب دفن ہوئے اور قبر پر ایک عمارت تعمیر ہوگئی جہاں ہر سال دوسری ذی الحجہ کو عرس ہوا کرتا ہے ان کی تاریخ وفات میں خاکسار نے یہ قطعہ تصنیف کیا جو ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے ؎

مجمع علم و ہنر مقبول حق ہر دل عزیز ‏ ‏ ‏ ‏ خوشنویس و خوش بیان و طوطیِ شکر مقال
منبعِ صبر و قناعت مخزنِ اسرارِ حق ‏ ‏ ‏ ‏ معدنِ انوارِ یزداں مظہرِ علم و کمال
ہر کہ آمد بر درش گشت از فیوضش شادماں ‏ ‏ ‏ ‏ بود خاکِ آستانش دافعِ حزن و ملال
بود آں دُرِّ نجف از معدنِ شاہِ نجف ‏ ‏ ‏ ‏ مرقدش بادا زیارت گاہ ہر نیکو خصال
چوں مظفر سال پرسیدم ز ہاتف ناگہاں ‏ ‏ ‏ ‏ گفت والا منزلت جنت نصیب اہل کمال

۱۲۹۷ھ

شاہ طالب حسین صاحب مجیب نے جن کا تذکرہ ابھی اوپر آچکا ہے میر صاحب کی تعزیت میں مرثیہ کے طور پر چند اشعار کہے تھے جو ان کے دیوان جام جم میں موجود ہیں اور اس کے بعض اشعار نقل کئے جاتے ہیں ؎

کھینچتے تھے جو عطارد کے رقم پر خطِ نسخ | نوحہ خواں ہے حال پر ان کے قلم وہ چل بسے
جن کے مقدم کے رہا کرتے تھے ہم اُمیدوار | رکھ کے سینہ پر ہمارے کوہِ غم وہ چل بسے
بات سے جن کی ہوا کرتا تھا اپنے دل کو حظ | مرثیہ کرتا ہوں میں ان کا رقم وہ چل بسے

اب نہ اس دنیا میں رہنے کا مزہ ہے اے حجیب
لطف جن سے زندگی کا تھا ہم وہ چل بسے

اولاد ۔ میر صاحب نے اپنی یادگار میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں بڑے صاحبزادے سید واجد علی صاحب اب تک زندہ و سالم موجود ہیں ریاست حیدرآباد سے ان کو تیس ۳۰ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے ۔ منجھلے سید خورشید علی کرنل برڈو کمشنر دہلی کی سفارش سے دہلی میں کلکٹری کے اہلمد مقرر ہو گئے تھے کئی سال تک نیک نامی سے کام کرتے رہے اور کرنل صاحب موصوف کی نظر عنایت سے ترقی کی بہت کچھ اُمیدیں تھیں کہ یکایک ہیضہ میں مبتلا ہو کر جوانمرگ لاولد چل بسے ۔

تیسرے فرزند سید فضل عظیم پہلے کوہ منصوری پر پیمائش کا کام کرتے تھے ۔ بعد ازاں دو سو روپیہ ماہوار کے نوکر ہو کر صوبہ برار میں گئے ۔ ایک مدت تک وہاں کام کیا اور کئی سال ہوئے کہ وہ بھی جوانی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ ان کی اولاد موجود ہے صاحبزادیوں میں سے بڑی شیخ سبحان علی صاحب کو منسوب ہوئیں ۔ ان کے فرزند منشی احسان علی ٹھیکیدار جنگلات ہیں ۔

چھوٹی صاحبزادی کا عقد حکیم مولوی سید علی صاحب ملیح آبادی کے ساتھ ہوا جو ریاست حیدرآباد میں دیوانی کے مختلف عہدوں پر ترقی کرتے کرتے ناظم دار القضا اور سشن جج کے درجہ تک پہنچ گئے ۔ بڑے عالم و فاضل عابد و زاہد اور صوفی مشرب بزرگ ہیں ریاست سے رخصت حاصل کر کے سفر حجاز کیا زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کر کے واپس آئے ۔ چند روز کے بعد پانسو روپیہ ماہوار وظیفے پر اپنے خدمات سے سبکدوش

ہوئے اور اس وظیفہ کے علاوہ اور سو روپیہ اعزازی منصب بھی سرکار آصفیہ سے مل رہا ہے۔ اتفاقیہ طور پر وطن اور لکھنؤ میں تشریف لاتے ہیں مستقل طور پر حیدرآباد ہی میں مقیم رہتے ہیں۔

سید ضامن علی صاحب

آپ حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطبائی اور صوفی میر نجف علی صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ آپ کی خوش نصیبی اسی سے ظاہر ہے کہ اولاد نہایت نامور و ذی لیاقت ہوئی آپ نے علمی لیاقت اور سپہ گری کے ہر ایک فن سے حصہ پایا تھا۔ علم اور قلم دونوں جوہر چمکائے۔ دارالسلطنت لکھنؤ میں تمنداری کے عہدے پر ملازم رہے۔ اس کے بعد کارگزاری کے صلہ میں کہ ایک سرکش راجہ کو اپنی غیر معمولی جرأت و حکمت عملی سے تنہا گرفتار کرلائے تھے تمنداری سے نائب چکلہ داری کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ ایک مدت تک داروغہ حسین خاں چکلہ دار خیرآباد کے نائب چکلہ دار رہے۔ چکلہ دار مذکور خیرآباد رہتے اور آپ تھانہ منڈیاؤں میں فرائض منصبی ادا کرتے۔ ایک بار ایک متعصب و جنگ جو افسر نے جہالت و تعصب کو دخل دیا آپ کو دینی حمیت اور وضعداری کے خلاف کوئی بات کیونکر گوارا ہو سکتی۔ مذہبی جوش آ گیا۔ آپ کے ماتحت فوج بھی آپ کے ساتھ تھی آپ نے ایسی بہادری کو دخل دیا کہ وہ مغلوب ہو کر پسپا ہوا اور اپنی حرکت ناشائستہ پر نادم۔ عہد شاہی میں چکلہ داری گویا ضلع کی کلکٹری ہوا کرتی تھی۔ چونکہ مالی اختیار کے ساتھ فوجی قوت بھی دی جاتی تھی۔ اس لئے اس کو کلکٹری کرنیلی کا مجموعی عہدہ سمجھنا چاہیئے۔ جب سلطنت اودھ کی ضبطی ہو گئی تو آپ کسی قدرشناس امیر کے یہاں بعہدۂ کامداری ملازم ہو گئے اور داروغائی کے خطاب سے مخاطب کئے گئے وہ امیر آپ کی عزت و توقیر کرتے۔ فن شاعری میں آپ کو اعلیٰ دستگاہ حاصل تھی۔

مکہ خیاط(۱) نے جو نصیرالدین حیدر بادشاہ کی پوشاک کا مہتمم تھا اور اُس عہد میں اپنی فیاضی و دینداری کی وجہ سے مالدار امرا کی طرح مشہور ہو گیا تھا آپ سے ایک مثنوی اپنے حالات کی تصنیف کرائی جس کا نام مثنوی مکہ ہے وہ سُن کر نہایت خوش ہوا تھا۔ مکہ خیاط کے مرنے کے بعد اُس کے لڑکوں نے وہ مثنوی حاصل کی۔ زوال سلطنت کے بعد آخر میں میر صاحب نے انقلاب کے واقعہ کو بھی نظم کیا ہے جس کے چند شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ آپ لکھنؤ میں بمقام محلہ سبحان نگر سکونت پزیر تھے ۱۲ رجب ۱۲۸۴ہجری کو سید ضامن صاحب مرحوم کا انتقال ہوا۔ نادان محل لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ قطعہ تاریخ راقم نے یہ نظم کیا

چو ضامن علی صاحبِ علم و فن — محبِ خدا مستِ روزِ الست
گئے باغِ جنت کو دنیا سے وہ — بحکمِ خداوندِ بالا و پست
مظفر لکھو بہرِ سالِ وفات — ہوئے جنتی سید دین پرست

۱۲۸۴ھ

اشعار مثنوی مکہ مصنفہ سید ضامن علی صاحب شاہ آبادی

چمن میں رہی ایک مدت بہار — خزاں سے ہوا آخرش دل فگار
گئیں قمریاں سرو کو چھوڑ کر — نہ لی بلبلوں نے گلوں کی خبر
جہاں بیگناہوں کا ہوتا ہے خوں — تو ہوتا ہے حاکم کے حق میں زبوں
امیر علی را بریدند سر — سوے لکھنؤ شد رواں بر شتر
برسر آمدے ایں ندا ہر نفس — کہ معراجِ مرداں چنین ست و بس
پھر آخر ہوا لکھنؤ کا یہ حال — کہ سب مالکِ دولت ہوئے پائمال

---

(۱) مکہ خیاط خیر آباد کا باشندہ تھا لکھنؤ میں اُس نے مسجد و سرائے بنوائی صادر و وارد کے لئے خدمتگار ملازم رکھے۔ علی قدر مراتب مسافروں کو زر نقد دیتا کھانا کھلاتا۔ مسجد میں موذن امام مقرر کئے تھے نذر دین محمد سے شہرت یافت مکہ۔ اس کا سجع تھا۔

جہاں رہتی تھیں بلبلیں نغمہ زن
لگے رہنے اس جا پہ زاغ و زغن

ہما کا جو تھا آشیانہ مدام
کیا بوم نے اُس جگہ پر مقام

فقیر آکے ہوتے تھے اس جا امیر
امیر اُس جگہ ہو گئے اب فقیر

کہاں ہیں وہ جلسے کہاں ہیں وہ یار
کہاں یہ خزاں اور کہاں وہ بہار

کہاں ہائے وہ شخص جاتے رہے
ہمیشہ جو لنگر لٹاتے رہے

کہاں وہ سخی افتخارِ زماں
کہاں وہ سپاہی دلاور جواں

بھلا سیداتم نے دیکھا جو حال
یہ کہئے کہ وہ خواب تھا یا خیال

نہیں اک طرح پر یہ لیل و نہار
نہیں اک نفس کا بھی کچھ اعتبار

نہ قائم رہا کوئی دایم کہیں
ہزاروں گئے زیرِ قعرِ زمیں

اسی خاک سے جو کہ پیدا ہوا
پھر آخر ہوا اس سے ہمخواب جا

رہا پنج روزہ وہ اس دہر میں
گیا عاقبت پھر اُسی شہر میں

دو روزہ ہے یہ بوستانِ جہاں
ہمیشہ اسے پائیداری کہاں

ہزاروں شہنشاہ ہیں زیرِ خاک
دلِ پُر الم جانِ اندوہ ناک

ہزاروں حسیں رشکِ خورشید و ماہ
نہاں خاک میں ہو گئے آہ آہ

ہزاروں امیر اور ہزاروں فقیر
ہزاروں غنی اور ہزاروں وزیر

ہزاروں مہِ آسمانِ کمال
اجل سے ہوئے گھٹ کے مثلِ ہلال

ہزاروں جوان صاحبِ تخت و تاج
تہ خاک دل چاک سوتے ہیں آج

کسی نے نہ پوچھی یہ اُن سے خبر
کہ کیا گزری زیرِ زمیں آپ پر

نہیں ہے جہاں میں کسی کو بقا
بجز ذات حق ہے سبھوں کو فنا

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار
مباش ایمن از بازیِ روزگار

رباعی در منقبت جناب امیرؑ مصنفہ سید ضامن علی صاحب

شاہا تو نار را ہمہ نور و ضیا کنی
شاہا تو آب را گہر بے بہا کنی
شاہا تو باد را نفس جانفزا کنی
شاہا تو خاک را بنظر کیمیا کنی

ایضاً

خاک درگاہ علی مشکیست عنبر شاہ دست
سنگ صحرائے نجف دُرّیست گوہر شاہ دست
بے میت او رسول اللہ آبے ہم نخورد
سلسبیل آگاہ زیں حرفیست کوثر شاہ دست

تمت بالخیر

تقریظ نثار فخر روزگار مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

بزرگانِ سلف کی مبارک زندگیوں اور ان کے کارناموں کو زندہ کرنا کسی ایک شخص کو نہیں ساری قوم کو جام حیات پلانا ہے۔ اس لئے کہ ان بزرگوں کے نام کے ساتھ پوری قوم کو بقائے دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ نامورانِ وطن و ملت کے کارنامے تحصیل معاش و معاد کے ایسے بے نظیر نمونے اور اخلاق و حسن معاشرت کے ایسے دل پر نقش ہو جانے والے سبق ہوتے ہیں کہ کسی قوم کے بننے اور ترقی کا زیادہ تر دارومدار انھیں پر ہوتا ہے اور انھیں پاک نفوس کے واقعات کو پیش نظر رکھ کے ہماری قوم کے موجودہ افراد نیک نفس و پاک باطن بن سکتے ہیں۔ اسی قریب کے زمانہ میں ایک نامور بزرگ **معالج الدولہ افسر الاطبا حکیم سید فرزند علی صاحب** گزرے ہیں جن کی زندگی کو غور سے دیکھئے تو مسلمانوں کے لئے ایک رحمت ربانی تھی وہ طبیب ہی کی حیثیت سے بنی نوع کو فائدہ نہیں پہونچاتے تھے بلکہ ان کی فیاضی، شرافتِ نفس، وضعداری اور تمام قوتیں ہمیشہ اسی سعی میں مصروف رہیں کہ خلق اللہ کو نفع پہنچائیں ایسے بزرگ دنیا سے مفقود ہوتے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ مفقود ہو گئے۔ لہذا ہمارے مصنفوں اور ادیبوں کا کام ہے کہ انھیں گزشتہ افتخاران امت کے کارناموں سے موجودہ نوجوانوں کو بیدار کریں اور اس دور کے مردہ صفت زندوں کے سینوں میں بھی ان گزری ہوئی نورانی زندگیوں کا چراغ روشن کر دیں۔ چند روز پیشتر کی دینی اور اخلاقی تعلیم لڑکوں میں اُن عادات و خصائل اور صفات و فضائل کو پیدا کرتی تھی جس سے دنیا کو ایسی ملکوتی صفات اور پاکیزہ صورتیں نظر آجایا کرتی تھیں۔ انگریزی مدارس نے اب ایسی تعلیم جاری کی ہے جس سے ایسے بزرگوں کے پیدا ہونے کی مطلق امید نہیں باقی رہی۔ اور کہنا چاہیئے کہ اب ویسے پاک طینت و پاک نفس بزرگ کبھی نہ پیدا ہونگے۔ اسی مایوسی کے عالم میں اگر کوئی کوشش ایسے واجب الاحترام بزرگان امت کے نمونے پھر دنیا کو

دکھا سکتی ہے تو فقط یہ ہے کہ عہد قریب کے پاک باز و نیک طینت بزرگوں کی سچی تصویریں کھینچ کے موجودہ یادگاران امت مرحومہ کے سامنے پیش کر دی جائیں۔ لہٰذا اب اگر کوئی سود مند و امید افزا تدبیر ان قدیم اخلاق حسنہ کے پیدا ہونے کی ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ بزرگان سلف کے حالات زندگی کو لکھ کے ان کی یاد تازہ کی جایا کرے۔ ہمارے دوست مولوی محمد مظفر حسین خان صاحب سلیمانی نے جو ایک مشہور اور قابل مصنف ہیں حکیم صاحب مرحوم مغفور کی زندگی کے حالات نہایت خوبی کے ساتھ قلمبند فرمائے ہیں اور ملک پر بڑا بھاری احسان کیا ہے کہ ایسی یادگار زمانہ تصنیف قوم کے ہاتھ میں دی جس سے فقط نہ حکیم سید فرزند علی صاحب ہی کا نام ایک شمع افروز کی طرح روشن نہیں ہوگا۔ بلکہ انھیں کے سلسلہ میں دور ماضیہ کے بہت سے ایسے ناموروں کے واقعات آشکارا ہو گئے جن کے ناموں کا پردۂ خفا میں رہنا سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سخت بدقسمتی تھی۔ میں اپنے دوست کی اس تصنیف کو نہایت قیمتی اور ان کی اس کوشش کو مسلمانوں کے حال پر ایک بہت بڑا احسان تسلیم کرتا ہوں۔ جن بزرگوں کا ذکر اس تصنیف میں آیا ہے ان میں اکثر کو میں بالذات جانتا ہوں۔ جن گزشتہ مہذب محفل کی تصویر ہمارے خان علامہ نے دکھائی ہے اس کا آخری دور میں نے اپنی حسرت نصیب آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کے اکثر نامور ارکان کی صحبت میں بیٹھ چکا ہوں کیا کہوں کہ کیسے فرشتہ سیرت پاک باز اور سراپا فیض و برکت بزرگ تھے۔ ان کو پاتا تو کجا آنکھیں ان کی سی دوسری صورتوں کو بھی ڈھونڈھتی ہیں مگر نہیں پاتیں۔ اس تصنیف میں بزرگوں کی تصویریں دیکھ کے کیا کہوں کہ کیسی مسرت حاصل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دلکش مرقع دکھا دینے کی وجہ سے میں قابل مصنف کا نہایت شکرگزار ہوں۔ مولوی محمد شاہ صاحب مرحوم جن کا ذکر اس کتاب میں جا بجا آیا ہے انتہا درجہ کے قابل بزرگ تھے اور اس اگلی تہذیب کے عجب سراپا برکت و فیض نمونہ تھے۔ ایک دن ٹیابرج کلکتہ میں میں نے خود ان کی زبان سے یہ شعر سنا تھا ~

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ   یاد رکھو فسانہ ہیں ہم لوگ

آج اس مدت کے پچاس برس بعد اُن کا وہ موعودہ فسانہ اس تصنیف میں مولانا مظفر حسین خاں صاحب کی زبان سے سُن کر کیا کہوں کہ میری کیا حالت ہوئی۔ خدا! ان کو غریقِ رحمت کرے مصنف صاحب کو جزائے خیر دے اور ان کی تصنیف کو مقبولِ عام بنائے۔

خاکسار

محمد عبدالحلیم شررؔ، لکھنؤ، دفتر دلگداز

۱۱ر جولائی ۱۹۲۳ء

قطعات تاریخ متعلق کتاب گنجینۂ سلیمانی

نوشتۂ کلکِ جواہر سلکِ عالی جناب پرنس ثریا قدر مرزا محمد تقی علی بہادر برادر زادہ و داماد حضرت سلطانِ عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ و خلف الرشید شاہزادہ سلیمان قدر بہادر یادگار سلطنت لکھنؤ

ہیں مظفر حسین صاحب جو   اس رسالہ کے ہیں وہی بانی
اپنے اُستاد کا جو لکھا حال   بلبلِ دل نے کی گل افشانی
خاں بہادر معالج الدولہ   ہی عطیہ خطاب سلطانی
وہ فلاطونِ وقت تھے گویا   گر ارسطو کہیں، ہے نادانی
فکر و کوشش دماغ سوزی کی   جب زمانے کی خاک ہے چھانی
تب فراہم یہ واقعات ہوئے   ہے یہ تائید و فضلِ رحمانی

ایسی کرتا جو کوئی دردسری   شکل آئینہ ہوتی حیرانی
ایسا پیراک بھی ہو اس کے لئے   جب کرے بحرِ فکر طغیانی
اتنی محنت جفاکشی کرنا   خیلے مشکل بذاتِ انسانی
حسب خواہش مگر ثریا اب   سن تالیف بھی ہو لاثانی
ازسرِ انبساط سال لکھو   **ضرب گنجینہ سلیمانی**

۱۳۴۲ھ

دیگر

بارک اللہ کیوں نہ ہو لائق مظفر واہ واہ   یہ جو کی تالیف بیشک کام تھا بے حد ادق
کی بڑی محنت مشقت اور اٹھائیں دقتیں   اس عرق ریزی میں ہیں سہنے پڑی فکرِ قلق
ہاں مگر تالیف بھی تو یہ ہوئی ہے بے مثال   کذب گوئی سے جو خالی صدق سے پر ہے بحق
اے ثریا سال اب تصنیف کا اس طور ہے   **زبدۂ احوال بعضے قابلین ماسبق**

۱۳۴۲ھ

ایضاً

جو چھوڑ گئے دہر میں کچھ لکھ کے ذخیرہ   نام آوری ان کی ہے وہ ہیں صاحب اقبال
دنیا میں مگر چند زمانے کے لئے ہے   اولاد سے بھی نام ہو گر نیک ہوں افعال
ہاں صاحبِ تالیف و تصانیف ہوئے جو   نام ان کا ہمیشہ رہا قائم بصد اجلال
تالیف کا اس کے سنِ فصلی ہو ثریا   **اچھا لکھا تریاق ہے استاد کا احوال**

۱۳۳۱ف

ایضاً

ہیں جو یہ قابل مظفر جدا   مغتنم ان کی جہاں میں ذات ہے
شوق انھیں تدقیق کا تحقیق کا   فکر بس رہتی یہی دن رات ہے

کچھ نہ کچھ تالیف یا تصنیف ہو — شغل یہ اُن کا بسا اوقات ہے
یہ رسالہ ان دنوں نادر لکھا — جو کہ محفوظ از جمیع آفات ہے
تا سبق کا نام تا باقی رہے — بہر ہر کس طرق معلومات ہے
جھیلیں اس تالیف میں وہ مشکلیں — کام یہ آساں نہ تھا ہیچ بات ہے
سال تالیف اب ثریا نے لکھا — مشکبوئے گلدستۂ حالات ہے

۱۳۴۲ھ

ایضاً

صاحب تالیف نے نسخہ یہ ایسا ہی لکھا — دوست دشمن شاد ہوں دیں داد گر دیکھیں حریف
واہ وا کیا خوب ہے ارضِ ورق پر کاشت کی — دائماً اس میں رہے گی دیکھنا فصلِ خریف
طرفہ صنعت ہے اگر اہل ہنر کے ہو پسند — ظاہر و باطن ہیں اک مصرع میں دو سن ہم ردیف
سال فصلی طبع کا ہے عیسوی تالیف کا — اے ثریا اس طرح تاریخ لکھنا تھا ظریف
معنوی میں عیسوی سن کا ہر اک کر لے شمار — سال فصلی تیرہ سو اکتیس صوری ہے لطیف

۱۹۲۳ء

نتیجۂ قلم گہربار عالی جناب ہز اکسیلنسی راجہ راجایان سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای کے سی آئی ای وزیر اعظم سرکار عالی دولتِ آصفیہ حیدر آباد دکن

مُحبِ شاد مظفر حسین صاحب نے — کتاب ایسی لکھی ہے کہ جو ہے لاثانی
یہ ہے سوانح عمری معالج الدولہ — مجربات تھے از بسکہ جن کے لقمانی
حکیم حاذق و فضل و کمال میں یکتا — وہ زندگی میں تھے منظورِ لطف سلطانی

وہ علم و فضل میں استاد تھے مولف کے | کہ جس کی کرتا ہے شاگرد یوں ثنا خوانی
جو سال طبع کا پوچھا تو شاد نے یہ کہا | ہے کنز فیض کا گنجینۂ سلیمانی

۱۳۴۲ھ

ایضاً

لو مظفر حسین صاحب نے | اہل حکمت کا تذکرہ لکھا
نام استاد کا کیا زندہ | حق شاگردی یوں کیا ہے ادا
لکھا حال معالج الدولہ | نسخۂ کیمیا یہ ہاتھ آیا
با دل شاد شاد کہتا ہے | ذکر ہے افسر الاطبا کا

۱۳۴۲ھ

چکیدۂ خامۂ دربار جلیل القدر جناب نواب فصاحت جنگ بہادر حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین امیر مینائی اوستاد شاہ دکن خلد اللہ ملکہ

بحمد اللہ ہوئی مطبوع وہ تصنیف نورانی | کہ آنکھیں ہو گئیں روشن اٹھا یا حظ روحانی
کھچا اس حسن کا نقشہ کہ سب ہیں محو نظارہ | ادھر ہے زاد کو سکتہ ادھر مانی کو حیرانی
سوانح اک حکیم نامور کے درج ہیں اس میں | حذاقت میں تھے جو یکتا طبابت میں تھے لاثانی
معالج تھے جو دولت کے خطاب خاص پایا تھا | اودھ کے شاہ اختر سے جو تھے بحر سخندانی
ہوئے بھوپال میں وہ افسر اعلیٰ اطبا کے | رہے دربار میں وہ مورد الطاف سلطانی
وہ اولاد نبی تھے نام فرزند علی ان کا | مقدس ذات ان کی تھی مدار طب یونانی
مولف اس کتاب دلکش و مرغوب نادر کے | ہیں اک فرد فرید و جوہر کان ہمہ دانی
حسین آخر ہے ان کے نام میں اول مظفر ہے | صلہ تالیف کا پائیں بفضل و لطف ربانی

جلیل اس کے لئے تاریخ بھی کیسی پری نکلی | یہ ہے اک نسخۂ اکسیر یا گنجِ سلیمانی

۱۳۴۲ھ

نتیجہ طبع وقاد نواب اختر یار جنگ بہادر منشی لطیف احمد صاحب اختر مینائی
ناظم و معتمد سرکار عالی صیغۂ امور مذہبی سلطنت آصفیہ

یہ ہے وہ بوستانِ علم و حکمت | نہیں ممکن کسی سے جس کی تعریف
زبانِ پر اثر تحسیں کے قابل | بیانِ پر صفا شایانِ توصیف
ہر اک جملہ ہر اک فقرہ ہر ایک لفظ | دوائے کلفت و آلام و تکلیف
مسلّم ہے کہ ہے ذکرِ مسیحا | مریضوں کے مرض میں وجہ تخفیف
قلم سے کس کے نکلی ایسی تحریر | نظر سے کس کے گزری ایسی تالیف
ترے لطف و عنایت سے الٰہی | قبولِ عام کی پاتے یہ تشریف
لکھو یہ مصرعِ تاریخ اختر | چھپی ہے بہتر و نایاب تصنیف

۱۳۴۲

از جناب خان بہادر مولوی محمد مطیع اللہ خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر رئیس شاہجہان پور
مصنف تاریخ شاہجہاں پور

مرے مشفق نے لکھے یہ سوانح حسن و خوبی سے | ہوئی اس کام کی تکمیل میں تائید یزدانی
کیا ہے نام روشن خوب ہی استاد لایق کا | ملے گا دو جہاں میں اجر با صد فضلِ رحمانی
یہ احقر بھی ہے واقف آپ کے استاد قابل سے | حکیم حاذق و کامل تھے وہ ذی علم لاثانی
تشرع اور تورع میں بھی وہ مشہور دوراں تھے | ہوا صدہا کو ان سے فیض حاصل اہالی و جانی

ملیں گے اب نہ ایسے خوبیوں کے لوگ دنیا میں
خدا بخشے انھیں جنت میں پائیں قصرِ نورانی

الٰہی ملک میں مقبول یہ تصنیف دلکش ہو
صلہ پائے مصنف ہر طرف سے ہو دُر افشانی

خلیل اس کے لیے تاریخ گر مطلوب ہے تجکو
تو لکھ ہے بے بہا یہ بے خزاں باغِ سلیمانی

۱۹۲۴ء

از جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب تعلقہ دار کلکٹر دہلوی مصنف تاریخ بیجاپور تاریخ مملکت دہلی، حسن معاشرت، حکایاتِ لطیفہ، لطائف عجیبہ، خلف الرشید شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب مصنف مرأت العروس، توبۃ النصوح وغیرہ

جناب منشی مظفر حسین صاحب نے
لکھی کتاب عجیب و غریب لاثانی

پڑھی ہے جس نے وہ لطف اس کا خوب جانتا ہے
کلام کی جو فصاحت ہے سب نے ہے مانی

وہ کھینچی آپ نے تصویر رنگ ایسا بھرا
کہ دل یہ بول اُٹھا نقش ہے سلیمانی

کبھی جو دیکھتا نقشہ تو شک نہیں اس میں
کہ ڈوب جاتا خجالت کے بحر میں مانی

نکالے دُرِّ مضامین ایسے درد بھرے
کہ جن کو پڑھتے ہی ہو جاتا ہے جگر پانی

وہ واقعات لکھے سر بسر جو ہیں سچے
قلم کی خوب دکھائی ہے گوہر افشانی

نہ جھوٹ اس میں ذرا ہے نہ بات ہے کھوٹی
لکھی جو بات وہ جانچی ہے خوب ہے چھانی

لیاقت آپ کی بے مثل ہے تلاش ہے خوب
بہت ہی مشکل ہے اوروں میں بات یہ آنی

جنھیں ہو شک وہ منگا کر کتاب کو دیکھیں
ہمیں یہ بات ہے اپنی انھیں سے منوانی

یہ کاوش آپ کی اور ایسی بے نظیر تلاش
ابھی تو قوم سے ہے داد شک نہیں پانی

یہ حق تھا آپ پہ استاد کا نہیں کچھ شک
کہ کرتے آپ اسی طرح سے ثنا خوانی

عجیب و نادر و نایاب ایسی لکھی کتاب
کہ رکھ لی آپ نے استاد کی بھی ہاں پانی

خبر نہ تھی ہمیں اوصاف اور کمال کی یہ — اب آپ نے جو کہا ہم نے بات ہی مانی
فنا کے ہاتھوں سے سارا جہان ہے تاراج — ہر ایک چیز یہاں کی ہے آنی اور جانی
اسی سے نام ہے رہتا بس زمانہ میں — سوا کتاب کے جو چیز ہے وہ ہے فانی
ہے سال طبع جو اس کا بشیر کو مطلوب — ہو بست و چار پہ آئیں کی فراوانی

۱۹۲۴ء

ایضاً

کتاب ایسی لکھی نادر زماں ہے وصف سے قاصر — مصنف کی لیاقت قابلیت سب نے ہے مانی
بشیر الدین احمد نے پئے تاریخ جب کی فکر — کہا دل نے چھپی دلخواہ یہ نقش سلیمانی

۱۳۴۲ھ

از جناب حکیم معشوق علی خاں صاحب جوہر رئیس شاہجہان پور وکیل ہائیکورٹ حیدر آباد شاگرد مرزا نوشہ غالب دہلوی

حکیم حاذق و کامل معالج الدولہ — گئے جو خلد بریں چھوڑ کلبۂ فانی
تو ان کی زیست کے حالات تھے قابلیت علم — جو کچھ کہ ان کو بھی حاصل ز لطف ربانی
مشرح اور مفصل انھیں بشکل کتاب — کیا ہے جمع سب اک جا بہ نیک عنوانی
ہمارے دوست مظفر حسین خاں صاحب — کہ ہیں جو علم و فراست میں آج لاثانی
کئی برس کی ہے محنت یہ اک ذخیرہ نیک — کہ جس میں پند و نصائح کی ہے فراوانی
ہوئی جو فکر تو ہاتف نے بھی سن تالیف
کہا حیات ابد نسخہ سلیمانی

۱۳۴۲ھ

از وحید العصر حکیم مولوی اعجاز احمد صاحب معجز سہسوانی مصنف شعر العرب

تعالی اللہ ہوا اب جمع اس نسخہ کا شیرازہ — برنگ کاکل محبوب تھی جس کی پریشانی
سویدائے دل مردم سواد دیدۂ حوراں — عجب مسودہ اس نامہ کا تھا بےمثل و لاثانی
ہوا اب صاف ہو کر نور بخش دیدۂ بینش — شعاع نیر اکبر بیاض صبح نورانی
ہے صفحہ صفحہ اس کا غیرت ارژنگ چیں ایسا — خجل ہے سادہ لوحی سے اٹھا کر مو قلم مانی
رقم ہے اک طبیب نامور کی سیرت و حالت — بڑھی دنیا میں جس کے دم سے قدر طب یونانی
مکمل حسن ہے تصنیف ہے کامل مصنف کی — بنا دلکش نگیں کیوں ہو جب مرصع کار ہو بانی
عجب بے پیچ انداز بیاں ہے جس سے حاصل ہے — صفا و شستگی کو صورت آئینہ حیرانی
جمال صورت و معنی کمال ظاہر و باطن — دکھاتی ہے سمند فکر کی ہر گام جولانی
مصنف کی علو پایہ کی تحقیق اگر چاہو — عطارد سے کرو حل اس کے اسرار سخندانی
مسلم ہے فضیلت اس کی ذاتی ہو کہ موروثی — مصدق ہے کرامت اس کی کسبی ہو کہ فیضانی
سن تالیف کا مصرع حیرت خیز ہے معجز — طلسم حکمت ابدان ہے یا نقش سلیمانی

۱۳۴۲ھ

از محمد نوح صاحب رئیس اعظم قصبہ نارہ المخاطب بہ ناخدائے سخن
تاج الشعرا جانشین حضرت داغ دہلوی

بن گئی یہ کتاب رشک بہار — کی نظر نے وہ گل افشانی
خوب ہے نوح غنچۂ تاریخ — باغ گنجینۂ سلیمانی

۱۳۴۲

از جناب منشی نور الدین احمد صاحب علوی کیفی رئیس کاکوری

اے مظفر حسین خاں صاحب — رونقِ گلشنِ سخندانی
حال اُستاد میں لکھا کیا خوب — تم نے گنجینۂ سلیمانی
ذکرِ احبابِ اوستاد بھی ہے — کیا دکھائی قلم کی جولانی
واقعی تھی معالج الدولہ — شاہِ اقلیمِ طبِ یونانی
وہ مسیحائے وقت تھے مشہور — فخرِ لقمان طبیبِ لاثانی
چشمِ مشتاق کے لئے یہ کتاب — ہوگئی سرمۂ صفاہانی
سالِ تاریخ یہ لکھو کیفی — دل نشین مخزنِ سلیمانی

۱۳۴۲ھ

از ابو الوفا سید محمد عبد الباقی صاحب نقوی مودودی چشتی مصنف حیات العلما تاریخ قلعہ الستن، اینہ نامہ وغیرہ رئیس سہسوان ضلع بدایوں

جس وقت فراہم ہوا یہ دفترِ حکمت — دی روحِ فلاطون نے صدا واہ بہت خوب
کیا مصرعۂ تاریخ لکھا کلکِ وفا نے — یہ نسخۂ اکسیرِ مجرب ہوا مجبوب

۱۳۴۲ھ

از جناب حاجی مولوی نور الحسن صاحب نیر بی اے ال بی وکیل ہائی کورٹ مصنف رسالہ خورشید بدر، نور اللغات خلف الرشید حضرت مولانا محسن کاکوری

مرحبا مشفقی مظفر حسین — کلک او آبشارِ فیض دوام
کرد تالیف این کتابِ لطیف — در خصالِ طبیبِ فردِ انام

حاذق و افسر الاطبا ہم | نام فرزند علی بلند مقام
چو سخن از معاصرین او آمد | شد دو بالا بہار حسن کلام
باد گنجینۂ سلیمانی | نقش تسخیر در خواص و عوام
گفت نیّر بسال تاریخش | گشت مطبوع یادگار کرام

۱۳۴۲ھ

از جناب سید حسین احمد میاں صاحب بیباک رئیس شاہجہان پور سجادہ نشین سلسلہ غوثیہ

بحکم جناب مظفر حسین | جو کی فکر تاریخ تو نا گہاں
مرے کان میں ہاتف غیب نے | کہا طرز نو گلشن بیخزاں

۱۳۴۲ھ

از جناب مولوی سید محمد تہذیب احمد صاحب

وحید عصر مظفر حسین صاحب نے | لکھا ہی بسط سے حال معالج الدولہ
ہی نقش خامۂ احمد یہ مصرع تاریخ | خصال و قدر کمال معالج الدولہ

۱۳۴۲ھ

از جناب حکیم مولوی ضمیر حسن خاں صاحب دل رئیس شاہجہان پور جلال نگر ہاتھی تھان شاگرد رشید امیر مینائی

مرے رفیق مظفر حسین خاں صاحب | کہ جن کے نام سے روشن ہوئی سخندانی
ذہین و جوہر یکتا گل ریاض کمال | مرے شفیق عدیم المثال و لاثانی

شعاعِ نیّرِ بزمِ شرف انہیں کہیے   ہی بزم جن کے کمالات ان سے نورانی
بصد خلوص و بصد شوق کیوں نہ شام و پگاہ   زبانِ خلق رہے مائلِ ثنا خوانی
خواص کیوں نہ یہ تالیف غور سے دیکھیں   کہ واقعی ہی عدیم النظیر و لاثانی
خیالِ مصرعِ تاریخ کا ہی پیشِ نظر   دکھائے طبعِ رسا خوب اپنی جولانی
زبانِ دل سے نکلتا ہی بار بار اے دل   کہ دلکشا یہ لکھا نسخۂ سلیمانی

۱۳۴۲ھ

از جناب مولوی محمد عبد السمیع خاں صاحب نکہت بی اے آنرز ان پرشین رئیس شاہجہانپور

بیا در بوستانِ معرفت با چشمِ روحانی   بہارِ بیخزاں ہردم کند اینجا گل افشانی
اسیرِ رنگ و بو دارد ترا نیرنگیِ عالم   ز اسرارِ حقیقت نکتۂ رنگیں نمی دانی
متاعِ دردِ دل از دست بگذاری و می نازی   قبول افتد ترا حسن ادا یا ئی و یونانی
مگر رفتہ زیادت آں نشاطِ بزمِ دوشینہ   درین دامِ بلا ہردم اسیر آبی و نانی
فریبِ ہستیِ فانی مخور اے مستِ رعنائی   بگو درسِ حقیقت ہمچنیں تا کے غلط خوانی
مرادِ دل بجو از برکتِ انفاسِ درویشاں   پیامِ معرفت بشنو ز لبہائے سلیمانی
مئے عرفاں بکش بہم بساطِ عقل را برچیں   کہ ایں تردامنی آمد دلیلِ پاک دامانی
حیاتِ تازہ می بخشد حدیثِ پیرِ میخانہ   زہے رنگیں ادائی ہا خوشا ایں گوہر افشانی

چو لاحق گشت دل را فکرِ ہر سال اے نکہت
بگو سحبِ دل افروز شد شمعِ سلیمانی

۱۳۴۳ھ

ازجناب مولوی سید علی سجاد صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر سہارن پور
خلف الرشید خان بہادر سید رضا حسین صاحب رئیس کالپی

لیاقت سے لکھے حالات ہیں لائق بزرگوں کے — حیاتِ جاوداں بخشی ہے یہ احسان لاثانی

خدا دے اجر اس محنت کا ان کو دین و دنیا میں — مرے مشفق کا روشن نام ہو ہر سو ثنا خوانی

جو ڈھونڈھا میں نے قطعۂ سال اس تصنیف دلکش کا

کہا ہاتف نے لکھدو **مرحبا فیضِ سلیمانی**

۱۳۴۲ھ

تمت بالخیر

فطرتِ اطفال

یعنی

فن تعلیم و تربیت کے متعلق انگریزی کی ایک مختصر لیکن نہایت مفید، کارآمد اور دلچسپ کتاب کا ترجمہ۔ اساتذہ و والدین دونوں کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے، یہ رسالہ ۴۲ صفحہ کا ہے اور ابھی حال میں کانفرنس نے ترجمہ کرا کر عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔

اولاد کی تعلیم کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ سب خاندانوں کی آیندہ ترقی اسی پر منحصر ہے اس لئے کسی شخص کو ایسے اہم مقصد پر چار آنے خرچ کرنے میں تامل نہ ہوگا جب آپ اس رسالہ کو غور سے پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ صرف ۴ر خرچ کر کے آپ نے کس قدر معلومات و تجربہ حاصل کیا خود بھی خریدئے اور صاحبِ اولاد احباب کو بھی خریداری کی ترغیب دیجئے۔ اطلاع مشاہیر مصنفین کی تالیفات کانفرنس بک ڈپو سے طلب کیجئے

ملنے کا پتہ:- دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ

وقارِ حیات

یعنی

نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی حاجی محمد مشتاق حسین صاحب سابق ریونیو سکریٹری

گورنمنٹ نظام و آنریری سکریٹری محمڈن کالج و بانی آل انڈیا مسلم لیگ

کی

نہایت مفصّل مکمل و دلچسپ و پُر از معلومات سوانح عمری جو ایجوکیشنل کانفرنس نے

علی گڑھ کی پنجاہ سالہ جوبلی کے موقع پر شائع کی

یہ سوانح عمری درحقیقت مسلمانوں کی گزشتہ پنجاہ سالہ زمانہ کی تعلیمی، سیاسی، اور قومی تاریخ اور عجیب و غریب

واقعات کا مرقع ہے۔ حیدرآباد، علی گڑھ تحریک، اور اسلامی پالٹیکس کے متعلق بہت سے پُر اسرار و مخفی

اس کتاب سے معلوم ہوتے ہیں۔ جو کسی دوسرے طریقہ سے نہیں معلوم ہو سکتے

معہ مقدمہ

نوشتہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور

مطبوعہ مُسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ۔ کاغذ سفید تقطیع ۲۰×۲۶ ضخامت قریباً ۹۰۰ صفحہ مع فوٹو نواز

قیمت پانچ روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ دفتر آل انڈیا مُسلم ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ